دیوبندی علما کی حکایات

مولف

[illegible]

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

سُنّی اور دیوبندی حضرات کے لیے یکساں مفید

دیوبندی علماء کی حکایات

اِس میں دیوبندی حضرات کے اکابر علماء کی حکایات درج ہیں
جو خود دیوبندی حضرات کے اکابر کی تالیفات سے نقل کی گئی ہیں۔ ہر
حکایت کے بعد سبق کے عنوان سے اس پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ پڑھیے
اور سبق حاصل کیجیے

مؤلف

مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

نام کتاب : ـــــــــــ دیوبندی علماء کی حکایات

مؤلف : ـــــــــــ سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر

ناشر : ـــــــــــ فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

مطبع : ـــــــــــ رومی پرنٹرز ۲۲/۸ پیٹنگن روڈ

ہجویری پارک لاہور

کاتب : ـــــــــــ محمد نعیم گیلانی

قیمت : ـــــــــــ ۵۶/- روپے

ماخذ کتاب

اس کتاب میں مندرجہ ذیل کتابوں سے حکایات لی گئی ہیں یہ سب کتابیں دیوبندی حضرات کے اکابر کی لکھی ہوئی ہیں۔

تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی۔ مؤلفہ منشی محمد جعفر تھانیسری۔ ناشر محمد معظم۔ مطبع فاروقی دہلی۔

ارواح ثلثہ ملقب بہ حکایات الاولیاء۔ تالیف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔ ناشر دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی۔

تذکرۃ الرشید۔ تالیف مولوی محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی۔ ناشر ادارہ اسلامیات۔ انارکلی۔ لاہور۔

فتاویٰ رشیدیہ مبوب بطرز جدید۔ ناشر ایچ۔ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی۔

تقویۃ الایمان۔ قاضی فضل حسین کے اہتمام سے مطبع مرکنٹائل پرنٹنگ دہلی میں مطبوعہ

حیات طیبہ۔ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کی سوانح عمری مصنف مرزا حیرت دہلی۔ ناشر مکتبہ الاسلام دھن پورہ لاہور۔

سوانح قاسمی۔ مولوی سید مناظر احسن گیلانی کی تالیف ناشران مکتبہ رحمانیہ اردو بازار مکتبہ چراغ اسلام قذافی مارکیٹ لاہور۔

مجالس حکیم الامت۔ تحریر و ترتیب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ناشر دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی۔

قصص الاکابر۔ مولوی اشرف علی صاحب کے مواعظ و ملفوظات سے ماخوذ۔ ناشر کتب خانہ جمیل ۵ گوالمنڈی روڈ۔ لاہور۔

مقبول بہشتی زیور۔ تالیف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ناشر مکتبہ رحمانیہ اردو بازار۔ لاہور۔

اشرف السوانح۔ مولوی اشرف علی صاحب کی سوانح عمری بقلم خواجہ عزیز الحسن صاحب ناشر ایم ثناء اللہ خان اینڈ سنز ۲۷ ریلوے روڈ۔ لاہور

الافاضات الیومیہ۔ ملفوظات مولوی اشرف علی صاحب۔ ناشر شبیر علی۔ مطبع اشرف المطابع تھانہ بھون۔

امداد المشتاق ۔ مولفہ مولوی اشرف علی صاحب ناشر کتب خانہ شرف الرشید شاہکوٹ ۔

حسن العزیز ۔ ملفوظات و مکتوبات مولوی اشرف علی صاحب ۔ محق وعظ اسراف ۔ ناشر امداد المطابع تھانہ بھون ۔

حیاتِ اشرف ۔ مولف مولوی غلام محمد صاحب ۔ ناشر محمد عبد المنان مکتبہ تھانوی دفتر الابقا ۔ بندر روڈ کراچی ۔

ہفت اختر ۔ مولوی اشرف علی صاحب کے مواعظ کا مجموعہ ناشر امداد المطابع تھانہ بھون ۔

تربیۃ السالک ۔ مولوی اشرف علی صاحب کی تالیف ناشر امداد المطابع تھانہ بھون ۔

فیصلہ ہفت مسئلہ ۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی تالیف ۔ ناشر علما اکیڈمی شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف حکومت پنجاب لاہور ۔

دیوبندی مسلک کا ماہنامہ پیام اسلام ۔ لاہور ۔

قادیانی مذہب ۔ مولف الیاس برنی ۔

فہرست

دیوبندی علماء کی حکایات

پہلی نظر

ہالینڈ کے شہر ایمسٹرڈیم میں نبیرۂ اعلیٰ حضرت علامہ ریحان رضا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو احباب کے ہمراہ زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ مختلف شہروں سے آئے ہوئے عقیدت مندوں کے ہجوم میں آپ تشریف فرما تھے۔ دست بوسی کے بعد جب عرض کیا کہ میں علامہ ابوالنور محمد بشیر صاحب کا فرزند ہوں تو آپ اٹھے اور مجھ سے بغل گیر ہو گئے۔ فرمایا "میں تو علامہ ابوالنور صاحب کے مداحوں میں سے ہوں۔ ماہ طیبہ کے ان قارئین میں سے ہوں جو عید کے چاند کی طرح ماہ طیبہ کے منتظر رہتے تھے۔" تقریباً ایک گھنٹہ آپ کی خدمت میں رہا، آپ ابا جان ہی کی باتیں فرماتے رہے۔ فرمایا کہ ہندوستان بھر کے علماء کی لائبریریوں میں ماہ طیبہ کے فائل، مولانا ابوالنور کے مواعظ اور حکایات موجود ہیں۔ پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ مولانا آجکل کونسی نئی کتاب لکھ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ سنی علماء کی حکایات کے بعد دیوبندی علماء کی حکایات ترتیب دے رہے ہیں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب یقیناً شاہکار ہوگی۔ مولانا ابوالنور کی تحریر سادہ اور تنقید بہت شگفتہ ہے۔ خانوادہ اعلیٰ حضرت کے اس عظیم فرزند کی وسیع القلبی تھی کہ وہ برابر ابا جان کی تعریف فرماتے چلے جا رہے تھے حالانکہ آپ خود اس عظیم شخصیت کے پوتے تھے جس نے برصغیر کے سنیوں پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ یورپ کے مختلف شہروں میں ہندوستان کے جید علماء سے شرف ملاقات نصیب ہوا ہے۔ میں نے سب کو ابا جان کی عظیم خدمات کا معترف پایا۔ مجھ سے سب نے یہی سوال فرمایا۔

"مولانا کی کوئی نئی کتاب؟"

قبولیت عامہ خدائے بزرگ و برتر کا انعام ہے۔ ابا جان کے سلسلۂ حکایات کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ سچی حکایات کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ابا جان کا مزاج غنی اور طبع فقیرانہ ہے۔ نام و نمود اور تشہیر قطعاً پسند نہیں فرماتے ورنہ مواعظ و حکایات کی تعریف و توصیف میں اہل علم کے خطوط جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ سچی حکایات کے بعد ابا جان نے شیطان کی حکایات، عورتوں کی حکایات، مثنوی کی حکایات اور سنی علماء کی حکایات تحریر فرمائیں۔ خدا کے فضل سے ان تمام کتابوں کو اہل علم نے بے حد سراہا۔

زیرِ نظر کتاب دیوبندی علماء کی حکایات اباجان کی نئی تالیف ہے ہر حکایت کے بعد سبق کے عنوان سے تبصرے کتاب کی جان ہیں۔ ہر تبصرہ مستقل مضمون ہے اس کتاب میں واعظین کے لیے بے پناہ مواد ہے۔ تنقید مہذب انداز میں ہو تو اثر بھی رکھتی ہے۔ مجھے سنی واعظین سے ہے۔ سلطان الواعظین نے نہایت شگفتہ اسلوب مہیا فرمایا ہے۔ سخن کے آخر، ذرہ نوازی کی طرح مجھے امید ہے کہ اہلِ علم اس کتاب کو بھی پذیرائی بخشیں گے۔

اس کتاب کی تکمیل میں برادرم سید اعجاز احمد شاہ صاحب کا بہت حصہ ہے انہی کی تحریک پر اباجان کچھ نہ کچھ لکھتے رہے۔ بعض اسباب کی بنا پر سلسلۂ تحریر رک جاتا تو شاہ صاحب اباجان کو یاد دلاتے رہتے۔ بالآخر یہ کتاب پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ ۔ ۔ ۔ الحمدللہ اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

قارئین کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ اباجان کی تندرستی اور درازیٔ عمر کے لیے دعا فرمائیں۔ یہ چشمۂ نور سدا جاری و ساری رہے آمین۔

عطاء المصطفیٰ جمیل ایم اے

حکایت ۱

سید صاحب کی ابتداء

آپ نے (جناب سید احمد صاحب نے) واسطے سمجھنے معنی قرآن و حدیث کے کچھ صرف و نحو سیکھنا چاہا۔ اور مصباح تک آپ نے دیکھا تھا۔ کہ ایک رات جب آپ اس کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ تو ایک حرف بھی اس کا نظر نہ آتا تھا۔ صرف سیاہ صفحے کتاب کے دکھائی دیتے تھے۔ تب آپ نے گمان کیا۔ کہ کوئی عارضہ ضعفِ بصر کا پیدا ہو گیا ہے۔ فجر کو جب ساری کیفیت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں عرض کی۔ تو آپ نے سید صاحب سے پوچھا۔ کہ فقط کتاب ہی ایسی نظر آتی ہے۔ یا سب چیزیں ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں۔ تو آپ نے کہا کہ فقط کتاب ہی کا یہ حال ہے۔ اور سب چیزیں برابر جوں کی توں دکھائی دیتی ہیں۔ تب مولانا نے فرمایا۔ کہ کتاب کو رکھ دو۔ خداوند تعالیٰ نے تم کو دوسرے کام کے واسطے پیدا فرمایا ہے۔ اب تم کو لکھنا پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ خود بخود بلا تعلیم کسی ظاہری معلم کے آپ کو سب علوم اور حکمت سکھا دیوے گا۔ اردو ترجمہ قرآن مجید کا سب سے پہلے آپ نے سیکھا۔ اور خوشخط لکھنا کہ وہ طریقے کی طرح کا پڑھنا قرآن مجید کا جیسا کہ ہندوستان میں دستور ہے آپ نے چھوڑنا چاہا۔ اس کے بعد آپ نے طریقہ نقشبندیہ میں مولانا (شاہ عبدالعزیز) کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہا۔ تو اس وقت مولانا ممدوح نے فرمایا۔ کہ اگرچہ اس صاحب باطن کو واسطے اختیار کرنے طریق رشد اور ہدایت کے وسیلہ کی احتیاج نہیں ہے۔ مگر اہل ظاہر کے نزدیک ہر چیز کے واسطے ایک سبب بھی ضروری بات ہے پس فقط واسطے رفعِ حجت اہل ظاہر کے بیعت لے لیتا ہوں (سوانح احمدی صفحہ ۱۱)

سبق

جناب سید احمد صاحب بے لکھے پڑھے تھے۔ خدا نے انہیں براہِ راست سارے علوم سکھلا دیئے تھے۔ بیعت کرتے وقت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا تھا کہ اس صاحبِ باطن کو کسی وسیلہ کی احتیاج نہیں۔ مگر ہر چیز کے لیے ایک سبب کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے میں بیعت لے لیتا ہوں۔ بیعت کے لیے تو آپ کے لیے سبب ظاہر ضروری تھا۔ مگر قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے آپ کو کسی ظاہری معلم کی ضرورت نہ تھی۔ آپ کو یہ علوم بغیر کسی استاد کے براہِ راست خدا

سے حاصل ہو گئے۔

ایک مرتبہ رمضان شریف کی ستائیسویں شب میں آپ سو رہے تھے۔ دو تہائی شب آپ سو چکے۔ تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آکر آپ کو جگایا۔ اور حکم دیا۔

"اے احمد جلد اٹھ اور غسل کر"

سید صاحب نہایت سرعت کے ساتھ اٹھے۔ اور مسجد کے حوض کی طرف دوڑے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا۔ مگر اسی پانی سے آپ نے غسل کیا۔ غسل کرتے وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے رہے۔ غسل سے فارغ ہو کر حاضر ہوئے۔ تو حضور نے فرمایا۔

"اے فرزند! آج شب قدر ہے تو یادِ الٰہی میں مشغول ہو جا"

چنانچہ آپ اذانِ فجر تک سجدے ہی میں پڑے رہے۔ اذان ہوئی۔ تو ہوش آیا۔ اور وضو کر کے جماعت میں شریک ہوئے۔ ادائے اشراق کے بعد حاضرین سے مسرور و محظوظ ہو کر فرمایا کہ

"آج کی رات تم اپنی مراد کو پہنچ گئے"

سوانح نگار مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری یہ سارا قصہ لکھ کر لکھتے ہیں۔ کہ

"اس روز کے بعد سے آناً فاناً آثارِ ترقیات اور علو درجات و معاملاتِ عجیب و وارداتِ غریب آپ پر ظاہر ہونے لگیں"

اس کے بعد مولوی محمد جعفر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ

"ایک رویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چھوارے اپنے دستِ مبارک سے سید صاحب کے منہ میں ایک دوسرے کے بعد رکھ کر بہت پیار اور محبت سے کھلائے۔ اور جب آپ بیدار ہوئے۔ تو شیرینی ان چھواروں کی آپ کے ظاہر اور باطن سے ہویدا تھی۔

پھر لکھا ہے۔ کہ آپ نے خواب میں دیکھا۔ کہ

"حضرت علیؓ نے اپنے دستِ مبارک سے آپ کو نہلایا۔ اور حضرت فاطمہؓ نے

ایک لباس فاخرہ اپنے ہاتھ سے آپ کو پہنایا۔"

اسی پر بس نہیں۔ بلکہ

"ایک دن ایک رویا حقہ میں اللہ رب العزت نے اپنے دست قدرت خاص سے سید صاحب کا ہاتھ پکڑ کر ایک چیز امور قدسیہ سے نہایت رفیع اور بدیع تھی آپ کے سامنے رکھ کر فرمایا۔ کہ تجھ کو یہ چیز اب عنایت ہوئی ہے، اور اس کے سوا اور بہت سی چیزیں تجھ کو عطا فرما دیں گے۔"

ان واقعات کا نتیجہ سوانح نگار نے یہ لکھا ہے۔ کہ

"بعد ان وقوعات کے کمالات طریقہ نبوت کے نہایت آب و تاب کے ساتھ آپ پر جلوہ گر ہونے لگے۔ اور وہ عنایت ازلی جو مکنون و محجوب تھی ظاہر ہو گئی۔ اور تربیت یزدانی بلا واسطہ کسی کے متکفل حال آپ کے ہو گئی۔ اور نہایت عجیب و غریب معاملات آپ پر ظاہر ہونے لگے۔ (سوانح احمدی ص ۱۳-۱۲)

ان بیشتر واقعات پر غور کرنے سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھئے۔ کہ جناب سید احمد صاحب کا نام سید احمد تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے سید صاحب کو مخاطب ان لفظوں سے کیا گیا ہے۔

"اے احمد جلد اٹھ اور غسل کر۔"

بالکل اسی طرح مرزائے قادیانی نے بھی کیا تھا۔ نام اس کا غلام احمد تھا۔ مگر اس نے اپنا ایک الہام ان لفظوں میں شائع کیا تھا۔

"یا احمد بارک اللہ فیک

اے احمد خدا نے تجھ میں برکت رکھ دی ہے۔"

(حاشیہ حقیقۃ الوحی ص ۷۲)

مرزا بزعم خویش احمد بن کر مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کا بھی مصداق بن گیا تھا۔ اسی طرح سید صاحب نے بھی احمد بن کر اس آیت کا مصداق بننے کی کوشش کی اور اپنی مہر پر "اسمہ احمد" کھدوایا۔ چنانچہ مرزا حیرت لکھتے ہیں۔

"سید صاحب نے نئے طور سے اپنی مہر کندہ کرائی جس پر اسمہ احمد کھدا ہوا تھا۔" (حیاتِ طیبہ ص۳۴۶)

مرزا نے بزعم خویش احمد بن کر براہ راست خدا سے بہت کچھ پانے کے دعوے کئے۔ سید صاحب نے بھی احمد بن کر اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں تھما کر بلا واسطہ تربیت یزدانی اور آناً فاناً ترقیات و علو درجات کے ظہور کا دعویٰ کر دیا۔ اس آناً فاناً ترقی کے ظہور کا نتیجہ یہ نکلا کہ سید صاحب اپنے پیر سے بھی آگے نکل گئے۔ چنانچہ مولوی محمد جعفر تھانیسری کہتے ہیں کہ ایک روز سید صاحب اپنے پیر شاہ عبدالعزیز سے کچھ عرض کرنے ان کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے۔ تو سید صاحب کو الہام ہوا۔ کہ

"اگر تو بندوں کی طرف التجا کرے گا۔ تو پھر ہم تیری دستگیری نہ کریں گے۔"

سید صاحب کے عقیدت مندوں نے اس الہام سے جو سمجھا وہ یہ ہے کہ

"اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں سید صاحب کا درجہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے بڑھا ہوا تھا۔" (سوانح احمدی ص۵۵)

یہ ہے سید صاحب کی ابتداء اگلی حکایات میں دیکھئے کیا کیا ظہور میں آتا ہے ۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

حکایت ۲ـ

ہادی من اللہ

حضرت آدم سے لے کر سید احمد صاحب تک جس قدر ہادی من اللہ اور رسول بھیجی تعلیم پا کر اس دنیا میں آتے رہے۔ ان کی شرافت قومی (غالباً اسرائیلی یا قریشی) اور حالات طفولیت اور کیفیت تحصیل علوم ظاہری اور طرز معاشرت اور سادگی تحریر و تقریر و طریقہ تعلیم اور تاثیر ہدایت اور فیض باطنی اور قوت جاذبہ اور نفرت از حب دنیا و طلب جاہ اور غلبہ ایثار اور صبر و تحمل اور قناعت و عفت اور شجاعت اور ظہور کرامات اور خرقِ عادات ٹھیک ویسے ہی ہوتے رہے ہیں۔ جیسے کہ سید صاحب کی ذات بابرکات میں ان خوبیوں کا جمع ہونا اس سوانح میں بیان ہوا ہے۔

لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا۔ پس اب یا آئندہ جو کوئی سچا ہادی تعلیم یافتہ اس وہبی مدرسہ کا دنیا میں آجائے گا۔ تو اس کی ذات مقدس میں یہی علامات جمع ہوں گی جس سے اس کی شناخت میں کچھ دھوکا نہیں ہو سکتا۔

(سوانح احمدی ص ۳۳۶)

سبق

نبوت کے مقدس سلسلہ کی ابتداء اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی انتہا فرمادی۔ اسی لئے ہر مسلمان یوں کہتا ہے۔ "حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر آئے" مگر اوپر کی حکایت میں۔ "حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سید صاحب تک" لکھ کر اس سلسلہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بڑھایا گیا ہے اور اسے سید احمد تک لے جایا گیا ہے۔ گویا اس سلسلہ کی آخری کڑی سید احمد ہیں۔ اور جتنی خوبیاں اللہ کے ایک پیغمبر میں ہوتی ہیں وہ سب سید صاحب میں بیان کر کے آیت لا تجد لسنتنا تحویلا لکھ کر اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ خدا نے اپنی سنت کے مطابق سید صاحب کو بھی مبعوث فرمایا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کے مدارج و مراتب کے ذکر کے وقت دیوبندی حضرات کا وعظ یہ ہوتا ہے

"کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو بھی کرو۔ سو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔ (تقویۃ الایمان ص ۶۳)

مگر جب اپنے اکابر کے ذکر کا وقت آئے۔ تو پھر انہیں کچھ یاد نہیں رہتا۔ جو باتیں انبیاء و اولیاء میں ثابت کرنا انہیں شرک نظر آتا ہے۔ وہ سب اپنے اکابر میں بڑے فخر کے ساتھ ثابت کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ اس حکایت ہی کو دیکھ لیجئے سید صاحب کو مسند پیغمبری پر بٹھا دیا گیا ہے۔ اس میں جن خوبیوں کی فہرست لکھ کر بتایا گیا ہے۔ کہ یہ سب خوبیاں سید صاحب میں جمع تھیں۔ ان میں ایک خوبی

"کرامات اور خرق عادات"

بھی لکھی گئی ہے۔ صرف لفظ "کرامات" پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ تاکہ سید صاحب منصب ولایت پر آ کر رک نہ جائیں۔ بلکہ آگے بڑھنے کے لیے "اور خرق عادات" بھی لکھ دیا۔ تاکہ در پردہ معجزات کی خوبی بھی ان میں بیان کی جا سکے۔

سید صاحب کو اس منصب پر بٹھا کر پھر ان کے کمالات و تصرفات کا بھی اسی انداز سے ذکر کیا ہے۔ جس سے وہ منصب پیغمبری سے نیچے نظر نہ آئیں چنانچہ آپ کے متعلق لکھا گیا ہے۔ کہ ایک شخص آپ سے بیعت ہونا چاہتا تھا۔ آپ نے اس سے کہا ٹھہرو مجھے خدا سے پوچھ لینے دو۔

"اس کے بعد سید صاحب نے برائے استفسار اور طلب اذن اخذ بیعت کے جناب باری میں اس طرح التجا کی۔ کہ ایک بندہ تیرے بندوں میں سے مجھ سے بیعت کرنا چاہتا ہے × × × پس اس معاملہ اخذ بیعت میں تیری کیا مرضی ہے۔ جناب باری سے حکم ہوا۔ کہ جو کوئی تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا گو وہ لاکھوں ہوں میں ہر ایک کو کفایت کروں گا۔ بعد وقوع ان معاملات مذکورہ بالا کے سلوک راہ نبوت کا باحسن وجوہ آپ کو حاصل ہو گیا۔ (سوانح احمدی صـ ۱۳)

اس واقعہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ سید صاحب کو خدا سے ہمکلامی حاصل تھی سید صاحب کو کثرت کے ساتھ الہام بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ لکھا گیا ہے کہ

"بارہا آپ کو یہ الہام ربانی ہوا تھا کہ ملک پنجاب آپ کے ہاتھوں پر فتح ہو کر پشاور سے تا دریائے ستلج ملک ہندوستان کے رشک افزائے چمن ہو جائے گا۔

(سوانح احمدی صـ ۹۲)

سید صاحب کو دنیا کی ہر چیز جانتی اور پہچانتی تھی۔ جانور اور درخت آپ کو سلام کرتے تھے چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ سید صاحب نے فرمایا کہ

"الحمد للہ میں اللہ کا وہ بندہ ہوں۔ جس کے لیے مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں سوراخوں میں دعا کرتی ہیں۔ اور جس طرف میں نکل جاتا ہوں، وہاں کے درخت اور جانور تک مجھے پہچانتے اور سلام کرتے ہیں"۔ (حکایات اولیا صـ ۱۲۳)

سید صاحب کے دائیں بائیں رجال الغیب۔ ارواح اور جن رہا کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ

"سفر میں بارہا ایسا اتفاق ہوا۔ کہ جب فقط میں اور بعض خاص خدام حضرت کے ساتھ ہوتے تھے تو میں دیکھا کرتا تھا کہ کبھی آپ ایک طرف مخاطب ہو کر سلام علیک

کرتے اور کبھی سلام کا جواب دیتے۔ یا کسی سے کچھ ارشاد کرتے یا کسی کے سوال
کا جواب دیتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ظاہرا یہ سلام یا سوال وجواب رجال
الغیب یا ارواح یا جنوں سے ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک
گروہ رجال الغیب کا خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ سفر وحضر میں میرے ساتھ
رہتا ہے۔ (سوانح احمدی ص ۹۳)

سید صاحب کو علم تھا کہ کون بہشتی ہے کون دوزخی ہو پڑھئے سید صاحب کا اپنا ارشاد

"ایک روز سید صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی بصیرت عنائت کی ہے
کہ میں دیکھ کر کہہ سکتا ہوں۔ کہ یہ بہشتی ہے یا دوزخی۔" (سوانح احمدی ص ۹۳)

سید صاحب کو پیٹھ پیچھے آنے والے کا بھی علم ہو جاتا اور اس کے نام کا بھی۔ چنانچہ ایک صاحب
بیان کرتے ہیں۔ کہ

"یہ بھی آپ کی عادات شریفہ سے تھا کہ جب کوئی آپ کے پاس آتا یا آپ کسی کے
پاس جاتے۔ تو ہمیشہ آپ پہلے سلام علیک کہا کرتے تھے۔ بلکہ بعض لوگ دبے پاؤں
آپ کی پشت کی جانب سے آئے تو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کا آنا آپ کو معلوم کرادیا
اور بلا منہ موڑنے کے آپ نے ان کا نام لے کر پہلے ہی سلام علیک کہہ دیا۔"
(سوانح احمدی ص ۷)

سید صاحب کی تعلیمات مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ پڑھیے۔

"سید صاحب کی تعلیمات بھی مثل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سیدھی سادی
تھیں۔" (سوانح احمدی ص ۹۶)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس جامع کمالات ہے۔ اس حقیقت کو
مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ یہ شعر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مگر دیوبندی حضرات نے اس شعر کا مصداق سید صاحب کو قرار دے دیا۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"جیسی شوکت اور منزلت خدا تعالیٰ نے اگلے بڑے بڑے بزرگوں کو عنائت کی تھی وہ سب سید صاحب کی ذات بابرکات میں جمع تھی"۔

مصرعہ: آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری (سوانح احمدی صفحہ ۹۳)

دیکھا آپ نے جو ان حضرات نے اپنے سید صاحب کو منصب ولائت تک رکنے نہیں دیا۔ بلکہ اور اوپر چڑھا کر منصب نبوت تک پونچانے کی کوشش کی ہے۔ فرمائیے۔ سید صاحب کو اس انداز میں پیش کرنے والے مرزا قادیانی کے ماننے والوں سے کیسے الجھ سکتے ہیں؟ مرزائی ان سے یہ کہنے میں کیا حق بجانب نہ ہوں گے؟ کہ

مصرعہ: ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز شود

حکایت ۳

قطب الاقطاب

ایک روز اپنے حجرے میں لیٹے ہوئے سید صاحب کے خیال مبارک میں گزرا کہ معلوم اس زمانہ کے قطب الاقطاب جہاں کون بزرگ ہیں۔ یہ خیال کر کے جناب باری تعالیٰ میں دعا کی کہ اس بزرگ کا مجھ پر حال کھول دے۔ اور ان کی زیارت سے مجھ کو مشرف کر یہ دعا قبول ہو کر اسی دم رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ سے ہوا کو حکم دیا کہ مع بستر آپ کو آناً فاناً اس بزرگ قطب الاقطاب کے مسکن پر پہنچا دے۔ چنانچہ آپ بہت سے ممالک اور پہاڑوں اور جنگلوں کا تماشا دیکھتے ہوئے ایک دم میں ملک شام میں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر آپ نے دیکھا کہ وہ بزرگ قطب الاقطاب جہاں ایک جوان نہایت شکیل ریش خوردہ۔ نورانی چہرہ حسینی سید ایک چھوٹی سی نہر کے کنارہ پر جو ان کے مکان کے ملحق تھی۔ اپنے چند مریدوں کو ساتھ لیے ہوئے باہر بیٹھے ہیں۔ مگر طرفہ یہ کہ وہ بزرگ سید صاحب کی طرف بظاہر بالکل مخاطب نہ ہوتے تب زبان قلب اور مکاشفہ سے آپ نے اس بزرگ سے کہا۔ کہ مجھ کو تمہاری ملاقات سے سوائے حصول رضامندی باری تعالیٰ کے اور کچھ مقصود نہیں ہے۔ اور نہ آپ کے فیض کا میں طالب ہوں۔ خداوند تعالیٰ کا فضل مجھ پر بھی بہت ہے۔ مگر بایں ہمہ بھی وہ بزرگ کچھ متوجہ نہ ہوئے۔ اس لئے سید صاحب کو اس عدم التفاتی سے گونہ رنج ہوا۔ سو اس رنج کے عوض ایک اور تازہ کرامت

اور انعام بے اندازہ جناب باری تعالیٰ سے سید صاحب کے حال پر یہ ہوا۔ کہ اس گھڑی چالیس اشخاص غیبی بطور موکل نظر خلقت سے پنہاں اور آپ کے سامنے عیاں آپ کی خدمت میں تعینات ہو گئے۔ اور یہ اشخاص غیبی اس شخص کے ساتھ تعینات رہتے ہیں۔ جس کو مرتبہ قطب الاقطاب کا عنایت ہوتا ہے۔ غیر بعد اس انعام تازہ کے جس طرح اللہ رب العزت آپ کو وہاں لے گیا تھا۔ اسی طرح واپس لے آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر بطریق مذکورہ اللہ رب العزت دوبارہ آپ کو اس قطب الاقطاب جہاں کے پاس لے گیا۔ اور اس دفعہ اس غوث زماں کو سید صاحب کے مرتبے کی اس طرح پر اللہ رب العزت نے خبر کر دی تھی۔ کہ بعد تمہاری وفات کے سید صاحب ہی مسند آرائے اس عہدہ جلیلہ قطب الاقطاب جہاں کے ہوں گے اس سبب سے اس مرتبہ یہ غوث زماں بہت اخلاق اور آداب سے سید صاحب سے ہے۔ اور آپ کے روبرو اس بزرگ نے عظمت باری تعالیٰ جل شانہ کی اس وضاحت کے ساتھ بیان کی کہ جس کے ذکر سے تقریر عاجز اور جس کی تحریر سے قلم قاصر ہے۔ اور جب اس وقوعہ کے چند سال بعد سید صاحب ملک خراسان کو تشریف لے گئے۔ تو ان پہاڑوں اور میدانوں کو دیکھ کر آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ انہیں پہاڑوں اور میدانوں کے اوپر سے اس سفر ملک شام میں میرا گذر رہا تھا۔

(سوانح احمدی صفحہ ۲۶-۲۷)

سبق

دیوبندی حضرات کے مجاہد اول۔ شہید غائب۔ اور مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کے پیر جناب سید احمد بریلوی کو بڑے بڑے مرتبوں پر اپنے فائز ہونے کا دعویٰ تھا۔ سوانح احمدی کو پڑھنے سے پتا چلتا ہے۔ کہ سید صاحب ایک عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے۔ بڑے بڑے محیر العقول کرشموں کا آپ سے ظہور ہوا۔ اور بہت سے بعید از عقل و دانش کارنامے آپ نے کر دکھائے۔ اس حکایت کے علاوہ آئندہ حکایات میں بھی آپ دیکھیں گے کہ سید صاحب میں کس قدر مافوق الفطرت کمالات تھے۔ دیوبندی حضرات نے سید صاحب کے اس پہلو کو مسلمانوں کے سامنے کبھی پیش نہیں کیا۔ غالباً اس لئے کہ اگر یہ باتیں بھی مسلمانوں کو سنائی گئیں۔ تو وہ سید صاحب کو بھی اسی نظر سے دیکھنے لگیں گے۔ جس نظر سے وہ مرزا قادیانی کو دیکھتے ہیں۔

اس حکایت میں سید صاحب کا قطب الاقطاب جہاں ہونا بتایا گیا ہے۔ سید صاحب کو اس وقت کے قطب الاقطاب جہاں دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ تو خدا نے ہوا کو حکم دیا کہ

"یہ بستر آپ کو آناً فاناً اس بزرگ قطب الاقطاب کے مسکن پر پہنچا دے۔"

چنانچہ ہوا سید صاحب کو ان کے بستر سمیت لے اڑی۔ اور آپ بہت سے ممالک۔ جنگلوں اور پہاڑوں کا تماشا دیکھتے ہوئے ایک دم ملک شام پہنچ گئے۔ سید صاحب کے اس عجیب و غریب سفر کا عجیب نقشہ ہوگا۔ کہ ایک بستر اڑا چلا جا رہا ہے۔ جس پر سید صاحب بیٹھے یا لیٹے ہوئے ہیں۔ گویا الف لیلہ کا اڑن کھٹولا جا رہا ہے۔

اس اڑن کھٹولے پر آناً فاناً جاتے ہوئے راستے میں مختلف ممالک۔ جنگلوں اور پہاڑوں کی تماشا بینی بھی ہو رہی ہے۔ کیا کمال ہے۔

غالباً تبلیغی جماعت والوں کو بھی سید صاحب ہی کی ہوا لگ گئی ہے۔ کہ یہ بھی جب کسی مسلمان کو اڑاتے ہیں تو ساتھ ہی اس کا بستر بھی لے اڑتے ہیں۔

حکایت میں مذکور ہے کہ سید صاحب اتنی دور سے اپنے حجرہ سے بستر سمیت اڑتے ہوئے شام کے قطب الاقطاب جہاں کی نہر تک پہنچے۔ تو طرفہ دیکھئے۔ کہ قطب الاقطاب جہاں اتنے بے خبر نکلے۔ کہ انہیں سید صاحب کی آمد و عظمت کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اور وہ اتنی دور سے آئے ہوئے بزرگ سے مخاطب تک نہ ہوئے۔ سید صاحب نے زبان قلب سے اپنی عظمت شان انہیں بتائی بھی۔ مگر وہ پھر بھی متوجہ نہ ہوئے۔ کہ کون آیا کون نہیں آیا۔ اچھے قطب الاقطاب جہاں تھے۔ کہ ہندوستان کے ایک عظیم الشان بزرگ کی انہیں کوئی خبر نہ ہوئی جب کہ ہندوستان بھی اسی جہان میں تھا۔

ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے۔ کہ انہیں خبر تو تھی۔ مگر انہیں یہ بھی علم تھا کہ یہ صاحب کچھ حاصل کرنے اور فیض پانے نہیں آئے۔ بلکہ اپنا رعب جمانے آئے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجیے۔ خدا سے دعا مانگ کر کہ مجھے قطب الاقطاب جہاں کی زیارت سے مشرف کر۔ اتنی دور سے قطب الاقطاب کی بارگاہ میں پہنچے تو ان کے فیوض برکات سے مشرف ہونے کے لئے چاہئے تو یہ تھا کہ اپنی عقیدت و تواضع کا اظہار کرتے۔ مگر ہوا یہ کہ آپ ان سے کہتے ہیں۔

"نہ آپ کے فیض کا میں طالب ہوں خداوند تعالیٰ کا فضل مجھ پر بھی بہت ہے"
یعنی آپ نے مجھے کیا سمجھا میں کسی سے کچھ کم تو نہیں ہوں۔ فرمائیے کسی بزرگ کی بارگاہ میں اگر اس انانیت کے ساتھ کوئی جائے۔ تو اسے کیا مل سکتا ہے؟

شام کے قطب الاقطاب کی اس بے رخی سے سید صاحب کو جو رنج پہنچا۔ اس کے عوض سید صاحب کو چالیس غیبی اشخاص مل گئے۔ جو اسی کو ملتے ہیں۔ جو قطب الاقطاب ہو۔ لہذا آپ خود قطب الاقطاب بن گئے۔ اور آپ کو شام کے قطب الاقطاب کی حاجت نہ رہی اس لیے آپ واپس آگئے۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد آپ اسی شامی قطب کے پاس پہنچے۔ تو اسے پہلے ہی سے ہشیار کر دیا گیا۔ کہ خبردار اب ان سے بے التفاتی سے پیش نہ آنا۔ اب وہ خود تمہاری ہی مسند پر بیٹھنے والے ہیں۔ تو اس مرتبہ وہ اخلاق سے پیش آیا۔ اگر پہلی مرتبہ ہی شامی قطب کو اس بات سے مطلع کر دیا جاتا۔ تو سید صاحب کو دوبارہ چکر کی زحمت نہ ہوتی۔

سید صاحب چند سالوں کے بعد جب خراسان گئے۔ تو ان پہاڑوں اور میدانوں کو دیکھ کر پہچان گئے۔ کہ یہ وہی پہاڑ اور میدان ہیں۔ جن کے اوپر سے میں آناً فاناً گزرا تھا۔ گویا آپ کا آناً فاناً گزرنا بھی ٹہلتے ہوئے گزرنا تھا ؎

اڑا ہوں جب تو فلک پر لیا ہے دم جا کر
زمین کو توڑ گیا ہوں جو رہ گیا ہوں میں

حکایت ۴: "ہمسری با انبیاء بر داشتند"

ایک روز حضرت سید صاحب بعد ادائے نماز فجر کے مراقب بیٹھے رہے۔ آخر کار قریب چاشت کے آپ نے مراقبے سے سر اٹھا کر با آواز بلند تکبیر کہہ کر شکر نعماء الٰہی بکمال خشوع و خضوع گریاں و خنداں کرنا شروع کیا۔ بعد حمد و ثنا کے آپ سجدے میں گر پڑے۔ اور سجدے سے سر اٹھا کر بار کبار دے کر فرمایا۔ کہ آج ہاتف غیب نے مجھ کو بشارت دی ہے کہ اس وقت تجھ کو اور تیرے کل ہمراہیوں کو میں نے بخش دیا۔ اور بعد اس ندا کے ایک ہاتھ

غیب سے ظاہر ہوا۔ اس ہاتھ نے اِس مسجد کو جنت الماویٰ میں لے جا کر داخل کر دیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔ کہ اس مسجد میں جس قدر آدمی موجود ہیں۔ ان سب کے نام ایک کاغذ پر لکھ لو۔ اور ان کو مثل اصحابِ بدر کے منظور اور مقبول بارگاہِ ایزدی کا تصور کرو۔ وہاں سے چل کر آپ کھجوہ پہنچے اور وہاں کے لوگوں کو شرفِ بیعت سے مشرف کر کے فتح پور تشریف لے گئے۔ اس بستی میں جو بعد نماز عصر کے آپ مراقب بیٹھے۔ تو قریب نماز مغرب کے مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا۔ کہ خداوند تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج اس رب العزت نے تمامی اولیاء مقبولین سلف سے مجھ کو ممتاز کر کے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔ اس کو تمامی مکروہات دنیا و آخرت سے محفوظ رکھ کر اپنی رضا مندی اور انعام سے سرفراز کروں گا۔ (اس بشارت میں آپ کے خلیفوں اور خلیفوں کے خلیفوں کی بیعت بھی شامل ہے) اس وقت میں نے (یعنی سید صاحب نے) عرض کیا۔ کہ اے رحیم و کریم میرے آباء و اجداد کو بھی میری بیعت سے مشرف کر تاکہ وہ بھی اس وعدہ مغفرت میں شریک ہو جائیں۔ کئی روز تک اس آخری دعا کی قبولیت میں توقف رہا۔ اس عرصہ میں سید صاحب وطن کی واپس پہنچ گئے۔ وطن میں پہنچ کر اس دعا کی قبولیت کے واسطے آپ بہت گڑگڑائے۔ آخر اس کریم و رحیم نے اپنے فضل عمیم سے اس دعا کو بھی قبول فرمایا۔ اور حکم دیا۔ کہ سید محمد مولف مخزن احمدی کو اپنے آباء و اجداد کی طرف سے وکیل کر کے ان کی طرف سے اس سے بیعت لے لے۔ بعد معلوم کرنے اس بشارت کے سید صاحب نے سید محمد کو اپنے آباؤ اجداد کی طرف سے وکیل کر کے وکالتاً اپنے کل بزرگوں کی طرف سے اس سے بیعت لے لی۔ (سوانح احمدی ص۵۸)

سبق

دیوبندی حضرات کے مجاہد اول۔ شہید غائب اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے پیر جناب سید احمد صاحب اپنے بہت ہی اونچے مقام کے مدعی ہیں۔ وہ اپنے متعلق ایسی بشارات اور منجانب اللہ ایسے الہامات سناتے ہیں کہ مریدین انہیں "ہادی من اللہ" سمجھنے لگتے ہیں۔ چنانچہ پچھلی حکایت نمبر۲ میں آپ نے سید صاحب کی اپنی شان میں قصیدہ خوانی پڑھی کہ آپ بیعت کرتے وقت براہ راست خدا سے اجازت لے لیتے ہیں۔ پانی میں مچھلیاں، سوراخوں

ہیں چیونٹیاں ان کے لیے دعا کرتی ہیں اور آپ کے دائیں بائیں رجال الغیب اور ارواح رہا کرتے ہیں۔ وغیرہ۔ اس حکایت میں بھی اور کچھ ہے۔ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہے۔ سید صاحب نے غالباً مسلمانوں سے ڈر کر کھل کر اپنا مقام ظاہر نہیں کیا۔ ہاں اشاروں ہی اشاروں میں یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ وہ نہ صرف سطح نبوت کی برابر سطح پر فائز ہیں۔ بلکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند و بالا مقام کے برابر ان کا مقام ہے نعوذ باللہ من ذالک اس حکایت میں اس بات کا ثبوت موجود ہے۔

یہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے۔ کہ حضور کی خاطر اللہ تعالیٰ نے حضور کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (پ ۲۶ ع ۹)

بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمائی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شان پاک میں سید صاحب نے بھی شریک ہونے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ

آج ہاتف غیب نے (اللہ نے) مجھ کو بشارت دی ہے۔ کہ اس وقت تجھ کو اور تیرے کل ہمراہیوں کو میں نے بخش دیا۔

پھر یہ کہا۔ کہ رب العزت نے دنیا بھر میں جتنے بھی اولیاء کرام سلف سے تھے ان سب سے مجھے ممتاز کر کے فرمایا ہے۔ کہ

جو کوئی تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اس کو تمامی کروہات دنیا و آخرت سے محفوظ رکھ کر اپنی رضامندی اور انعام سے سرفراز کروں گا۔

اور مرید نے بین القوسین یہ وضاحت فرمائی۔ کہ

اس بشارت میں آپ کے خلیفوں اور خلیفوں کے خلیفوں کی بیعت بھی شامل ہے۔

پھر سید صاحب نے اپنے تمام آباؤ اجداد کو بھی اس وعدہ مغفرت میں شریک کرلیا۔ اور یوں اپنے اگلوں پچھلوں سب کے گناہ بخشوائے۔

جس مسجد میں بیٹھے ہوئے سید صاحب سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا۔ بقول سید صاحب ایک غیبی ہاتھ نے اس ساری مسجد کو اٹھایا۔ اور اسے جنت الماویٰ میں سے جا کر فٹ کر دیا۔ اور اس وقت سید صاحب نے حکم دیا۔ کہ

اس مسجد میں جس قدر آدمی موجود ہیں ان سب کے نام ایک کاغذ پہ لکھ لو۔ اور ان کو مثل اصحاب بدر کے منظور اور مقبول بارگاہ ایزدی کا تصور کرو۔"

اصحابِ بدر کی تو بہت ہی بڑی شان ہے۔ عام صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی ساری امت سے بلند و بالا مقام رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّهُمْ خِیَارُکُمْ (مشکوٰۃ شریف ص۵۳۶)

میرے اصحاب کی عزت کرو کیونکہ وہ تم سب سے بہتر ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں۔ کہ میرے صحابہ تم سے بہتر ہیں۔ مگر سید صاحب اپنی مسجد میں موجود لوگوں کو نہ صرف صحابہ ہی کی بلکہ اصحابِ بدر کی مثل بتائیں۔ اصحابِ بدر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جو افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ یعنی نبیوں کے سوا اور جس قدر بھی انسان ہیں۔ ان سب سے افضل و اعلیٰ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ سید صاحب نے ایسی بے مثل ہستی کی مثل اپنے مریدوں کو بنا ڈالا۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد شریف کے ایک حصہ کو روضۃ من ریاض الجنۃ فرمایا ہے۔ جس کے متعلق محدثین کرام نے لکھا ہے۔ کہ قیامت کے روز اتنے حصہ کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ مگر سید صاحب کی جرأت دیکھئے۔ کہ اپنی ساری مسجد کو جنت میں داخل کر دیا۔ اور قیامت پر بھی موقوف نہیں رکھا۔ بلکہ فوری طور پر اسی وقت داخل کر دیا۔ تاکہ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ سے بھی پہلے ان کی مسجد جنت میں پہنچ جائے۔

ہمارے حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ "استن حنانہ" مشہور ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد شریف میں منبر بننے سے پہلے کھجور کے ایک ستون سے تکیہ لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر بن گیا۔ تو آپ نے اس پر وعظ فرمایا۔ ستون نے دیکھا تو رونے لگا حدیث میں آتا ہے۔

"صَاحَتِ النَّخْلَۃُ صِیَاحَ الصَّبِیِّ۔"

"وہ کھجور کا ستون بچوں کی طرح رونے لگا"۔ (بخاری شریف ص۵۰۶)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب وہ ستون رونے لگا۔ تو اس کا رونا سن کر صحابہ کرام بھی رونے لگے (خصائص کبریٰ ج۲ ص۷۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ستون کی تسلی کے لیے جو الفاظ ارشاد فرمائے۔ وہ یہ ہیں

"اِنْ شِئْتَ اَرُدُّکَ اِلَی الْحَائِطِ الَّذِیْ کُنْتَ فِیْہِ تَنْبُتُ لَکَ عُرُوْقُکَ وَیَکْمُلُ خَلْقُکَ وَیُجَدِّدُ لَکَ خُوْصٌ وَثَمَرَۃٌ۔ وَاِنْ شِئْتَ اَغْرِسُکَ فِی الْجَنَّۃِ فَیَاْکُلُ اَوْلِیَاءُ اللّٰہِ مِنْ ثَمَرِکَ۔"

اگر تم چاہو۔ تو میں تمہیں پھر وہاں لگا دوں جہاں تم پہلے تھے تمہاری شاخیں پھر نکل آئیں تمہاری خلقت کی تکمیل ہو جائے۔ اور تمہیں پھر سے پھل لگ جائے۔ اور اگر چاہو تو میں تمہیں جنت میں لگا دوں تاکہ اللہ کے اولیا تمہارا پھل کھائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ فرمایا۔ تو ستون بولا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے جنت میں لگا دیں۔ تاکہ اولیاء اللہ میرا پھل کھائیں۔ اور میں ہمیشہ کے لیے قائم رہوں۔

"فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلْتُ۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا میں نے ایسا کر دیا"۔ (مواہب لدنیہ ج۱ ص۳۶۶)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مشہور معجزہ کے مقابلہ میں سید صاحب کی جبینہ عظمت شان بھی ملاحظہ فرمایئے۔ سید صاحب جب حج کو چلے تو۔

"جس فجر کو آپ روانہ ہونے کو تھے اس رات آپ کے مکان نو تیار شدہ کی روح بہ ہیئت انسانی ظاہر ہوئی۔ اور آپ کی جدائی میں بہت رنج و ملال ظاہر کر کے ایک دوسری مخلوق الٰہی سے جو وہاں حاضر تھی مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ کہ کل کو ہمارا آقا نامدار ہم کو چھوڑ کر چلا جائے گا۔ یہ کہہ کر ایسا زار زار رونا شروع کیا۔ کہ اثر اس گریہ زاری کا سید صاحب پر بھی ہو گیا۔ اور آپ بھی رونے لگے۔ اور چونکہ اس وقت سید صاحب کو کچھ حضوری الٰہی ہو رہی تھی۔ آپ نے اللہ رب العزت

سے عرض کیا۔ کہ سب تیرا فضل وکرم ہے اور یہ الفت اس روح کو تیرے ہی انعام کے سبب سے ہے۔ ورنہ مثل میرے ہزار ہا آدمی اپنے اپنے مکانات کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ کبھی کوئی مکان ان کے واسطے رنج وملال نہیں کرتا۔ سوائے رب تو ہی اپنے فضل سے اس مکان کو تسکین دے۔ اسی وقت جناب باری سے حکم ہوا کہ اس مکان کو بھی ہم جنت میں داخل کریں گے۔ یہ خطاب اس روح مکان نے خود بھی سنا اور میں نے بھی بہ تعمیل حکم الٰہی اس کو یہ بات سنا دی تب اس مکان نے خوش وخرم ہو کر تسلی پائی اور خوش ہو گیا۔ (سوانح احمدی ص ۵۹)

دیکھا آپ نے سید صاحب کا مکان بھی استن حنانہ سے کچھ کم نہیں ہے۔ استن حنانہ کو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں لگا دیا تو سید صاحب نے بھی اپنے پورے مکان کو جنت میں پہنچا دیا۔

تعجب ہے کہ سید صاحب کے معتقدین سید صاحب کے اس پہلو کو مسلمانوں کے سامنے کیوں نہیں لاتے۔ اور مسلمانوں کو کیوں نہیں بتاتے۔ کہ مرزا قادیانی اگر اپنے متعلق بڑے بڑے غلط دعوے کرتا تھا۔ تو سید صاحب بھی اپنے متعلق اس سے کچھ کم دعوے نہیں رکھتے۔ مرزا صاحب کے اسی قسم کے دعوؤں کو دیکھ کر کسی شاعر نے لکھا تھا کہ ؎

خیال زاغ کو بلبل کی ہمسری کا ہے
غلام زادے کو دعویٰ پیغمبری کا ہے

حکایت ۔ ۵

سید احمد صاحب حاضر ناظر

ایک مالدار مسلمان دائم الخمر نے جس کے رگ وریشہ میں شراب بسی ہوئی تھی۔ آپ کی (سید احمد صاحب کی) خدمت بابرکت میں عرض کیا۔ کہ حضرت شراب نوشی کا تو میں ایسا عادی ہوں۔ کہ اس بدون ایک لحظہ بھی جی نہیں سکتا ہوں، اور سب منہیات شرعی سے آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں۔ مگر شراب کو چھوڑ نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ مگر ہمارے سامنے شراب نہ پیا کرو۔ اس نے بخوشی تمام اس شرط کو منظور کر کے اور سب منہیات شرعی سے توبہ کر کے آپ کے

ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور اپنے گھر میں جا کر جب نشہ شراب کی خواہش نے زور کیا۔ تو نوکر سے شراب مانگی۔ وہ ایک پیالہ میں ڈال کر شراب لے آیا۔ جونہیں پیالہ ہاتھ میں لے کر منہ کے نزدیک لے گیا تو دیکھا دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے سامنے سید صاحب کھڑے ہیں۔ فوراً پیالہ شراب کا ہاتھ سے پھینک کر توبہ توبہ کرتا ہوا کھڑا ہوگیا۔ مگر پھر دیکھا تو سید صاحب وہاں نہیں ہیں۔ سمجھا کہ شاید مجھ کو کچھ وہم ہوگیا تھا۔ سید صاحب یہاں کیسے آویں گے۔ پھر نوکر کو حکم دیا کہ ایک اور پیالہ شراب کا لاؤ۔ جب نوکر شراب لے کر آیا۔ اور اس نے پیالہ ہاتھ میں لے کر منہ کے نزدیک کیا۔ تو پھر دیکھا کہ مثل سابق سید صاحب سامنے کھڑے ہیں۔ اسی وقت پیالہ پھینک دیا۔ اور کھڑا ہو کر حضرت حضرت کر کے اس طرف کو دوڑا۔ پھر دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ تب مکان کے کل دروازوں کو مقفل کرا کے ایک کوٹھڑی میں گھس کر وہاں شراب طلب کی تو منہ کے نزدیک پیالہ لے جانے کے ساتھ ہی پھر سید صاحب کو سامنے کھڑے دیکھا۔ تب بھی پیالہ پھینک دیا۔ مگر سید صاحب کو ڈھونڈا تو آپ کا کچھ پتہ نہ پایا۔ آخر لاچار ہو کر پاخانہ میں جا کر شراب طلب کی۔ تو وہاں بھی حضرت کو سامنے کھڑے دیکھا اس وقت اس نے شراب سے بھی توبہ کر کے سب شیشے اور ظروف شراب نوشی کے تڑوا کر پھنکوا دیئے۔

(سوانح احمدی ص۹۷)

سبق

اس حکایت میں سید صاحب کے لیے علم غیب بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اور مشکل کے وقت پہر امداد بروقت پہنچ جانا بھی۔ اور سید صاحب کے تصرف کا بھی یہ عالم بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ جب چاہتے مقفل دروازوں کے باوجود اندر پہنچ جاتے۔ یہی باتیں اگر کوئی سنی کسی ولی اللہ کے لیے حتی کہ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی کہہ دے۔ تو یہ لوگ یہ وعظ سنانا شروع کر دیتے ہیں۔ کہ

"جو کوئی بات کہے کہ پیغمبر خدا یا کوئی امام یا بزرگ غیب کی بات جانتے تھے اور شریعت کے ادب سے منہ سے نہ کہتے تھے سو وہ بڑا جھوٹا ہے" (تقویۃ الایمان ص۲۷)

اور اگر کوئی کسی بزرگ کے متعلق یوں سمجھے کہ

"اس سے میری بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اور جو مجھ پر احوال گزرتے ہیں۔ جیسے بیماری

تندرستی۔ کشائش و تنگی۔ مرنا۔ جینا۔ غم و خوشی سب کی ہر وقت اسے خبر رہتی ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے۔ وہ سب سن لیتا ہے۔ اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے۔ سو ان باتوں سے شرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔" (تقویۃ الایمان ص)

اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے یوں سنایا جاتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ

"مجھ کو نہ کچھ قدرت ہے نہ کچھ غیب دانی میری قدرت کا تو یہ حال ہے کہ اپنی جان و مال کے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں تو دوسرے کا تو کیا کر سکوں"۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۲)

دیکھ لیجئے۔ سید صاحب کی عظمتِ شان کا بیان کرتے ہوئے یہ لوگ اپنے سارے وعظ بھول گئے۔ سید صاحب کا یہ شرابی مرید اپنے گھر پہنچ کر جس وقت بھی شراب پینے کا ارادہ کرتا ہے۔ سید صاحب کو اپنے مقام پر فوراً علم ہو جاتا ہے۔ اور اسی وقت آپ دانتوں میں انگلی دبائے اس کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں ادھر شرابی ارادہ کرتا ہے۔ ادھر سید صاحب کو علم ہو جاتا ہے یہ علم غیب نہیں تو اور کیا ہے۔

شرابی پر نشہ شراب کی خواہش نے زور کیا۔ اور وہ اس حال میں نوکر سے شراب مانگتا ہے۔ شراب آ جانے پر پیالہ منہ کو لگتے ہی سید صاحب پہنچ جاتے ہیں۔ شرابی پیالہ ہاتھ سے پھینک کر توبہ توبہ کرتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے کہ سید صاحب تو نہیں ہیں۔ پھر شراب منگواتا ہے۔ سید صاحب پھر آ جاتے ہیں۔ شرابی پھر پیالہ پھینک دیتا ہے۔ شرابی پھر مکان کے دروازوں کو مقفل کرا کے کوٹھڑی میں گھس کر شراب منگواتا ہے۔ سید صاحب مقفل دروازوں کے باوجود کوٹھڑی میں بھی آ گھستے ہیں۔ شرابی تنگ آ کر پاخانہ میں جا گھستا ہے۔ تو سید صاحب وہاں بھی جلوہ افروز ہو جاتے ہیں۔

فرمائیے۔ شرابی پر یہ سب احوال جو گزرے سید صاحب کو متواتر ان کی خبر رہی یا نہیں؟ شرابی کے ہر حال کی سید صاحب کو خبر رہی۔ جبھی تو وہ ہر حال میں وہاں پہنچے۔

شرابی شراب نوشی کی بری عادت میں گرفتار تھا۔ اسے اس مصیبت سے نکلنا مشکل تھا۔ مگر سید صاحب اُسے اس مشکل سے رہا کرنے کے لیے بہر امداد ہر وقت اس کے پاس پہنچ جاتے

رہے۔ اور یہ نہیں کہا۔ کہ

"میری قدرت کا تو یہ حال ہے کہ اپنی جان و مال کے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں تو دوسرے کا تو کیا کر سکوں ؟"

بلکہ ہر بار اس کے پاس پہنچ کر یہ بتایا۔ کہ میری قدرت کا یہ حال ہے۔ کہ آن کی آن میں مقفل دروازوں کے باوجود تم جہاں بھی ہو وہیں پہنچ کر تمہیں بُری عادت کے نقصان سے بچا کر شرعی نفع سے ہمکنار کر سکتا ہوں۔

حکایت میں مذکور ہے۔ کہ بیعت ہوتے وقت شرابی نے جب کہا۔ کہ میں شراب نہیں چھوڑ سکتا۔ تو سید صاحب نے کہا کہ

"کیا مضائقہ ہے مگر ہمارے سامنے شراب نہ پیا کرو۔"

اس کا یہ معنی نہیں۔ کہ شراب نوشی میں کیا مضائقہ ہے۔ بلکہ سید صاحب نے اسی وقت یہ پروگرام بنا لیا تھا۔ کہ میں اس کی شراب نوشی کے وقت پہنچ جایا کروں گا۔ سید صاحب کو اپنے تصرف و قدرت پر یقین تھا کہ یہ دروازے مقفل کر کے بھی جہاں بیٹھ کر شراب پینے لگے گا۔ میں فوراً اس کے سامنے پہنچ جایا کروں گا۔ اسی لیے اس سے یوں کہا

"مگر ہمارے سامنے نہ پیا کرو"

چنانچہ آپ اپنے تصرف و قدرت سے ہر جگہ پہنچے۔ اور اسے شراب نوشی سے باز رکھا۔ شرابی جس جگہ بھی جاتا رہا۔ سید صاحب آناً فاناً وہیں پہنچتے رہے۔ گویا ایک شرابی کے لیے سید صاحب تو حاضر و ناظر ثابت ہوئے۔ مگر افسوس کہ وہابی کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حاظر و ناظر نہیں ہے۔

دہر میں کیا کیا ہوئے ہیں انقلاباتِ عظیم
آسماں بدلا زمیں بدلی نہ بدلی خوئے دوست

حکایت ۶

ایک ڈراؤنی کہانی

ایک رات کو آپ واسطے ادائے عبادت الٰہی جنگل میں چلے گئے۔ کہ وہاں بفراغت تمام

یادالٰہی میں مشغول رہیں۔ وہاں جاکر دیکھا کہ جنگل میں ایک مکان کے اندر سے رونے کی آواز آرہی ہے۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ اور جاکر دیکھا۔ کہ ایک مردہ ایک چارپائی پر پڑا ہے۔ اور ایک بڑھیا عورت اس کے نزدیک بیٹھی ہوئی نہایت زار زار رو رہی ہے۔ آپ نے اس کا حال پوچھا۔ تب اس عورت نے کہا۔ کہ یہ مردہ میرا بیٹا ہے۔ آج یہ مرگیا۔ مگر نہ معلوم اس کے بدن میں کیا بلا گھس گئی ہے یہ مردہ گاہے چارپائی پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور کبھی روتا اور کبھی ہنستا ہے، اور گاہے ناچنے لگتا ہے۔ اس واسطے مارے ڈر کے میں قریب مرگ ہو رہی ہوں۔ اور میرے اقربا یہاں سے نزدیک ایک گاؤں میں رہتے ہیں، اگر کوئی جوانمرد آج کی رات اس مردے کے پاس رہے۔ تو میں اپنی بستی میں جاکر علی الصباح اپنے خویش و اقارب کو مع اسباب تجہیز و تکفین لے کر آجاؤں اور اس کو دفن کردوں۔ تب سید صاحب نے اس عورت سے فرمایا کہ تو جا اور اپنے خویش و اقارب اور سامانِ تجہیز و تکفین کو لے کر صبح کو آجا۔ آج کی رات میں اس مردے کی نگہبانی کروں گا وہ عورت آپ کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلی گئی۔ اور آپ اس مردے کی چارپائی کے نزدیک اپنا مصلےٰ بچھا کر نماز پڑھنے لگے۔ اور جب وہ مردہ اٹھنے کو چاہتا تھا۔ تو آپ گھرک دیتے تھے۔ کہ چپ ہو کر پڑا رہ۔ صبح تک وہ مردہ مع اس بلا کے جو اس میں گھسی تھی۔ گھرکیوں نے لے کر چپ چاپ پڑا رہا۔ بعد طلوع آفتاب کے وہ عورت معہ اپنے عزیزوں کے وہاں آگئی۔ اور اس کی تجہیز و تکفین کرا کے سید صاحب وہاں سے رخصت ہو کر اپنی قیام گاہ کو تشریف لے آئے۔ (سوانح احمدی ص ۱۸)

سبق

یہ حکایت پڑھتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی بڑی اماں اپنے نابالغ پوتوں دوہتوں کو کوئی ڈراؤنی کہانی سنا رہی ہے گاؤں سے دور جنگل میں ایک ماں بیٹے کا رہنا بیٹے کا مر جانا۔ لاش کے اندر کسی بلا کا گھس آنا۔ لاش کا اٹھنا بیٹھنا۔ کبھی رونا۔ کبھی ہنسنا اور کبھی ناچنے لگنا۔ بڑھیا کا ڈر کے مارے مرنے کے قریب ہو جانا۔ مگر ڈر کر نہ بھاگنا۔ یہ سب کچھ نابالغ بچوں کے لیے تو بڑی دلچسپ داستان ہے۔ مگر سمجھ دار افراد کے لیے یہ محض بچوں کو سنانے کی ایک کہانی ہے۔

ایسی ڈراؤنی صورتِ حال میں اس بڑھیا کا قریب بمرگ ہو کر بھی وہیں موجود رہنا بتا رہا ہے کہ بڑھیا جھوٹی تھی۔ اس لئے کہ اگر وہ ڈر کے مارے واقعی قریب بمرگ ہو رہی تھی۔ تو اس کا وہاں موجود رہنا خلافِ عقل ہے۔ موت کو سامنے دیکھ کر کوئی اپنا یاد نہیں رہتا۔ اُسے وہاں سے بھاگ کر اپنی جان کی فکر کرنی چاہیئے تھی۔

بڑھیا نے سید صاحب سے کہا کہ

"کوئی جوانمرد آج کی رات اس مردے کے پاس رہے۔"

تو سید صاحب نے جوانمردی کا مظاہرہ فرمایا اور رات بھر اس مردے کی نگہبانی کی۔ مگر اس سے سید صاحب کا کوئی کمال ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ سید صاحب سے قبل یہ کام بڑھیا بھی کر رہی تھی۔ بلکہ بڑھیا کا کمال ثابت ہوتا ہے کہ جو کام سید صاحب نے ڈر کے بغیر کیا۔ بڑھیا نے بے حد ڈر کے باوجود وہ کر دکھایا۔

سید صاحب کا کمال اگر دکھایا ہے۔ تو یہ کہ

"جب وہ مردہ اٹھنے کو جاتا تھا تو آپ گھرک دیتے تھے کہ چپ ہو کر پڑا رہ۔"

یعنی جس وقت مردے کو آپ نے گھور کر دیکھ لیا۔ تو مردہ مع اس کے سہم گیا۔ پھر کروٹیں تو لیتا رہا۔ مگر اٹھ نہ سکا۔ نہ بول سکا سید صاحب کا رعب خام تھا تام نہ تھا۔ رعب تام ہوتا۔ تو مردہ کے اندر کی بلا ان کی گھرک کی تاب نہ لا سکتی اور ڈر کر فوراً وہاں سے بھاگ جاتی۔ مگر حکایت میں مذکور ہے۔ کہ ادھر مصلی پہ سید نماز پڑھتے رہے۔ اور اُدھر بلا مردے کے اندر کروٹیں بنتی رہی گویا برابر وہاں موجود رہی۔ اور یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ مردہ کی تجہیز و تکفین سید صاحب نے اس بلا کو نکال کر کرائی۔ یا بلا سمیت ہی سب کچھ کر ڈالا۔

علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے۔ کہ مردہ دراصل زندہ ہو۔ اور اسے کوئی مرگی یا اس جیسا کوئی مرض لاحق ہو۔ جسے بڑھیا نے بلا سمجھ لیا ہو۔ اور سید صاحب نے بھی بڑھیا کے وہم پر یقین کر لیا ہو۔ سید صاحب کا کمال تو یہ ہوتا۔ اگر آپ اصل وجہ دریافت کرتے۔ اگر مرض تھا۔ تو بڑھیا کو اس کی تجہیز و تکفین سے باز رکھتے۔ اور اگر واقعی بلا تھی۔ تو اسے حکم دیتے کہ "دور ہو جا یہاں سے۔" نہ یہ کہ لیں کہتے۔ کہ

"چپ ہو کر پڑا رہ"

یعنی یہیں رہو۔ بہر حال یہ قصہ ایک ڈراؤنی کہانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے

یہ باتیں اور مجھ سا کہنے والا

کہانی اور پھر تیری کہانی

حکایت ۷

سید صاحب اور ان کے قافلہ کیلئے انگریز کھانا لایا

اس رات سارے قافلہ میں مع عورتوں بچوں کے فاقہ کا سامان تھا۔ ہر ایک خاموش دم شاکر و صابر تھا۔ جب نماز عشاء ہو چکی۔ اس وقت دو ملاحوں نے عرض کیا کہ فاصلہ دور دراز سے دو تین شعلیں اس طرف کو آتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ آتے آتے جب وہ شعلیں کنارہ کے نزدیک پہنچیں۔ تو دیکھا کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار اور بہت سا کھانا قسم قسم کا بہنگیوں میں رکھے ہوئے چلا آتا ہے۔ اس نے کشتی کے نزدیک آکر پوچھا۔ کہ پادری صاحب (سید صاحب) کہاں ہیں؟ جب حضرت نے کشتی ہی سے جواب دیا۔ تو وہ گھوڑے سے اتر کر اور اپنی ٹوپی سر سے اتار کر بہت ادب سے حضرت کے سامنے کشتی میں آیا۔ اور بعد سلام و مزاج پرسی کے عرض کیا۔ کہ تین روز سے میں نے نوکر واسطے لانے خبر تشریف آوری حضور اس طرف تعینات کر رکھے تھے۔ آج انہوں نے مجھے خبر دی۔ سو یہ ماحضر واسطے حضور اور کل قافلے کے تیار کر کے لایا ہوں۔ براہ بندہ نوازی اس کو قبول فرمائیں۔ حضرت نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فوراً وہ کھانا اپنے برتنوں میں لے کر قافلے میں تقسیم کرا دو۔ قریب دو گھڑی وہ انگریز حضور میں حاضر رہا۔ اور پھر رخصت لے کر مع اپنے آدمیوں کے واپس چلا گیا۔ (سوانح احمدی ص ۹۱-۹۲)

سبق

دیوبندی حضرات سید احمد بریلوی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کو انگریز دل[illegible]ن اور جنگ آزادی کا ہیرو قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ امر بالکل ایسے ہے جیسے شب تاریک کو روز روشن قرار دے دینا۔ سید صاحب انگریزوں کے خیر خواہ تھے۔ ان سے جہاد کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ سوانح احمدی میں ان کا یہ بیان درج ہے۔

"سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے۔ مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو کسی فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی۔ بلکہ ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے۔ تو اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیاء سنن سید المرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرادیں۔" (سوانح احمدی ص ۹۱)

مولوی اسماعیل دہلوی کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

"اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں۔" (سوانح احمدی ص ۵۷)

سید صاحب وغیرہ جنہوں نے انگریز کے خلاف جہاد کرنا ناجائز بتایا۔ اور جن سے انگریز کو جہاد اسلامی سے تحفظ ملا۔ وہ ان مقبولوں کے اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے ان کے لئے قسم قسم کا کھانا کیوں نہ لائے گا۔ جس کا سر بچایا گیا۔ وہ اپنے محافظوں کے سامنے اپنے سر سے ٹوپی اتار کر ادب سے حاضری کیوں نہ دے گا؟ حکایت میں ہے کہ انگریز نے قسم قسم کا کھانا پیش کرتے ہوئے یوں عرض کیا۔

"براہ بندہ نوازی اس کو قبول فرمائیں۔"

سید صاحب نے بندہ نوازی فرماتے ہوئے قبول فرمالیا۔" حضرت خواجہ غریب نواز" کا جملہ سن کر دیوبندی حضرات کی رگ فتویٰ پھڑک اٹھتی ہے۔ اور وعظ سنایا جانے لگتا ہے۔ کہ غریب نواز تو اللہ ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو غریب نواز کہنا شرک ہے۔ یہ لوگ اپنے سید احمد صاحب کو دیکھیں کہ ایک انگریز انہیں بندہ نوازی کے لیے عرض کر رہا ہے اور وہ بندہ نوازی فرما رہے ہیں۔ گویا بندہ نواز بن رہے ہیں۔

ے
ہماری آنکھوں میں آؤ تو ہم دکھائیں تمہیں
ادا تمہاری جو تم بھی کہو کہ ہاں کچھ ہے

حکایت ۸

میم مرید ہوگئی

کانپور میں ہزار ہا خلقت آپ کی بیعت سے مشرف ہوئی۔ منجملہ بیعت کرنے والوں کے منڈور صاحب فرنگی کی عورت تھی۔ جس نے بعد بیعت کرنے کے سات روز تک دونوں وقت آپ کی دعوت کی۔ اور ایک مکان عظیم الشان مع اسباب و سامان ضروری کے آپ کی نذر کیا۔ سید صاحب نے فرمایا کہ ہم نے تمہاری نذر قبول کی تم ہماری طرف سے اس مکان کی متولی ہو کر خدمت مسافرین اور خصوصاً مریدان اس گروہ کی کرتی رہو۔ (سوانح احمدی ص۵۵ و ص۵۶)

سبق

سوانح احمدی کے مولف محمد جعفر صاحب تھانیسری نے ابتداء کتاب میں سید احمد صاحب کی پیدائش سے پہلے تمام دنیا میں بالعموم اور ہندوستان میں بالخصوص جو گمراہی پھیل چکی تھی اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"بارہویں صدی ہجری کے اخیر پر تمامی دنیا میں عموماً اور ملک ہندوستان میں خصوصاً اسلام پر بہت ضعف آچکا تھا۔ توحید جو اصل مغز اسلام کا ہے۔ برائے نام رہ گئی تھی۔ گور پرستی تعزیہ داری اور دیگر رسومات شرک کا بڑا زور تھا۔"

تقریباً ایک صفحہ میں بزعم خویش اور بھی بہت سی باتوں کو شرک لکھ کر آخر میں لکھا ہے۔ کہ

"جب یہاں تک نوبت گمراہی اور ضلالت کی پہنچ گئی۔ تو برکت حضرت صلعم[۱] کے پھر رحمت الٰہی جوش میں آئی تو واسطے دور کرنے خرابیوں کے تیرہویں صدی کے پہلے ہی دن یکم محرم ۱۲۰۱ھ ہجری مطابق ۱۷۸۶ء قصبہ رائے بریلی ممالک اودھ میں جناب سید احمد صاحب فخر خاندان سیادت مرجع ارباب ہدایت مرکز دائرہ

---

[۱] صلی اللہ علیہ وسلم۔

سعادت منظہر انوار نبوی منبع آثار مصطفوی دافع ظلمات کفر و ماحی شرک و بدعات سید محمد عرفان کے گھر پیدا ہوئے۔ (سوانح احمدی ص۳)

گویا سید صاحب شرک و بدعات کے مٹانے کے لیے پیدا ہوئے۔

اوپر کی حکایت میں درج ہے کہ سید صاحب نے ایک فرنگی (انگریز) منڈور صاحب کی عورت کو اپنی بیعت سے مشرف فرمایا۔ ظاہر ہے کہ انگریز عیسائی ہیں تثلیث کے قائل اور مشرک ہیں۔ ایک مشرکہ عورت کو سید صاحب نے بیعت سے مشرف فرمایا۔ تو کیا اسے کلمہ پڑھا کر "توحید جو اصل تمغہ اسلام ہے اسے بھی مشرف فرمایا یا نہیں؟ اگر تثلیث سے توبہ کرا کے اسے تمغۂ توحید سے بھی مشرف فرمایا تو اس کا اسلامی نام کیا رکھا گیا۔ اگر وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ تو کیا منڈور صاحب سے اس کا نکاح باقی رہ گیا تھا؟ یا بدستور وہ منڈور صاحب ہی کی عورت رہی؟ سید صاحب تو پیدا ہی شرک مٹانے کے لیے ہوئے تھے۔ مگر حکایت میں کہیں ذکر نہیں کہ اس مشرکہ عورت سے شرک تثلیث سے توبہ کرائی گئی۔ اور اسے کلمہ توحید پڑھایا گیا۔ ہاں ذکر ہے۔ تو اس بات کا۔ کہ اس مشرکہ عورت نے

"بعد بیعت کرنے کے سات روز تک دونوں وقت آپ کی دعوت کی اور ایک مکان عظیم الشان مع اسباب و سامان ضروری کے آپ کی نذر کیا"۔

اور سید صاحب نے بھی اپنے نام کی نذر قبول فرمالی۔ یہ نذر غیر اللہ نہ تھی جسے آپ قبول نہ فرماتے۔ وہ سید احمد جو دافع ظلماتِ کفر اور ماحی شرک و بدعات کے گھر ان شرک و بدعت کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے تیرھویں صدی کے پہلے ہی دن پیدا ہوا۔ ایک مشرکہ عورت کو بیعت سے مشرف فرماتا ہے تو اس کا شرک تو دور نہیں کرتا۔ ہاں اس کی سات روزہ دعوت طعام اور مکان عظیم الشان کی نذر قبول و منظور کر لیتا ہے۔

ترے بندوں سے یہ بت کرتے ہیں دعوٰی خدائی کا
تماشا دیکھتا ہوں تیری شانِ کبریائی کا

حکایت ۹

خدا کا وعدہ

بروقت روانگی ملک خراسان آپ (سید احمد) اپنی ہمشیر یعنی والدہ سید محمد یعقوب سے رخصت ہونے گئے۔ تو آپ نے ان سے فرمایا۔ کہ اے میری بہن! میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔ اور یہ یاد رکھنا کہ جب تک ہند کا شرک۔ اور ایران کا رفض اور چین کا کفر۔ اور افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہو کر ہر مردہ سنت زندہ نہ ہو لے گی اللہ رب العزت مجھ کو نہیں اٹھائے گا۔

اگر قبل از ظہور ان واقعات کے کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو دے اور تصدیق خبر پر حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے روبرو مر گیا۔ یا مارا گیا۔ تو تم اس کے قول پر ہرگز اعتبار نہ کرنا۔ کیوں کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ واثق کیا ہے کہ ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کر کے مجھ کو مارے گا۔ (سوانح احمدی ص ۹۲)

سبق

سید صاحب کے اس دعویٰ کے باوجود کہ شرک و بدعت اور رفض و نفاق میرے ہاتھوں محو ہو کر رہے گا۔ اور جب تک ایسا نہ ہو میں نہیں مروں گا۔ ہند کا شرک۔ چین کا کفر۔ ایران کا رفض اور افغانستان کا نفاق سب کچھ بدستور موجود رہا۔ اور سید صاحب مر گئے۔ حالانکہ خدا کا وعدہ کسی صورت ٹل نہیں سکتا۔ اگر واقعی یہ خدا کا وعدہ ہوتا۔ تو ضرور پورا ہو کر رہتا۔

بقول سید صاحب خدا کے جتنے بھی ان سے وعدے تھے۔ بالاکوٹ میں ان کے برعکس انہیں شکست ہوئی۔ اور وہ اپنا کوئی مقصد پورا نہ کر سکے۔

محمد جعفر صاحب تھانیسری سوانح احمدی کے صفحہ ۹۲ پر یہ "خدا کا وعدہ" درج کر کے آگے چل کر صفحہ ۱۸۱ پر خود ہی بڑے افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں۔

سید صاحب کا سا صاحب باطن متوکل صابر شاکر زاہد صاحب حوصلہ صاحب تاثیر رحیم فیاض اولوالعزم اور شجاع غرض ولی اللہ کامل اور اولوالعزم سپاہی چند صدیوں گزشتہ سے مسلمانوں میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگر تقدیر اس کی یاوری کرتی تو اس کی کوشش سے مسلمانوں کے دلوں کو مدت مرتی کر بدل گئے

ہوتے۔ مگر جیسے بجائے یقینی فتح کے اس کو بالاکوٹ میں ہزیمت ہوئی وہ کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو۔

یعنی اس قدر اوصاف کا مالک شرک وکفر۔ رفض ونفاق کو محو کر کے مسلمانوں کے دنوں کو ضرور بدل دیتا بشرطیکہ تقدیر اس کی یاوری کرتی۔ سوال یہ ہے۔ کہ خدا کا وعدہ جب ہو چکا تھا۔ پھر تقدیر نے یاوری کیوں نہ کی؟ جب کہ تقدیر بھی خدا ہی کی جانب سے ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا خود وعدہ نصرت بھی کرے۔ اور خود ہی اس کی تقدیر میں شکست لکھ دے۔ اور شکست بھی ایسی جو کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو کسی شاعر نے سید صاحب کی ہی طرف سے یوں لکھا ہے

اس کے ایفاء عہد تک نہ جیئے

عمر نے ہم سے بے وفائی کی

حکایت نمبر ۱۰

الہام کی عجیب وغریب تاویل

آپ (سید احمد صاحب) کے سفر جہاد سے پہلے (غالباً سفر حج میں) بارہا آپ کو یہ الہام ربانی ہوا۔ کہ ملک پنجاب آپ کے ہاتھوں پر فتح ہو کر پشاور سے تا دریائے ستلج مثل ملک ہندوستان کے رشک افزائے چمن ہو جائے گا۔ چنانچہ ان متواتر وعدہائے فتح سے آپ کا ہر ایک مرید واقف تھا۔ (سوانح احمدی ص ۹۲)

وعدۂ فتح پنجاب کے الہام کا آپ کو ایسا وثوق تھا کہ آپ اس کو صراحۃً صادق اور ہونہار سمجھ کر بارہا فرماتے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے۔ کہ اس الہام میں وسوسۂ شیطانی اور شائبہ نفسانی کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ ملک پنجاب ضرور میرے ہاتھ پر فتح ہو گا۔ اور اس فتح سے پہلے مجھ کو موت نہ ہو گی۔ (سوانح احمدی ص ۱۸۱)

سبق

یہ الہام سید صاحب کو سفر حج جو ایک مبارک سفر ہے میں ہوا۔ بارہا ہوا اور متواتر وعدہائے فتح سے آپ کو اس قدر یقین دلایا گیا۔ کہ آپ اس کو سراسر صادق وسوسۂ شیطانی سے پاک اور ہونہار سمجھتے تھے اور آپ کو یقین کامل تھا۔ کہ پنجاب ان کے ہاتھ پر فتح ہو گا۔ اور وہ اس

فتح سے پہلے ہرگز نہیں مریں گے۔ مگر ہوا یہ کہ

"جیسے بجائے یقینی فتح کے اس (سید صاحب) کو بالاکوٹ میں ہزیمت ہوئی وہ کسی دشمن کو بھی نصیب نہ ہو۔"

باوجود اتنے پختہ اور ناقابل غلط ہونے کے یہ الہام جو پورا نہ ہوا۔ تو اس کے پورا ہو جانے کی جو تاویل کی گئی وہ بڑی دلچسپ عبرت آموز اور انگریزوں سے ان کی وابستگی کی مظہر ہے ملاحظہ فرمائیے۔

"اس وقوعہ (شکست بالاکوٹ) کے پندرہ برس بعد سلطنت پنجاب متعصب اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی عادل اور آزاد اور لامذہب قوم (انگریزوں) کے ہاتھ آگئی۔ کہ جس کو ہم مسلمان اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کرتے ہیں۔ اور غالباً سید صاحب کے الہام کی صحیح تاویل یہی ہوگی۔ جو ظہور میں آگئی۔

(سوانح احمدی ص ۱۸۱)

سوانح کی خدا کی قسم دجاب کی بیہودہ تاویل پڑھ کر مرزا غلام احمد قادیانی یاد آگئے۔ مرزا صاحب بھی محمدی بیگم سے متعلق اپنا ایک الہام شائع کیا تھا۔ اور لکھا تھا۔

"خدا تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر اس عاجز (مرزا غلام احمد قادیانی) پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا گاماں بیگ ہوشیارپوری کی دختر کلاں (محمدی بیگم) انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی۔ اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے۔ اور بہت مانع آئیں گے۔ اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو۔ لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا۔ اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری (یعنی مرزا صاحب) کی طرف لائے گا۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۳۹۶)

اس اپنی پیشگوئی کے بعد مرزا صاحب نے ہزاروں جتن کئے تاکہ محمدی بیگم ان کے نکاح میں آجائے بڑے لالچ اور دھمکیاں بھی دیں۔ مگر محمدی بیگم کے متعلقین نے ایک نہ سنی اور محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا۔ اور مرزا صاحب یہ شعر پڑھتے ہوئے کوچ کر گئے ؎

میں منتظر وصال وہ آغوش غیر میں
قدرت خدا کی درد کہیں اور دوا کہیں

مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ تو ان کی بڑی جگ ہنسائی ہوئی۔ مسلمانوں نے پوچھا کہ مرزا صاحب اگر سچے تھے۔ تو ان کی یہ پیشگوئی کیوں پوری نہ ہوئی۔ تو مرزا صاحب کے خلیفہ اوّل حکیم نورالدین نے اس کی یہ تاویل کی کہ:

"مرزا صاحب کا کوئی لڑکا یا اس لڑکے کا لڑکا۔ یا اس لڑکے کا لڑکا ہو اور محمدی بیگم کی کوئی لڑکی یا اس لڑکی کی لڑکی یا اس لڑکی کی لڑکی ہو اور ان کا آپس میں نکاح ہو جائے۔ تو یہ ایسے ہی ہے جیسے محمدی بیگم کا نکاح مرزا صاحب سے ہوگیا۔"

اصل عبارت حکیم نورالدین صاحب کی ملاحظہ فرمایئے۔

"اب تمام اہل اسلام کو جو قرآن کریم پر ایمان لاتے اور لاتے ہیں ان آیات کا یاد دلانا مفید سمجھ کر لکھتا ہوں۔ کہ جب مخاطبت میں مخاطب کی اولاد اور مخاطب کے جانشین اور اس کے مماثل داخل ہو سکتے ہیں۔ تو احمد بیگ کی لڑکی یا اس لڑکی کی لڑکی کیا داخل نہیں ہو سکتی۔ اور کیا علم فرائض میں بنات البنات (لڑکیوں کی لڑکیوں) کو حکم بنات نہیں مل سکتا۔ اور کیا مرزا صاحب کی اولاد مرزا صاحب کی عصبہ نہیں ہیں۔ سے ہمارا عزیز میاں محمود لکھتا ہے کہ اگر حضرت (مرزا صاحب) کی وفات ہو جائے اور یہ لڑکی نکاح میں نہ آئے تو میری عقیدت میں تزلزل نہیں آ سکتا۔"

حکیم نورالدین کا مضمون بعنوان وفات مسیح موعود مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجز قادیان ماہ جون ۱۹۰۸ء منقول از قادیانی مذہب صفحہ ۳۸۰

جس طرح مرزا قادیانی کی پیشگوئی کی عجیب و غریب تاویل حکیم نورالدین نے کی تھی۔ اسی طرح سید صاحب کے الہام کی عجیب و غریب تاویل محمد جعفر تھانیسری نے درج کر دی۔

خدا تعالٰی نے تو الہام میں سید صاحب کو یقین دلا رہا ہے کہ پنجاب تمہارے ہاتھ پر فتح ہوگا۔ اور سید صاحب بھی بڑے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ پنجاب میرے ہاتھ پر فتح ہو کر رہے گا۔ اس فتح سے پہلے میں مر ہی نہیں سکتا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ تو الہام کا مطلب یہ گھڑ لیا گیا۔ کہ انگریزوں کے ہاتھ پہ فتح ہونا ہم مسلمانوں کے ہاتھ پر ہی فتح ہونا ہے گویا انگریزوں اور سید صاحب اور ان کے معتقدین میں کوئی فرق نہیں۔ اگر یہی بات ہے۔ تو پھر انگریزوں کو جو لا مذہب قرار دیا گیا ہے۔

اس کو پیشِ نظر رکھ کر فیصلہ کیجئے۔ کہ الہام کی عجیب وغریب تاویل نے سید صاحب کو کہاں پہنچا دیا؟

اس تاویل کے پیشِ نظر وہ علماء دیوبند جو کانگرس میں مل کر بقول ان کے انگریزوں کے خلاف جنگ لڑتے رہے۔ کیا انہوں نے سید صاحب کے خلاف جنگ نہیں لڑی؟ انگریزوں کی قوم تو ایک عادل قوم اور سید صاحب کے الہامات کو پورا کرنے والی قوم تھی۔ ایسی قوم کے خلاف جنگ لڑنا یقیناً سید صاحب کے خلاف جنگ لڑنا تھا۔

یہ ہیں نتائج اس عجیب وغریب تاویل کے۔ اور کیا ہی نصیب تھے انگریزوں کے۔ کہ فتح پنجاب کے الہام اور متواتر وعدہائے فتح تو سید صاحب سے ہوتے رہے۔ اور دے دی گئی یہ فتح انگریزوں کو۔

چن لئے اوروں نے گلہائے مراد
رہ گئے دامن ہی پھیلائے میں ہم

حکایت ۱۱

سید صاحب کا انجام۔ امام غائب

(بالاکوٹ کی جنگ میں میدان کارزار گرم تھا۔ فریقین ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے کہ) سید صاحب مثل شیر اپنی جماعت میں کھڑے تھے۔ کہ اس وقت یک بیک آپ نظروں سے غائب ہو گئے مولوی جعفر علی نقوی جو آپ کا باڈی گارڈ تھا اور کندھے سے کندھا ملائے کھڑا تھا لکھتا ہے۔

"جناب حضرت امیر المومنین در ہماں جماعت از نظر من غائب شدند"

یہ واقعہ جگر سوز ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ ہجری کو واقع ہوا۔ اس وقت بوجہ آپ کے غائب ہو جانے۔ سارے لشکر اسلام میں ہل چل پڑ گئی۔ ہر متنفس اس گولیوں کی بارش میں اپنے بچاؤ کو بھول کر مثل عاشقوں کے آپ کی تلاش میں پھرنے لگا۔ ہر طرف سے یہ آواز بلند ہو رہی تھی کہ حضرت کہاں ہیں؟ ۔ ۔ ۔ غازیوں نے سارا میدانِ جنگ ڈھونڈ مارا مگر سید صاحب کا پتہ نہ چلا۔

(سوانح احمدی ص ۱۴۷)

سید صاحب قلب لشکر میں نہ پوچھے تھے کہ ایک گولی آپ کی ٹانگ میں لگی۔ آپ گولی

کے مدمقابل سے جنگ رہے تھے کہ ایک گوکر معاف آپ کے باڈی گارڈیں سے آپ کو اٹھا کر لے گیا جس سے شیدائی مجاہدین کو یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب مرحوم آسمان پر بلائے گئے ہیں ۔ اور دوبارہ تشریف لائیں گے ۔ (حیات طیبہ ص ۲۳۴)

سبق

گویا سید صاحب اپنے ساتھیوں کو دشمن کے رحم و کرم پر تنہا چھوڑ کر خود آسمان پر چلے گئے اور غائب ہو گئے ۔ سید صاحب خود تو آسمان پر پہنچ گئے ۔ اور اپنے ساتھیوں کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے ۔ ان بیچاروں کا پھر جو حال ہوا ۔ مرزا حیرت لکھتے ہیں ۔

"بیچارے مسلمان اپنی جانیں بچا کر بھاگے مگر بدتقدیری پورے طور سے ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی وہ ایسے بے اوسان ہو گئے تھے کہ انہیں یہ تمیز نہ ہو سکتی تھی کہ جہاں ہم چل رہے ہیں یہ گھاٹی ہے یا دلدل ہے اناپ شناپ بولاہٹ میں دیوانہ وار جس طرف جس کا سینگ سمایا جا نکلا بہت دلدل میں گر کر شہید ہو گئے اور بہت سے تنگ گھاٹیوں اور پہاڑی راستوں میں سخت مظلومانہ حالت میں سکھوں کا شکار ہو گئے ۔ اور جن بیچاروں کی زندگی تھی وہ ادھر ادھر پہاڑوں میں چھپ گئے ۔ اس عظیم الشان کام کی وہ ابتدا تھی یہ انتہا ہے ۔ (حیات طیبہ ص ۴۲۵)

یہ بیچارے مسلمان غالباً یہ شعر پڑھتے ہوں گے ۔

تجھ کو برباد تو ہونا تھا بہر حال خمار
ناز کر ناز کہ اس نے تجھے برباد کیا

مرزا حیرت خود ہی لکھتے ہیں کہ

گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی رنجیت سنگھ کی ایک بڑی فوجی قوت تسلیم کر لی تھی ایسے ایسے زبردست حکمران کے مقابلہ میں سید صاحب کا چند ایسے آدمیوں کا لے جانا جب کہ باپ دادا نے نہ کبھی تلوار ماری نہ انہوں نے خود بچپن سے ایسی مشق کی نہ فنون جنگ کے ماہر نہ سامان جنگ پاس نہ رسد کا انتظام نہ پشت پناہی کے لئے کوئی حکمران ۔ محض امید موہوم پر پنجاب والے چند لفوں کے ساتھ حملہ آور

ہونا اور دیری سے ادھر ادھر پھرنا یہ ساری باتیں بظاہر دیکھنے والوں کو چھچھورے پن اور طفلانہ اٹھکھیلیوں سے زیادہ وزن کی نہ معلوم ہوں گی۔ (حیات طیبہ ص ۵۲۳)

سید صاحب "امید موہوم" پر نہیں بلکہ اپنے بیان کردہ خدا کے الہام اور وعدہ ہائے نصرت و فتح کے پیش نظر حملہ آور ہوئے تھے یہ شکست نہ صرف ان کی شکست ہی ہے بلکہ ان کے الہام کی تکذیب بھی ہے۔ مرزا صاحب نے اس چھچھورے پن اور طفلانہ حرکت کا جواب یہ دیا ہے۔ کہ مولانا اسماعیل شہید نے انہیں بھی (چھچھورے پن کا) مشورہ دے کر یقین دلایا تھا۔

"اور ظاہری اسباب بھی اس امر کے مؤید تھے کہ سرحدی رئیس اور عوام آدمی سکھوں کے تعصب اور اذیت دینے اور توہین اسلام کرنے سے رنجیت سنگھ کی گورنمنٹ سے نہایت بددل ہو رہے ہیں۔ کوئی سردار اس وقت ملنا چاہیے۔ وہ یکدل ہو کر رنجیت سنگھ کی اطاعت کا جوا کندھے پر سے اتار ڈالیں گے پھر یہیں خاطر خواہ کامیابی ہوگی۔ (حیات طیبہ ص ۵۲۳)

گویا اس بڑے انجام کا باعث ایک مشورہ مولانا اسمٰعیل شہید کا بھی ہے۔ اور ظاہری اسباب بھی سید صاحب کو اپنے حق میں نظر آ رہے تھے اس لیے وہ حملہ آور ہو گئے۔

باوجود اس کے بات نہیں کی وہ بیل منڈھے چڑھتی ہے مگر فنون   سے ناآشنائی اور جنگی سامان کے فقدان کے باوجود محض ایک آدمی کے مشورہ پہ اور ظاہری اسباب دیکھ کر ایک بڑی فوجی قوت سے ٹکرا جانا۔ چھچھورا پن اور طفلانہ حرکت ہی تو ہے۔

سید صاحب اب غائب ہیں اور آسمان پر ہیں۔ دوبارہ پھر آئیں گے۔

شیعہ حضرات کا امام بھی غائب ہو چکا تھا۔ اور اب دیوبندی حضرات کا بھی امام غائب ہو گیا ہے۔ دیوبندی انہیں مخاطب کر کے یہ شعر پڑھیں ۔

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں

تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

بہت سے لوگوں کا یہ بھی مقولہ ہے۔ کہ سید صاحب کے ساتھ مولانا محمد اسماعیل بھی آسمان پر چلے گئے تھے۔ (حیات طیبہ ص ۵۲۳)

مرزا حیرت صاحب نے لکھا ہے کہ سید صاحب کے شیدائیوں کا کہنا ہے کہ سید صاحب آسمان پر بلائے گئے ہیں اور دوبارہ تشریف لائیں گے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ مولانا اسمٰعیل کو آسمان پر تنہا چھوڑ کر چلے آئیں گے۔ یا دونوں ہی پھر تشریف لے آئیں گے۔

ان حضرات کی دوبارہ تشریف آوری کی باتیں کیوں ہوں ؎

کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیا

حکایت ۱۲

سید صاحب کی وفات

مولوی جعفر علی نقوی پتہ شہادت کو غلط دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ کہ شیخ وزیر گولہ انداز کا لڑکا جو بعمر آٹھ نو برس کے تھا۔ بیان کرتا تھا کہ بعد معرکہ بالاکوٹ کے لشکر سکھاں مجھ کو گرفتار کر کے مقتل شہداء میں لے گیا۔ اور خلیفہ (سید احمد) صاحب کی لاش کو مجھ سے شناخت کرایا میں نے اپنی سمجھ کے مطابق ایک لاش کو خلیفہ صاحب کی لاش قرار دے دیا۔ چنانچہ راجہ شیر سنگھ نے اسی لاش پر دو شالہ ڈلوا کر اور اپنی فوج کے مسلمانوں اور نیز ملکیوں سے اس پر نماز پڑھوا کر بڑے اعزاز اور اکرام سے اس کو دفن کرا دیا۔

اس کے ساتھ ہی ایک دوسری روایت بھی ہے کہ

بالاکوٹ کے سکھوں نے چند زخمی غازیوں کو لے جا کر سید صاحب کی لاش کو ان سے شناخت کروایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک بے سر کی لاش کو دیکھ کر کہا۔ کہ یہ سید صاحب کی لاش ہے اسی بے سر کی لاش پر راجہ شیر سنگھ نے دو شالہ ڈلوا کر اور نماز پڑھوا کر بڑے اعزاز و اکرام سے اس کو دفن کرایا۔ (سوانح احمدی ص ۱۷۹)

مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ۔

سید احمد صاحب کی قبر حضرت موسیٰ اور حضرت علیؓ کی قبر کی طرح مشتبہ ہے۔ حیات طیبہ ص ۵۲۵

سبق

سید صاحب کے شیدائیوں میں بھی دو گروہ معلوم ہوتے ہیں۔ ایک گروہ حیاتِ سید کا قائل ہے۔ اور دوسرا وفاتِ سید کا۔ مولوی جعفر علی نقوی نے مرزا غلام احمد قادیانی کا پارٹ ادا کیا ہے۔

بہرحال سید صاحب آسمان پر ہوں۔ یا زمین پر۔ کہیں بھی ہوں۔ اپنے بار بار کے الہام اور متواتر وعدہ ہائے فتح و نصرت کے جھوٹا ہونے پر آسمان پر ہیں تو وہاں شاہد ہیں۔ زمین میں ہیں۔ تو یہاں شاہد ہیں اگر ان کا الہام سچا ہوتا وعدہ ہائے فتح و نصرت واقعی ہوتے تو آپ کو آسمان پر جانے کی زحمت ہوتی نہ زمین کے اندر سما جانے کی۔

سید صاحب کی ابتداء پڑھیے۔ اور یہ اشعار دیکھیے

غضب ہے جستجو نے دل کا یہ انجام ہو جانا
کہ منزل دور ہو اور راستے ہی میں شام ہو جانا

حکایت ۱۳ کشتی ڈوبے گی اور نہیں ڈوبے گی

جس وقت کشتیوں پر اسباب لادا جاتا تھا۔ اس وقت آپ کو (سید احمد کو) معلوم ہوا۔ کہ فلاں کشتی جس میں سارے قافلہ کا اسباب لادا گیا ہے دریا میں غرق ہو جائے گی۔ اس وقت آپ کے واسطے ایک دوسری کشتی سواری کے لیے تجویز ہوئی تھی۔ آپ نے شانِ الٰہی معلوم کر کے اس اسباب والی کشتی کا اسباب نکلوا کر اس میں آپ سوار ہو گئے۔ اور اپنی سواری والی کشتی میں اسباب لدوا دیا کہ اگر یہ کشتی ڈوبے گی۔ تو غرباؤں کا اسباب تو ضائع نہ ہو گا۔ مجھ کو سے ڈوبے تو ڈوبے اس کی مجھ کو کچھ پرواہ نہیں ہے۔ جب اس ڈوبنے والی کشتی میں آپ سوار ہو گئے۔ تو پھر آپ کو غیب سے بشارت ہوئی۔ کہ اب یہ کشتی ڈوبا نہ جائے گی۔

(سوانح احمدی ص۴۰)

سبق

ایک ہونے والے واقعہ کا سید صاحب کو پہلے ہی علم ہو جانا سید صاحب کو غیب دان

ثابت کرتا ہے۔ جو ان کے مسلک میں انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے بھی ثابت کرنا شرک ہے۔
بالفرض اگر اس امر کا سید صاحب کو علم ہو گیا تھا۔ کہ یہ کشتی دریا میں غرق ہو جائے گی۔ تو سید صاحب جیسے عامل قرآن و سنت اور قاطع شرک و بدعت کو قرآن پاک کا یہ ارشاد سامنے رکھنا چاہیے تھا۔

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔

اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

مگر سید صاحب یہ جان کر بھی کہ یہ کشتی غرق ہو جائے گی۔ اس میں بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ کشتی
مجھ کو لے ڈوبے تو ڈوبے اس کی مجھ کو کچھ پروا نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ سید صاحب نے غریبوں کا اسباب بچانے کے لیے ایسا کیا۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ جان بچانا تو تمام فرائض سے مقدم ہے۔ دراصل ہوا کچھ بھی نہ تھا۔ سید صاحب کی غیب دانی اور ان کی برکت سے غرق ہو جانے والی ایک کشتی کا بچ جانا دکھانا مقصودِ حکایت ہے۔ اور حکایت کی ساخت سے صاف پتا چلتا ہے کہ سید صاحب کو اس ڈوبنے والی کشتی میں سوار ہونے سے پہلے ہی یہ معلوم تھا۔ کہ یہ ڈوبے گی نہیں۔ انہیں علم تھا۔ کہ میری اپنی ہی زبان سے یہ بات نکلی ہے۔ کہ "یہ کشتی دریا میں غرق ہو جاوے گی" اور اسی زبان سے پھر یوں بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ "غیب سے بشارت ہوئی کہ اب یہ کشتی ڈوبائی نہ جائے گی"۔ اسی منصوبہ بندی کا یہ کرشمہ تھا کہ آپ بڑی جرأت و بے خوفی سے ڈوبنے والی کشتی میں بیٹھ گئے۔ اور فرمایا۔

مجھ کو لے ڈوبے تو ڈوبے اس کی مجھ کو کچھ پروا نہیں ہے

بڑے پاکباز اور بڑے نیک نیت
جناب آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

تقویۃ الایمان کے مصنف

دیوبندی حضرات کے شہید اور سید احمد صاحب کے خلیفہ دوم

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی

کی

حکایات

حکایت ۱۴

مولانا اسمٰعیل شہید کی ابتداء

مولانا شہید ابتداء میں نہایت آزاد تھے۔ کوئی میلہ خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں۔ اور کھیل بھی ہر قسم کے کھیلتے تھے۔ کنکوا بھی اڑاتے تھے۔ شطرنج بھی کھیلتے تھے۔ مگر باوجود اس آزادی کے بزرگوں کا ادب اور لحاظ اتنا تھا کہ پتنگ اڑا رہے ہیں۔ اور پیچ لڑا رہے ہیں۔ مخالف پتنگ کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اتنے میں شاہ عبدالقادر صاحب حجرہ سے باہر نکلے اور آواز دی۔ اسمٰعیل! یہ آواز سنتے ہی فوراً جواب دیتے۔ حضور! اور پتنگ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے۔" (حکایات اولیاء ص ۱۱۳ حکایت نمبر ۶۹)

سبق

یہ میلے ٹھیلے۔ پتنگ بازی۔ شطرنج بازی۔ اور ہر قسم کے ایسے کھیل یقیناً لہو ولعب اور لغو ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مومنوں کی ایک شان یہ بھی بیان فرمائی ہے۔

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (پ ۱۸ ع ۱)

وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے۔

اوپر کی حکایت سے پتا چلتا ہے۔ کہ مولانا اسمٰعیل ابتداء میں ان تمام پابندیوں سے آزاد تھے۔ اور ہر قسم کی لغویات کا ارتکاب فرماتے تھے۔ حالانکہ جسے بڑا ہو کر مسلمانوں کا ہادی و پیشوا بننا ہو۔ اور جس سے خدا تعالیٰ نے اپنے دینِ حق کی تائید و تبلیغ کا کام لینا ہو۔ اس کی ابتداء بھی بڑی صاف ستھری اور اس قسم کی تمام لغویات و بیہودگیوں سے پاک ہوتی ہے۔ چنانچہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ابتداء اور آپ کا بچپن دیکھئے۔ کیسا پاکیزہ اور شاندار ہے "حیاتِ اعلیٰحضرت" میں "واقعاتِ طفولیت" کے زیرِ عنوان مولانا ظفر الدین علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

حضور اعلیٰ حضرت کی عمر شریف تقریباً ۵-۴ سال ہو گی۔ اس وقت صرف ایک بڑا کرتا پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کہ سامنے سے چند طوائف زنانِ بازاری گذریں۔ آپ نے فوراً کرتے کا دامن دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر چہرہ مبارک

چھپا لیا"

اس سلسلہ میں بریلی شریف کے محلہ سوداگراں کے ایک بزرگ حاجی محمد شاہ خاں صاحب کا ایک بیان درج ہے جو اعلحضرت سے متعلق ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"میں عمر میں حضور (اعلحضرت) سے بڑا ہوں۔ ان کا بچپن دیکھا۔ جوانی دیکھی اور اب بڑھاپا دیکھ رہا ہوں۔ ہر حالت میں یکتائے روزگار پایا۔ تب ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ بڑھاپے میں تو ہر کوئی بزرگ ہو جاتا ہے۔ انہیں بچپن میں ضرب المثل اور یکتائے روزگار دیکھا"

حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایام شیر خواری میں ماہ رمضان شریف کے روزے رکھے۔ (بہجۃ الاسرار)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں ہمیشہ گریاں و سوزاں رہتے۔ اور بچپن ہی میں بزرگوں کا سا خلعت پہنے ہوئے تھے (تذکرۃ الاولیاء)

یہ تھے بزرگان دین! جن کا بچپن بھی لائق اقتداء تھا۔ ان لوگوں نے بڑا ہو کر دین کی واقعی بڑی خدمات کیں۔ اور مسلمانوں کے سچے رہنما و پیشوا بنے۔ وہ کہ جن کا بچپن میلوں ٹھیلوں میں گذرا۔ اور جن کی ابتداء کنکوے اڑانے۔ پیچ لڑانے۔ اور شطرنج بازیوں سے ہوئی۔ ایسوں کی انتہاء سے کسی خیر کی توقع کیسے ہو سکتی ہے ؎

مے و مینا چلے یاریاں نہ گئیں

میری پرہیز گاریاں نہ گئیں

مولانا شہید" ابتداء میں ہندوؤں کے میلوں میں بھی جاتے رہے۔ ظاہر ہے کہ میلوں میں کیا پیا بھی جاتا ہے۔ اور ہندوؤں کے میلوں میں پوری کچوری کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ لازماً مولانا اس کا بھی تورق فرماتے ہوں گے غالباً یہی وجہ ہے کہ مولانا کے معتقدین نے ہندوؤں کے تہوار ہولی کے تحفہ پوری کچوری کا لینا اور کھانا درست قرار دے دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۱۹)

میں نے اپنی ایک نظم میں لکھا ہے ؎

چاول ہوں گیارھویں کے تو بدعت بتائیے
ہولی کی پوریاں ہوں تو چپکے سے کھائیے

حکایت ۱۵ "مولانا اسماعیل شہیدؔ کا بچپن"

مولانا اسماعیل شہیدؔ بچپن میں بہت شوخ اور تیز طبیعت تھے۔ شاہ عبدالعزیز ہر چند چاہتے تھے کہ یہ وعظ میں آیا کریں۔ مگر یہ بھاگتے تھے۔ ایک روز لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے آگئے۔ شاہ صاحب اس وقت بیت الخلاء میں تھے۔ ان کو خبر نہ تھی۔ انہوں نے لڑکوں سے کہا۔ کہ میں وعظ کہتا ہوں سنو۔ اور درخت کی سب سے اونچی ٹہنی پر چڑھ گئے۔ اور شاہ صاحب کی وعظ کی بعینہٖ نقل کردی۔ بلکہ اور اپنی طرف سے نفیس افادات زیادہ کردیئے۔ شاہ صاحب جب اندر سے نکلے تو سب کود کود کر بھاگ گئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب تم کو وعظ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (حکایات الاولیاء ص ۱۲۷)

سبق

اوپر کی حکایت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ "مولانا شہیدؔ" بچپن میں آزاد ہونے کے باوجود بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔ شاہ عبدالقادر نے جب بھی بلایا پتنگ اڑانا چھوڑ کر فوراً پہنچتے مگر اس حکایت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ مولانا بہت شوخ اور تیز تھے شاہ عبدالعزیز صاحب ہر چند چاہتے کہ یہ وعظ میں آئیں مگر یہ بھاگتے ہی رہے اور کبھی نہ آئے۔ اب یا تو وہ پہلی بات غلط ہے یا یہ دوسری بات۔ ہاں یہ بات بغیر کسی اختلاف کے سامنے آتی ہے۔ کہ مولانا بچپن میں بڑے ہی آزاد، شوخ اور تیز تھے۔ یہ شوخی اتنی بڑھ چکی تھی۔ کہ شاہ عبدالعزیز بیت الخلا میں جاتے تو یہ درخت کی اونچی ٹہنی پر چڑھ کر شاہ صاحب کے وعظ کی نقل اتارنے لگتے۔ اونچی ٹہنی کو غالباً منبر قرار دے کر شاہ صاحب کی پوری پوری نقل اتارنے کی فکر کرتے ——— شاہ صاحب بیت الخلاء سے باہر نکلتے۔ تو مولانا اور ان کے سامعین، سب کود کود کر بھاگ جاتے یہ کود کود کر بھاگنا اس امر پر شاہد ہے۔ کہ حضرت شاہ صاحب کو ان کی یہ حرکتیں ناپسند تھیں۔

آخر شاہ صاحب نے جب دیکھا کہ "مولانا شہید" بڑے آزاد ہیں اور وعظ میں بلانے کے باوجود نہیں آتے اور بھاگتے ہی بھاگتے ہیں۔ تو فرمادیا۔ کہ "اب تم کو وعظ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے"

اس موقعہ پر ممکن ہے کسی نے یہ شعر پڑھ دیا ہو ؎

تجھ کو مسجد ہے مجھ کو میخانہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

حدیث میں آتا ہے۔ کہ ایک بے ادب ابن ابی العاص تمسخر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقلیں اتارتا تھا۔ ایک دفعہ یہ بے ادب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارتے ہوئے اپنا منہ ہلا رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُنْ كَذٰلِكَ فَلَمْ يَزَلْ يَخْتَلِجُ حَتّٰى مَاتَ

ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ اس کا منہ مرتے دم تک ویسے ہی ہلتا رہا (خصائص کبریٰ

وہ بے ادب اگر کسی درخت کی ٹہنی پر چڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتار رہا ہوتا۔ تو یقیناً مرتے دم تک درخت کی ٹہنی پر ہی لٹکا نظر آتا۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ اس قسم کی شوخی و تیزی میں بعض اوقات حدِ ادب ملحوظ نہیں رہتی اور آدمی مارا جاتا ہے۔

پھر اسے یوں کہنا پڑتا ہے ؎

فریاد کا شنوا کوئی نہیں بے کس کا سہارا کوئی نہیں
کچھ دیکھ لیا اس دنیا میں کچھ حشر میں دیکھا جائے گا

حکایت نمبر ۱۶

اسماعیل کی شرارت

ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز کا وعظ ہو رہا تھا۔ مولانا اسمٰعیل آئے۔ اور سب کی جوتیاں جمع کر کے سقاوہ میں ڈال دیں وعظ کے ختم کے بعد تلاش ہوئی۔ شاہ صاحب کو اطلاع کی اس زمانہ میں شاہ صاحب کی بینائی جاتی رہی تھی۔ فرمایا یہ اسمٰعیل کی شرارت ہوگی۔ کہیں سقاوہ میں نہ ڈال دی ہوں لوگوں نے سقاوہ کو جا کر دیکھا۔ تو اس میں ابل رہی تھیں بعضی ٹوٹ بھی گئ

تھیں۔ یہ ابتداء کی حکایتیں ہیں۔ بعد میں بھی تیزی شرارت گئی نہیں۔ لیکن اور طریقہ سے اس کا ظہور ہوتا تھا۔

("مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے ملفوظات ہفت اختر ص۳۱ اور "مولوی اشرف علی کی تالیف حکایات اولیاء ص۱۲۸ حکایت ۸۵)

سبق

اس حکایت سے معلوم ہوا۔ کہ "مولانا شہید" بھی تھے۔ اور "مولانا شریر" بھی تھے۔ شہید تو وہ ہے جو اعلاءِ کلمۃ اللہ واقامتِ دین کی خاطر کفار سے جہاد کرتا ہوا جان دے دے۔ نماز دین کا ستون ہے شہید گویا اقامتِ صلوٰۃ کی خاطر جان دیتا ہے۔ اور شریر وہ ہے۔ جو نمازیوں کے وضو کے لیے سقاوہ میں جمع کردہ پانی میں نمازیوں ہی کی جوتیاں ڈال کر پانی پلید کر دے۔ تاکہ نمازی نہ وضو کر سکیں نہ نماز ادا کر سکیں۔ گویا شہید اقامتِ صلوٰۃ چاہتا ہے۔ اور شریر اضاعتِ صلوٰۃ۔ مولانا کے معتقدین کے بقول مولانا نے کفار سے جہاد بھی کیا۔ اور مسلمانوں کے وضو اور ان کی نمازوں کو برباد بھی کیا۔ وہ مولانا کی شہادت تھی۔ اور یہ مولانا کی شرارت ہے۔ یہ کمال مولانا ہی کا ہے۔ کہ دو متضاد وصف ان میں پائے جاتے ہیں۔ آپ شہید بھی ہیں اور شریر بھی۔

پچھلی حکایت میں آپ نے پڑھا۔ کہ حضرت شاہ صاحب نے "مولانا" کو اپنے وعظ میں آنے سے روک دیا تھا۔ غالباً اسی لیے کہ حضرت شاہ صاحب کو "مولانا" کی شرارتوں کا علم تھا۔ مگر "مولانا" کب شاہ صاحب کی باتوں میں آنے والے تھے۔ وعظ ہو رہا تھا تو آپ آگئے اور بے دھڑک آگے سامعین کی جوتیاں جمع کر کے سقاوہ میں ڈال کر اپنا کام کر بھی گئے۔ لطف یہ کہ پتا بھی نہیں چلنے دیا۔ کہ کون آیا اور کیا کر گیا۔ یہ تو حضرت شاہ صاحب کی فراست تھی جو فرما دیا۔ کہ

"یہ اسماعیل کی شرارت ہوگی کہیں سقاوہ میں نہ ڈال دی ہوں۔"

جب دیکھا گیا، تو واقعی "مولانا" کی شرارت نکلی۔ اور مسلمانوں کی جوتیاں ابل گئیں لوٹ گئیں۔ "مولانا" کی اس شرارت سے مسلمانوں کا مالی نقصان بھی ہوا۔ اور سقاوہ کا پانی پلید ہو جانے سے دینی نقصان بھی۔

مولانا اشرف علی صاحب نے مولانا کی اس شرارت کا بقا و دوام لکھا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ "بعد میں یہ تیزی گئی نہیں لیکن اور طریقہ سے اس کا ظہور ہوتا تھا"

گویا مولانا اسمٰعیل اپنی اس عادت پر بدستور قائم رہے اور بڑے ہو کر کسی بڑے رنگ میں اس کا مظاہرہ فرماتے رہے۔ مثلاً مسلمانوں کا دین و ایمان ضائع کرنے کے لیے تقویۃ الایمانی سقاوہ تیار کیا۔ بدنصیب مسلمانوں کو اس میں ڈالا اور ابال کر رکھ دیا اور انہیں توڑ کر مسلمانوں سے الگ کر دیا۔

بخاری شریف میں شریر آدمی کی ایک نشانی مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ اِنَّهُمْ اِنْطَلَقُوْا اِلٰى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔

ابن عمر خارجیوں کو خدا کی مخلوق میں شریر مخلوق سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو آیات کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ شریر انہیں مومنوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ (بخاری شریف) صفحہ ۱۰۲۴ ج ۲

معلوم ہوا کہ کفار اور بتوں کے لیے جو آیات نازل ہوئی ہیں۔ انہیں مومنوں ولیوں اور نبیوں پر چسپاں کر دینا شریر لوگوں کا کام ہے۔ مولانا شہیدؒ نے بھی تقویۃ الایمان میں ہر وہ آیت جو کافروں اور بتوں کے حق میں نازل ہوتی ہیں۔ مومنوں ولیوں اور نبیوں پر چسپاں کر کے شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ کو یہ کہنے کا موقعہ دے دیا ہے۔ کہ "یہ اسماعیل کی شرارت ہے"۔

قرآن پاک کی آخری سورۃ مبارکہ تبرکاً تلاوت کر لیجیے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔

اور پھر یہ شعر سن لیجیے ؎

اپنے ایمان سے رہیں سارے مسلماں ہشیار
اک شریر آتے ہیں دنیا میں شرر کی صورت

حکایت ۱۷

ہندوؤں کے میلہ میں

ایک روز مولانا شہید ہندوؤں کے کسی میلہ میں گئے۔ سید صاحب اس زمانہ میں ان سے پڑھتے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ گئے۔ جب یہ دونوں میلے میں پہنچے۔ سید صاحب پر ایک جوش سوار ہوا۔ اور نہایت غصہ آیا۔ اور تیز لہجہ میں مولانا شہید سے فرمایا کہ آپ نے کس لیے پڑھا تھا۔ کیا سوادِ کفار بڑھانے کے لیے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ اس وقت کہاں ہیں۔ آپ غور فرمائیں کہ ایک عالم شاہ عبد العزیز صاحب اور شاہ عبد القادر صاحب کا بھتیجا کفار کے میلے کی رونق بڑھائے۔ کس قدر شرم کی بات ہے۔ مولانا پر اس کا خاص اثر ہوا۔ اور انہوں نے فرمایا۔ کہ سید صاحب آپ نہایت بجا فرماتے ہیں۔ اور واقعی میری غلطی ہے۔ اور یہ فرما کر فوراً لوٹ آئے اور پھر کبھی کسی میلہ میں نہیں آئے (حکایات اولیاء ص ۱۱۵)

سبق

اس حکایت سے پتا چلتا ہے۔ کہ ہندوؤں کے اس میلہ میں جب آپ گئے ہیں اس وقت آپ پڑھ لکھ چکے تھے اور دوسروں کو پڑھانے بھی لگے تھے۔ اس حقیقت پر حکایت کے یہ جملے شاہد ہیں۔

"سید صاحب اس زمانے میں ان سے پڑھتے تھے" "آپ نے کس لئے پڑھا تھا کیا سوادِ کفار بڑھانے کے لیے"

معلوم ہوا۔ کہ مولوی اسمٰعیل صاحب جب پڑھ بھی چکے دوسروں کو پڑھانے بھی لگے اور پورے سو فیصد مولوی بھی بن گئے۔ پھر بھی ہندوؤں کے میلے میں جانے کی آپ کی عادت نہیں گئی۔ حکایت نمبر ۱ میں بتایا گیا ہے۔ کہ

"مولانا شہید ابتداء میں نہایت آزاد تھے کوئی میلہ خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں"

مگر اس حکایت سے پتا چلا کہ مولانا کی یہ آزادی برقرار رہی۔ اور یہ عادت گئی نہیں بلکہ ترقی کر گئی۔ میلے تو تنہا جایا کرتے تھے اب شاگردوں کو بھی ساتھ لے جانے لگے۔ چنانچہ سید صاحب

جو ان سے پڑھتے تھے ان کو بھی ساتھ لے گئے۔ وہ تو سید صاحب پر جوش سوار ہو گیا۔ اور انہوں نے استاد معظم کو شرم دلائی کہ آپ نے کس لئے پڑھا تھا کیا سوادِ کفار کو بڑھانے کے لیے؟ تو آپ وہاں سے پلٹے۔ ورنہ ممکن ہے مولانا اختتام میلہ تک وہیں رہتے اور دعائے خیر کر کے واپس تشریف لاتے۔

سید صاحب نے درست کہا کہ آپ نے کس لیے پڑھا تھا کیا سوادِ کفار کو بڑھانے کے لئے؟ بات بات پر مسلمانوں کو مشرک بنا کر مولانا نے سوادِ کفار کو بڑھانا ہی چاہا۔ اور آگے چل کر ان کے معتقدین نے بھی مسلمانوں سے کٹ کر ہندو مشرکوں کی کانگرس میں شرکت کر کے یہی کردار ادا کیا۔

مولانا شہید کی ہندوؤں کے میلے میں تشریف آوری کا ذرا تصور کیجئے۔ پڑھ لکھ کر فارغ ہو چکے ہیں۔ مولوی بن چکے ہیں۔ مسندِ تعلیم و تدریس پر فائز ہیں۔ اور با ہیں حضرت و دستار ہندوؤں کے میلے میں جا پہنچے ہیں ۔

بہک گئے نام بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

مولوی صاحب پڑھ لکھ کر مولوی بن کر جب مسندِ تعلیم و تدریس پر فائز ہوئے ہوں گے فرض کر لیجئے اس وقت ان کی عمر ۳۰-۲۵ سال کی ہو گی یا کم و بیش۔ بہر حال اتنی عمر تک وہ ہندوؤں کے میلوں میں ہی جاتے رہے گویا آدھی عمر ان کی میلوں ٹھیلوں میں گذری یہ اللہ کی شان بے نیازی ہے۔ کہ جس نے میلادِ مصطفیٰ جیسی ایمان افروز محفلوں کو شرک و بدعت بتانا تھا اور ایسی پاکیزہ محفلوں میں شرکت سے روکنا تھا خدا نے اس کی قسمت میں ہندوؤں کے میلے لکھ دیئے۔

مقام حیرت ہے۔ کہ جو شخص ابتدا ہی سے مشرکوں کے میلوں میں جانے کا عادی ہو۔ اور پڑھ لکھ کر بھی ان کے میلوں میں جائے۔ اور ان کی رونق بڑھائے۔ وہ بات بات پہ مسلمانوں کو مشرک بتائے۔ مجھ

دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

رہی یہ بات کہ مولوی صاحب نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اور پھر کبھی میلے میں نہیں

گئے: خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مگر ؎

میری توبہ بھی کوئی توبہ ہے
جب بہار آئی توڑ ڈالی ہے

حکایت ۱۸

مولوی اسمٰعیل صاحب کی نئی نئی باتیں

مولوی رستم علی بریلی کے رہنے والے اور بہت پہلوان تھے۔ مولوی اسماعیل صاحب شہید کے بہت گہرے دوست تھے۔ اتفاق سے مولانا اسماعیل صاحب اور مولوی رستم علی صاحب چاندنی چوک میں سے جا رہے تھے۔ کہ ایک پہلوان نے مولانا کو گالیاں دینی شروع کیں اس پر مولوی رستم علی صاحب کو غصہ آگیا۔ اور وہ تلوار نکال کر اس کے مارنے کو دوڑے۔ مولانا نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ میاں رستم علی کیا کرتے ہو۔ وہ گالیاں بے جا نہیں دیتا۔ بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ کیونکہ وہ یہی تو کہتا ہے۔ کہ یہ بڑا بددین ہے جو نئی نئی باتیں نکالتا ہے سو اس میں وہ کیا بے جا کہتا ہے۔ میری باتیں اس کے لیے تو واقعی نئی ہیں۔ علماء نے یہ باتیں ان بے چاروں کو کہاں سنائی ہیں پھر اس کو نئی کیوں نہ معلوم ہوں اور وہ گالیاں کیوں نہ دے۔ اس کا پہلوان پر بہت اثر ہوا۔ اور اس روز سے مولانا کا دوست ہو گیا۔ (حکایات اولیا ص۱۱)

سبق

مولوی اسماعیل صاحب نے اپنے خلاف فتویٰ کی خود ہی تصدیق کر دی۔ کہ پہلوان مجھے جو گالیاں دیتا ہے بے جا نہیں دیتا اور مجھے جو بددین کہتا ہے۔ ٹھیک کہتا ہے۔ اس لئے کہ میں ایسی نئی نئی باتیں ان کو سناتا ہوں۔ جو علماء نے کبھی نہیں سنائیں۔ مولوی صاحب نے صاف اقرار کر لیا ہے۔ کہ جو باتیں علماء نہیں کہتے وہ میں کہتا ہوں۔ اور میری باتیں ان کے لیے اس لئے نئی ہیں۔ کہ یہ علماء کی باتوں کے زمرے میں نہیں آتیں چنانچہ ایسی باتیں بلا خوف فرماتے جو علماء تو کہتے ہیں۔ مگر مولوی اسمٰعیل صاحب ان کے خلاف اپنی نئی باتیں پیش کرتے ہیں جن کے باعث مسلمان مولوی صاحب کو بددین تک کہہ دیتے ہیں۔

علماء کی بات

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑی رفعتِ شان عطا فرمائی ہے ایسی کہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کے حضور ہی مصداق ہیں۔ آپ جیسا نہ کوئی ہوا، نہ ہے۔ نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جبریل نے مجھ سے آکر عرض کیا۔

قَلَّبْتُ الْاَرْضَ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ اَجِدْ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ

میں نے مشرق و مغرب ساری زمین الٹ پلٹ کر دیکھی۔ کوئی شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے افضل نہ پایا۔" (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۱۹)

حضرت امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ خَلْقَ بَدَنِهِ الشَّرِيْفِ عَلٰى وَجْهٍ اَیِّ حَالٍ وَهَيْئَةٍ لَمْ يَظْهَرْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ خَلْقُ آدَمِيٍّ مِثْلُهُ (زرقانی ص ۲۴۴)

"اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن شریف کو اس شان سے پیدا فرمایا ہے کہ کوئی انسان آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسا نہیں ہوا۔"

اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک نعت میں لکھتے ہیں ؎

تیرے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خَلق کو رب نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

مولوی اسمٰعیل کی نئی بات

وہ تو تھی پرانی بات جو چودہ سو سال سے علماء کہتے چلے آئے۔ اب مولوی اسماعیل صاحب کی نئی بات سنیے۔ کہتے ہیں۔ خدا چاہے تو۔

"کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبریل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کر ڈالے۔"

(تقویۃ الایمان ص ۳۵)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کروڑوں ہو سکتے ہیں (معاذ اللہ)

علماء کی بات

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (پ۲۶ ع ۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آوازیں اونچی نہ کرو۔

حضرت ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اُمَّۃُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَقِيْقَةِ اَوْلَادُهٗ لِاَنَّهٗ السَّبَبُ لِلّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْهِمْ بِالْحَيٰوةِ وَالْخُلُوْدِ فِي دَارِ النَّعِيْمِ فَحَقُّهٗ اَعْظَمُ مِنْ حُقُوْقِ الْوَالِدَيْنِ۔ (جواھر البحار ص ۵۰۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت در حقیقت حضور کی اولاد ہے اس لیے کہ حضور ہی کے سبب اُسے زندگی کا انعام ملا۔ اور حضور ہی کے صدقے وہ جنت میں رہے گی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ماں باپ کے حق سے بھی بڑا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید اینجا (عزت بخاری)

مولوی اسمٰعیل کی نئی بات

وہ تو تھی پرانی بات جو چودہ سو سال سے علماء کہتے چلے آئے۔ اب مولوی اسمٰعیل صاحب کی بات سنیے۔ کہتے ہیں۔

اولیاء انبیاء امام و امام زادے پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی ہیں۔ مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہیں (تقویۃ الایمان ص ۶۸)

انسان آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجیے۔ (تقویۃ الایمان ص ۶۸)

حالانکہ بڑے بھائی کی آواز سے آواز اونچی کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ بڑے بھائی کا حق ماں

باپ کے حق سے بڑا نہیں ہوتا۔ اور کسی کے بڑے بھائی کی ایسی شان نہیں کہ اس کی بارگاہ عرش سے بھی زیادہ نازک ہو۔

علماء کی بات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ میرا قبلہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ بن جائے۔ تو خدا نے فرمایا۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (پ۲ ع ۱)

تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ ابھی اپنا مونہہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لیے فرمایا۔

لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ (مشکوٰۃ شریف ص۵۲۱)

اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔

اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک نعت میں لکھتے ہیں ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

مولوی اسمٰعیل کی نئی بات

وہ تو تھی پرانی بات جو چودہ سو سال سے علماء کہتے چلے آئے۔ اب مولوی اسمٰعیل کی نئی بات سنئے۔ کہتے ہیں۔

سارا کاروبار اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان ص۶۹)

علماء کی بات

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ

حَيٌّ يُرْزَقُ (ابن ماجہ ص ۱۱۹)

اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ پس نبی زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے۔

علماء کرام و محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں۔

وَحُرْمَتُهُ حَيًّا وَمَيِّتًا سَوَاءٌ فَإِنَّهُ حَيٌّ يُرْزَقُ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت اس دنیا کی زندگی میں اور آپ کے وصال شریف کے بعد دونوں حالتوں میں برابر ہے اس لیے کہ آپ اب بھی زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں۔

لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهِ وَحَيَاتِهِ أَعْنِيْ فِيْ مُشَاهَدَتِهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِأُمَّتِهِ وَمَعْرِفَتِهِ بِأَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذٰلِكَ عِنْدَهُ صلی اللہ علیہ وسلم جَلِيٌّ لَا خَفَاءَ فِيْهِ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و وفات میں کوئی فرق نہیں یعنی اب بھی آپ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں۔ اور امت کے حالات اس کی نیات اور اس کے ارادے و خیالات کو جانتے ہیں۔ اور یہ بات حضور علیہ السلام کے لیے صاف ظاہر ہے آپ کے لیے اس میں کوئی پردہ و خفا نہیں۔ (شواہد الحق نبہانی ص ۳۸)

اور اعلیحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ اپنی ایک نعت میں فرماتے ہیں ؎

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

مولوی اسماعیل کی نئی بات

یہ تو تھی پرانی بات جو چودہ سو سال سے علماء کہتے چلے گئے۔ اب مولوی اسماعیل کی نئی بات سنیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط اور جھوٹی نسبت کر کے کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے۔

"میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" (تقویۃ الایمان ص ۷۹)

ایک تو بات نئی۔ اور دوسرا یہ جھوٹ کہ (معاذاللہ) حضور نے اپنے متعلق یوں فرمایا ہے۔

ہے کسی مائی کے لال میں یہ جرأت۔ کہ وہ کوئی ایسی حدیث دکھا سکے۔ جس میں حضور نے فرمایا ہو۔ کہ

"میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں" ؏

کچھ اگر حسن کا دعوٰی ہے تو باہر آؤ

علماء کی بات

چودہ سو سال سے حضرات علماء کرام یہی بات کہتے چلے آئے ہیں۔ کہ مومن وہ ہے۔ جو اللہ کو مانے۔ اللہ کے رسول کو مانے۔ سارے رسولوں کو مانے۔ فرشتوں کو مانے۔ حشر و نشر کو مانے۔ اللہ کی کتابوں کو مانے۔ اور یوں کہے۔

آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔

مولوی اسماعیل کی نئی بات

وہ تو تھی پرانی بات جو چودہ سو سال سے علماء کہتے چلے آئے۔ اب مولوی اسمٰعیل کی نئی بات سنیے۔ کہتے ہیں۔

"اللہ کے سوا کسی کو نہ مانیے" (تقویۃ الایمان ص ۱۶)

دیکھا آپ نے حضرات علماء کرام چودہ سو سال سے جو ایمان افروز باتیں سناتے آئے تھے اور جو ہر مسلمان کے دل پر منقش تھیں۔ مولوی اسماعیل صاحب خود ہی کہتے ہیں۔ کہ میں علماء کی ان باتوں کے برعکس نئی باتیں سناتا ہوں۔ گویا مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتا ہوں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ کیا ہو سکتا ہے۔ بازار نکلیں تو گالیاں کھائیں بددین کہلائیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ مولوی محمد یعقوب صاحب یوں فرمائیں۔

دلی کے شہدے تے اور بدمعاش آپ کے (مولوی اسمٰعیل کے) یہاں تک دشمن ہو گئے تھے کہ ان کے قتل کی فکر میں تھے اس لیے ہم لوگ ان کی بہت حفاظت کیا کرتے تھے۔ (حکایات اولیا ص ۸۹)

مولوی صاحب کی ان نئی باتوں نے ایک نئے فتنہ کا دروازہ کھول دیا۔ آج تک مسلمانوں

اس فتنہ کی زد میں ہیں۔ اور مولوی صاحب کی نئی باتیں آج بھی مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کر رہی ہیں ؎

نہ خوفِ آہ بتوں کو نہ ڈر ہے نالوں کا
بڑا کلیجہ ہے ان دل دُکھانے والوں کا

حکایت ۱۹

تبرّکات کی تعظیم

ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے۔ اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ ان کے ساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے۔ مگر مولانا نے التفات نہیں کیا۔ اور برابر وعظ کہتے رہے۔ یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی۔ اور انہوں نے یہ کہا۔ مولانا! آپ کیا کر رہے ہیں؟ اٹھیے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی تعظیم کیجئے۔ مولانا اس پر بھی نہ اٹھے۔ اس پر لوگوں کو اور اشتعال آیا۔ اور انہوں نے اور سختی سے کہا۔ اس پر مولانا نے فرمایا۔ اوّل تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں۔ پھر میں اس وقت بحیثیت نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں۔ لہٰذا میں نہیں اٹھ سکتا۔ اس جواب کو سن کر اور شغب ہوا۔ اور فساد تک نوبت پہنچی۔ مگر چونکہ مولانا کے ساتھ بھی فدائی بہت تھے۔ اس لئے فساد نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی۔ اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصہ رہ گیا۔ یہ زمانہ اکبر ثانی کا تھا۔ اور اکبر شاہ اس خاندان کا بہت معتقد تھا۔ لوگوں نے جا کر بادشاہ سے حضرت مولانا کی بہت شکائتیں کیں جب مولانا کی بادشاہ تک یہ شکائتیں پہنچیں۔ تو بادشاہ نے مولانا کو بلوایا۔ اور ان سے حوض کے واقعہ کی تفصیل دریافت کی۔ مولانا نے پورا بیان فرما دیا۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تبرکات مصنوعی ہیں۔ اور ان کی تعظیم ہمارے ذمہ نہیں ہے اکبر بادشاہ نے کسی قدر تیز لہجہ میں کہا کہ عجیب بات ہے۔ آپ ان کو مصنوعی کہتے ہیں۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں فرمایا۔ کہ میں تو کہتا ہی ہوں مگر آپ اس کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں۔ اور معاملہ ان کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اکبر شاہ نے تعجب سے کہا۔ کہ یہ کیسے؟ مولانا نے فرمایا کہ اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ سال بھر میں دو

دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کے لیے آتے۔ اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔ یہ سن کر اکبر بادشاہ چپ رہ گیا۔ اس کے بعد مولانا نے کسی سے فرمایا۔ کہ ذرا قرآن شریف اور بخاری شریف لاؤ۔ چنانچہ وہ لائے گئے اور آپ نے ان کو ہاتھ میں لے کر واپس کرا دیا۔ اور اس کے بعد یہ تقریر فرمائی۔ کہ ان تبرکات میں اول تو یہی کلام ہے۔ کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی۔ لیکن اگر ان کو واقعی مان بھی لیا جائے۔ تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں بلکہ ان میں محض تلبس سے شرف آیا ہے لیکن قرآن شریف کے کلام اللہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ علیٰ ہذا بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اس لیے اس کا کلام رسول ہونا بھی ناقابل انکار ہے۔ کلام اللہ و کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور چھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ مگر باوجود ان تمام ناقابل انکار باتوں کے کلام خدا و کلام رسول تمہارے سامنے آیا مگر تم لوگوں نے ان کی کوئی تعظیم نہ کی۔ بلکہ برابر اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم ان کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں۔ اس مضمون کو مولانا شہید نے نہایت بسط اور واضح تقریر میں فرمایا۔ جب مولانا تقریر فرما رہے تھے۔ تو بادشاہ گردن جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (مولانا تھانوی کی حکایات اولیا صفحہ ۷۶ تا ۷۷)

سبق

ایمان نام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (مشکوٰۃ شریف صـ۱۲)

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں گا۔

لہٰذا مومن وہی ہے جسے سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو۔ محبت تو محبوب کی ہر چیز پیاری لگتی ہے۔ اور جس سے پیار ہو۔ وہ سامنے آجائے۔ تو اس کی خوشی بھی

کھڑا ہو جانا سنت ہے ایک روز حضرت زید بن حارثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس پہ حاضر ہوئے۔ اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

"فَقَامَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرْیَانًا یَجُرُّ ثَوْبَہٗ فَاعْتَنَقَہٗ وَقَبَّلَہٗ (مشکوٰۃ شریف ص۴۰۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف کھڑے ہو گئے۔ بغیر چادر شریف کے پھر ان سے معانقہ فرمایا اور انہیں چوما"۔

اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں تو

"قَامَ اِلَیْھَا فَاَخَذَ بِیَدِھَا فَقَبَّلَھَا وَاَجْلَسَھَا فِیْ مَجْلِسِہٖ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ اور ان کا ہاتھ پکڑتے۔ ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے"

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو

"قَامَتْ اِلَیْہِ فَاَخَذَتْ بِیَدِہٖ فَقَبَّلَتْہُ وَاَجْلَسَتْہُ فِیْ مَجْلِسِھَا۔

حضرت فاطمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔ اور ان کا ہاتھ پکڑتیں۔ اور حضور کو چومتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتیں" (مشکوٰۃ شریف ص۴۰۲)

اسی طرح خوشی کی خبر سن کر بھی کھڑا ہو جانا سنت صحابہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کسی امر میں غمناک تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک خوشخبری سنا کر ان کا غم دور کر دیا۔ تو حضرت عثمان فرماتے ہیں۔

"قُمْتُ اِلَیْہِ تو میں (خوشی سے) کھڑا ہو گیا (مشکوٰۃ شریف ص۸)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نعت پڑھتا ہو۔ تو کھڑا ہو جانا بزرگانِ دین کا معمول ہے علامہ حقی علیہ الرحمۃ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علماء کا مجمع تھا۔ ایک نعت خواں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے دو شعر پڑھے۔

فَعِنْدَ ذٰلِكَ قَامَ الْاِمَامُ السُّبْکِیُّ وَجَمِیْعُ مَنْ فِی الْمَجْلِسِ فَحَصَلَ اُنْسٌ عَظِیْمٌ بِذٰلِکَ الْمَجْلِسِ (روح البیان ص ۴۸)

تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہو گئے۔ اور اس مجلس میں بہت ہی لطف آیا۔

ان شواہد سے معلوم ہوا۔ کہ جس سے پیار ہو۔ وہ سامنے آجائے۔ یا کوئی خوشخبری سنی جائے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت سنی جائے۔ تو کھڑا ہو جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سنت ہے۔ اور بزرگان دین کا معمول ہے۔

مگر مولانا اسمٰعیل کا مسلک اس سے الگ ہے۔ آپ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات عالیہ بھی آگئے۔ جو ایک مومن کے لیے بہت ہی محبوب اور پیارے ہیں۔ اور لوگوں نے یہ کہہ کر خوشخبری بھی سنائی۔ کہ اٹھیے مولانا! اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی تعظیم کیجیے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی آواز بھی سنی۔ مگر مولانا کھڑے نہیں ہوتے اس مسلک کے خلاف اشتعال بھی پیدا ہو گیا پھر بھی نہیں اٹھے۔ اور یہی کہا۔ کہ

"میں نہیں اٹھ سکتا"

اور اپنے نہ اٹھ سکنے کی ایک وجہ یہ بتائی۔ کہ تبرکات مصنوعی ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تبلیغ کر رہا ہوں۔ لہٰذا میں نہیں اٹھ سکتا۔

پہلی وجہ خود ہی مصنوعی ہے۔ جس میں کوئی جان نہیں۔ اس لیے کہ ان تبرکات عالیہ کا مسلمانوں میں مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں عقیدت و احترام کے ساتھ ان کو لانا۔ ساتھ ساتھ نعت پڑھتے ہوئے آنا۔ اور بادشاہ کی زیارت کے لیے سال بھر میں دو مرتبہ ان کا لانا۔ یہ سب امور ہی اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ یہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات ہیں، ہر چیز کا ثبوت مختلف ہوتا ہے زنا کے معاملہ میں چار گواہ ہوتے ہیں۔ مالی معاملات میں دو گواہ اور رمضان کے چاند کے لیے ایک عورت کی گواہی بھی معتبر ہوتی ہے مگر نکاح۔ نسب۔ وغیرہ کے لیے شہرت و علامت ہی کافی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شہر میں دوسرے شہر کے دو میاں بیوی آکر رہنے لگیں۔ تو ان کا مثل میاں بیوی کے رہنا ہی اس امر کی علامت و ثبوت ہے کہ یہ واقعی میاں بیوی

ہیں۔ ہر شخص کہتا ہے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں۔ فلاں کا پوتا ہوں۔ اس کا ثبوت بھی مسلمانوں میں اس کی شہرت ہی ہوتی ہے۔ ورنہ ہر میاں بیوی کے پاس اپنے نکاح کی سند نہیں ہوتی۔ کسی بیٹے یا پوتے کے پاس اپنے باپ دادا کے نکاح کے گواہ نہیں ہوتے ان باتوں کا ثبوت مسلمانوں میں شہرت کا ہونا ہی ہے۔ مولانا اسمٰعیل کے مصنوعی مسلک کے مطابق تو ہر میاں بیوی کا رشتہ ازدواج بھی مصنوعی ہوگا۔ ہر بیٹے کا بیٹا ہونا اور ہر پوتے کا پوتا ہونا بھی مصنوعی ٹھہرے گا۔ کیونکہ ان میں کسی بات کا بجز شہرت کے قرآن و حدیث ثبوت نہیں۔

اب آئیے اس امر میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی اپنی تحقیق پڑھیئے۔ اور اندازہ کیجئے۔ کہ مولوی اشرف علی صاحب کیا کہتے ہیں۔ اور مولوی اسمٰعیل صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔

"مجالس حکیم الامت" کے نام سے مولوی محمد شفیع صاحب کراچی نے ایک کتاب مرتب کی ہے۔ جس میں مولوی اشرف علی صاحب کے ملفوظات درج ہیں۔ مولوی اشرف علی صاحب کہتے ہیں۔

"ایک سید صاحب کی حکایت ہے کہ ایک مولوی صاحب کے پاس آئے۔ اور اپنے آپ کو سید ظاہر کر کے کچھ سوال کیا مولوی صاحب نے کہا کہ آپ کے سید ہونے کی کیا دلیل ہے۔ اس نے کہا کہ دلیل تو میرے پاس بجز اپنے بیان کے نہیں۔

مولوی صاحب نے ان کو کچھ نہ دیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ میدان حشر قائم ہے۔ پیاس شدید ہے اور حوض کوثر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو پانی پلا رہے ہیں۔ یہ مولوی صاحب بھی حاضر ہوئے۔ کہ میں بھی آپ کا امتی ہوں مجھے بھی حوض کوثر کا پانی عطا فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے امتی ہونے کی کیا دلیل ہے۔ اس وقت ان کو اپنے کئے پر پشیمانی ہوئی"۔ (مجالس حکیم الامت ص ۲۴۱)

وہ مولوی اسمٰعیل صاحب جنہوں نے تبرکات عالیہ کو مصنوعی کہا اس لئے کہ ان کے اصلی ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ میدان حشر میں اگر ان کو بھی مصنوعی مسلمان کہا گیا تو کیا وہ بھی پشیمان نہ ہوں گے۔

آگے چلئے تھانوی صاحب کہتے ہیں۔

"دنیا میں بہت سے مقامات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک موجود ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے اس کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ اور عام طور سے کسی

کے پاس اس کی سند نہیں ہوتی۔ کہ یہ حضور ہی کا موئے مبارک ہے۔ ایسی حالت
میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا۔
کہ اتنی بات تو صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے وضو کا گرا ہوا پانی اور آپ کے کٹے ہوئے موئے مبارک تو ضائع نہ
ہونے دیتے تھے بلکہ اکرام و تعظیم کے ساتھ بطور تبرک رکھتے تھے۔ اور موئے
مبارک کا صحابہ کرام میں تقسیم ہونا بھی ثابت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ بالوں
کی تعداد بہت بڑی ہوتی ہے اس لئے کثرت سے دنیا میں موجود ہونا مستبعد
نہیں۔ اور ایسے معاملات میں کسی سند صحیح سے ثابت ہونا ضروری نہیں کہ معاملہ
احکام کا نہیں۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں اس کے مصنوعی ہونے پر کوئی
دلیل نہ ہو اس کا اکرام ہی کرنا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کے
متعلق یہ شعر پڑھا۔

مرا از زلف تو موئے پسند است
ہوس را رہ مدہ بوئے پسند است

(مجالس حکیم الامت ص ۲۴۱ تا ۲۴۲)

یہ ہے مولوی اشرف علی صاحب کی اپنی تحقیق۔ تعجب ہے کہ باوجود یہ سب کچھ خود بیان
کرنے کے حکایات اولیاء میں مولوی اسمٰعیل کا تبرکاتِ عالیہ کو مصنوعی کہہ دینا بڑے فخر سے درج
کر رہے ہیں۔

اور دوسری وجہ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تبلیغ کر رہا ہوں اس لئے نہیں
اٹھ سکتا۔ تو اس کا جواب اتنا ہی کافی ہے کہ آپ بزعم خویش جن کی نیابت میں تبلیغ کر رہے ہیں۔
وہ خود اپنی پیاری چیز کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر آپ کون ہیں۔ جو کھڑے نہ ہوں؟
علاوہ ازیں حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے فضائل میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وعظ و تبلیغ فرما رہے تھے۔ کہ اچانک
حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما سرخ دھاریوں والی قمیص پہنے ہوئے آگئے۔

فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ فَحَمَلَھُمَا۔

"تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً منبر سے اتر آئے اور ان دونوں کو اٹھالیا۔"

(مشکوٰۃ شریف ص ۵٦٣)

دیکھا آپ نے "مولانا" جن کی نیابت کا آپ کو دعویٰ ہے۔ وہ اپنے پیارے نواسوں کو دیکھ کر جو ساری امت کے لیے حضور کے تبرکات ہیں تبلیغ فرماتے ہوئے منبر چھوڑ کر نیچے اتر آئے۔ اور اپنے پیاروں کو اٹھالیا۔ اے کاش آپ وہی ان کی نیابت میں تبلیغ کر رہے ہوتے۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو آپ بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کو آتا دیکھ لیتے تو یقیناً ان تبرکات کی تعظیم کے لیے اٹھتے۔ اور کبھی مصنوعی قرار نہ دیتے۔

مولانا نے تبرکات کے مصنوعی ہونے کا جو ثبوت پیش کیا ہے۔ وہ بھی علم کلام کا ایک "سنبل" ہے۔ آپ نے بادشاہ سے کہا:

"اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کے لیے آتے اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔"

گویا بادشاہ مولانا کے لیے حجت تھا۔ اور اس کا فعل مولانا کے لیے دلیل تھا۔ چوں کہ بادشاہ زیارت کے لیے نہ آیا اس لیے وہ تبرکات مولانا کے لیے مصنوعی ہو گئے۔

اس طرح تو قرآن پاک کی اگر بادشاہ کبھی تلاوت نہ کرے۔ تو قرآن بھی معاذ اللہ مصنوعی ٹھہرے گا۔ بادشاہ اگر مسجد میں کبھی نہ آئے تو مسجد بھی مسجد نہ رہے گی۔ اور اگر کوئی بدبخت استطاعت کے باوجود حج کعبہ کے لیے نہ جائے۔ تو کعبہ کو بھی مصنوعی کہنا پڑے گا۔

جوابات کی خدا کی قسم لاجواب کی

اس کے بعد مولانا نے بادشاہ کے سامنے قرآن شریف اور بخاری شریف کو منگوایا۔ اور قرآن و بخاری کو ہاتھ میں لے کر اور واپس کر کے کہا کہ "چونکہ تم لوگوں نے قرآن اور بخاری شریف کی کوئی تعظیم نہ دی۔ اس لیے تمہارا تبرکات کی تعظیم کرنا محض رسم پرستی ہے۔" مولانا کی اس بات کا جواب ہم "مولانا اشرف علی تھانوی" کی زبان سے دلواتے ہیں۔ تھانوی صاحب اپنے ایک وعظ میں کہتے ہیں۔

"تراویح چونکہ سنت ہے اس لئے عملاً اس کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔ گو اعتقاداً فرض کا اہتمام زیادہ ہے، اور عملاً اس کا اہتمام اس لئے زیادہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر محسوس ہے۔ اور یہ ایک طبعی بات ہے۔ چنانچہ اگر ایک قرآن رکھا ہو۔ اور ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قمیص مبارک بھی رکھا ہو۔ دیکھو دل کدھر کھنچتا ہے؛ طبیعت کا جذب کدھر زیادہ ہوتا ہے؛ گو اعتقاداً وہ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کی تعظیم واجب ہے۔ مگر عملاً تم اس کے ساتھ وہ برتاؤ کروگے۔ جو قرآن کے ساتھ نہیں کرتے۔ پھر بھی یہ شرک نہ ترک ادب ہے۔ کیونکہ فطرتاً انسان اس کے خلاف پر قادر نہیں۔" (روح القیام وعظ دوم صفت احترحت)

تعجب ہے۔ کہ تھانوی صاحب حکایات اولیاء میں اپنے مولانا شہید کی یہ حکایت لکھتے وقت اپنا وعظ کیوں بھول گئے؛ اور انہیں کیوں یاد نہ رہا؛ کہ اکبر بادشاہ کے سامنے مولانا برمحمد خوشی جو لاجواب تقریر کر رہے ہیں۔ اس کا جواب تو میں اپنے وعظ میں دے چکا ہوں۔

حکایت کے آخر میں درج ہے کہ مولانا کی تقریر پہ بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ یعنی وہ رو رہا تھا" واقعی یہ رونے ہی کا مقام تھا کہ دو منزل کا ایک جم غفیر اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات عالیہ لا رہا ہے۔ نعتیں پڑھتے ہوئے آ رہا ہے۔ اور ہر ایک روحانی کیف و سرور پا رہا ہے۔ مگر مولانا کی قسمت دیکھئے۔ کہ انہیں تبرکاتِ عالیہ کے فیوض و برکات سے محروم رکھا جا رہا ہے۔

آخر میں مولانا تھانوی ہی کے ایک وعظ کا کچھ حصہ سنیئے۔ تھانوی صاحب صلح حدیبیہ کا ذکر کرتے ہوئے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی اس محبت کا بیان کرتے ہیں۔ جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ اور سناتے ہیں کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوک مبارک زمین پر نہ گرنے دیتے تھے۔ اور حضور جب وضو کرتے تو اس کا غسالہ اپنے ہاتھوں پر لے لیتے تھے اگر کسی کو نہ ملتا۔ تو وہ دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مل کر اپنے منہ پر پھیر لیتا تھا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی یہ کیفیت بیان کر کے تھانوی صاحب پھر کہتے ہیں۔

"صاحبو! بتلایئے یہ بھی کہیں قرآن میں یا حدیث میں حکم ہے کہ نبی کریم کا غسالہ وضو

اپنے منہ پر ضرور مارتے۔ اللہ اکبر! اس وقت بہت سی جماعتیں صحابہ پر طعن کرتی ہیں۔ مگر ان کی اس حالت کو نہیں دیکھتے۔ بھلا نماز و روزہ وغیرہ کی بابت تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ جنت کے شوق میں کرتے تھے۔ لیکن غسالہ وضوء کا حکم وجوبی یا استحبابی کہیں آیت میں تھا کہ اس کو منہ پر مل لیا کرو تو فلاں فضیلت ملے گی۔ اس وقت تو واللہ بعضے ایسے مستقل مزاج ہیں کہ اگر حضور کو وضو کرتے دیکھتے تو کبھی حرکت بھی نہ ہوتی۔ کیا اس وقت تم میں ایک شخص بھی ایسا برتاؤ کر سکتا ہے۔ جو صحابہ کرام نے کیا۔ بلکہ عجب نہیں۔ کہ اس فعل سے استنکاف کرتے۔ صاحبو! ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ اس وقت میں پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا نہ ہوئے۔ ورنہ ہمارا یہ استنکاف خدا جانے ہم کو کس حد میں داخل کرتا۔

(اشرف المواعظ حصہ اول وعظ فوائد الصحبۃ ص ۲۳)

تھانوی صاحب کے اس وعظ میں سامعین دیوبندی حضرات بھی پھول گئے اور یہ انہی کے لیے کہا گیا ہے۔ کہ وہ اگر حضور کے زمانہ میں ہوتے۔ "تو کبھی حرکت بھی نہ ہوتی" اور سب میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوتا جو حضور کے غسالہ وضوء سے ایسا برتاؤ کرتا جو صحابہ کرام نے کیا۔ واقعی ٹھیک کہا تھانوی صاحب نے ہم نے مولانا شہید کو دیکھ لیا ہے۔ کہ حضور کے تبرکات عالیہ سامنے آئے۔ اور مولانا نے کوئی حرکت نہ کی اور صاف کہہ دیا۔ کہ "میں نہیں اٹھ سکتا" اچھا ہوا کہ یہ لوگ اس زمانہ میں نہ تھے بعد کی پیداوار ہیں۔ ورنہ ان کا یہ استنکاف (باعث ننگ سمجھنا) ضرور یہ رنگ لاتا۔ کہ ان کے حق میں کوئی سورۃ نازل ہو جاتی۔ جس کا ترجمہ کنز الایمان میں نمایاں طور پر شائع ہو جاتا۔

ے اے میں سو جان سے اس طرز تکلم کے نثار
پھر تو فرمایئے کیا آپ نے ارشاد کیا

حکایت ۲۰ مولوی اسمٰعیل صاحب غیر مقلد

فرمایا (مولوی اشرف علی صاحب نے) بعض لوگ مولانا (اسمٰعیل شہید) کو غیر مقلد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ میرے ایک استاد بیان فرماتے تھے۔ کہ وہ سید صاحب

کے قافلہ کے ایک شخص سے ملے۔ ان سے پوچھا تھا کہ مولانا غیر مقلد تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو ہم کو معلوم نہیں۔ لیکن سید صاحب کے تمام قافلہ میں یہ مشہور تھا۔ کہ غیر مقلد چھوٹے رافضی ہوتے ہیں۔ اس سے سمجھ لو۔ کہ اس قافلہ میں کوئی غیر مقلد ہو سکتا ہے۔ ایک حکایت اور فرمائی سند یاد نہیں۔ کسی نے مولانا سے مسئلہ پوچھا۔ فرمایا امام صاحب کے نزدیک یوں ہے۔ اس نے کہا آپ اپنی تحقیق فرمایئے۔ فرمایا میں کیا کہ سکتا ہوں امام صاحب کے سامنے۔ مولانا کے غیر مقلد مشہور ہونے کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ مولانا نے بعض جاہل غالی مقلدین کے مقابلہ میں بعض مسائل خاص عنوان سے تعبیر کرائے۔ اور ایک بار ان کے مقابلہ میں آمین زور سے کہہ دی کیونکہ غلو اس وقت ایسا تھا۔ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے۔ کہ ایک شخص نے زور سے آمین کہہ دی تھی تو اس کو مسجد کے اونچے فرش پر سے گرا دیا تھا۔ مولانا کو اس پر جوش ہوا۔ اس کتاب میں ہے کہ آپ نے بیس مرتبہ آمین کہی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب سے لوگوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ اور کہا کہ ان کو سمجھا دیجیے فرمایا وہ خود عالم ہیں اور تیز ہیں کہنے سے ضد بڑھ جائے گی۔ خاموش رہو۔ مولانا نے ایک رسالہ بھی رفع یدین کے اثبات میں لکھا ہے۔ لیکن غیر مقلد ہرگز نہ تھے۔ (قصص الاکابر ص ۲۵)

سبق

مولوی اشرف علی صاحب نے مولوی اسمٰعیل کو مقلد ثابت کرنا چاہا ہے۔ مگر ایسا کر نہیں سکے۔ کیوں کہ وہ خود ہی لکھ رہے ہیں کہ مولوی اسمٰعیل آمین بالجہر کہتے تھے نہ صرف ایک بار بلکہ بیس بیس بار۔ اور انہوں نے ایک رسالہ بھی رفع یدین کے اثبات کے لیے لکھا ہے۔ باوجود اس کے یہ لکھنا کہ "وہ غیر مقلد ہرگز نہ تھے" محض تکلف ہی ہے اور کچھ نہیں۔

یہی مولوی اشرف علی صاحب ایک دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں۔

"حضرت سید احمد صاحب کے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید جیسے شخص معتقد تھے جو کہ تمام دنیا میں کسی کے معتقد نہ تھے۔ (قصص الاکابر ص ۲۰)

اور خود مولوی اسمٰعیل صاحب کا اپنا وعظ یہ ہے۔

"اللہ کے سوا کسی کو نہ مان" (تقویۃ الایمان)

جو دوسر   سے کہہ رہا ہے کہ "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان"۔ اور جو دنیا بھر میں کسی کا معتقد

نہ ہو۔ وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مان لے اور ان کا معتقد ہو جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

ہم مقلد ہیں اور تقلید شخصی کو واجب جانتے ہیں۔

ہم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں جن کا مذہب یہ ہے کہ

فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی جائے۔

آمین بالجہر نہ کہی جائے۔

رفع یدین نہ کیا جائے۔

مگر مولوی اسمٰعیل صاحب تقلید کے بھی مخالف تھے اور فاتحہ خلف الامام و آمین بالجہر اور رفع یدین کے مسائل میں مذہب امام اعظم کے برخلاف ان کا عمل بھی تھا۔ چنانچہ مولوی محمد جعفر تھانیسری سوانح احمدی میں مولوی اسمٰعیل صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔

"صدہا مولوی اور عالم کابل اور قندھار اور سمرقند اور بخارا وغیرہ کے جمع ہو کر بمقام پنجاب مسئلہ وجوب تقلید میں آپ سے (مولوی اسمٰعیل سے) بحث کرنے کو آئے تھے۔ چنانچہ ایک ہفتہ تک یہ بحث رہی۔ آخر کو وہ سب مولوی لاجواب ہو کر عدم وجوب تقلید شخصی کے قائل ہو گئے۔ (سوانح احمدی ص ۱۹۳)

پھر مولوی اسمٰعیل صاحب کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"تیسری کتاب تنویر العینین فی اثبات رفع یدین ہے۔ اس کتاب میں آپ نے بہت سی صحیح صریح غیر منسوخ حدیثوں کو جمع کر کے ثابت کیا ہے کہ رفع یدین سنت غیر مؤکدہ ان سنتوں میں سے ہے۔ کہ جن سے قرب الٰہی حاصل کیا جاتا ہے" (ص ۱۹۷)

پھر لکھا ہے:

"تنویر العینین کے خاتمے میں آپ نے لکھا ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے میں دونوں طرف دلائل قوی ہیں۔ لیکن طرفین کے دلائل میں تامل کرنے سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اولیٰ اور افضل ہے اس کے ترک سے اور پھر آپ نے لکھا ہے۔ کہ اسی طرح آمین پکار کر کہنا آہستہ کہنے سے اولیٰ و افضل ہے" (صفحہ مذکور)

مقام غور ہے۔ کہ جو شخص کابل، قندھار، سمرقند، اور ماوراء النہر وغیرہ کے صدہا علماء مقلدین سے بحث اس لئے ٹھر لیتا ہے۔ کہ یہ صدہا علماء تقلید کا وجوب ثابت نہ کر سکیں۔ ان کو منوا بھی لیا ہے کہ تقلید ضروری نہیں ہے اور جو اثبات رفع یدین کے لیے ایک مستقل رسالہ بھی لکھتا ہے۔ اور فاتحہ خلف الامام کے پڑھنے کو اور آمین پکار کر کہنے کو افضل و اولے بھی بتاتا ہے۔ وہ مولوی اشرف علی صاحب کے نزدیک مقلد ہی ہے غیر مقلد ہرگز نہیں اگر یہی مقلد ہوتا ہے تو پھر غیر مقلدیت کس چڑیا کا نام ہے؟

مولوی اشرف علی صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کی ان حرکات کا باعث ان کی ضد بیان کی ہے۔ چنانچہ حکایت میں مذکور ہے کہ

"غالی مقلدین کے مقابلہ میں بعض مسائل خاص عنوان سے تعبیر کرائے اور ایک بار ان کے مقابلہ میں آمین زور سے کہہ دی"

ایک دوسرے مقام پر مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی نے بعض حنفیوں کے غلو کو دیکھ کر خود جہر آمین اور رفع یدین شروع کر دیا" (مجالس حکیم الامت ص۱۰۵)

اور جب لوگوں نے مولوی اسمٰعیل صاحب کی ان حرکات کا ذکر شاہ عبدالعزیز صاحب سے کیا۔ اور کہا۔ کہ ان کو سمجھائیے۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا۔

"وہ خود عالم ہیں اور تیز ہیں کہنے سے ضد بڑھ جائے گی"

گویا مولوی صاحب نے جو ضد شروع کر لی ہے اگر انہیں سمجھایا گیا۔ تو ان کی ضد اور بڑھ جائے گی۔

معلوم ہوا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب۔ نے ان باتوں کو سنت سمجھ کر شروع نہ کیا بلکہ حنفیوں کے مقابلہ میں ضد پیدا ہو گئے اور جی میں آ گیا کہ انہیں رفع یدین کر کے اور آمین بالجہر کہہ کے دکھائے۔ اور جوش میں آ کر بیس بیس مرتبہ آمین کہہ کر ان حنفیوں کو بتاؤ کہ ہم بھی ہیں۔

مقلد کو چونکہ اپنے امام کی تحقیق پر مکمل اعتماد ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اطمینان سے اپنے امام کی تحقیق پر عمل کرتا ہے۔ مگر غیر مقلد کو کسی امام کی تحقیق پہ اعتماد نہیں ہوتا وہ قرآن و حدیث کو خود

سمجھ لیتا رہتا ہے۔ جو اس کی اپنی سمجھ میں آئے۔ اس پر عمل کرتا ہے۔ گویا وہ غیر مقلد ہو کر اپنی رائے کا مقلد بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر غیر مقلدین میں یکجہتی نظر نہیں آتی۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ کوئی کسی کے پیچھے نہیں چلتا اپنی اپنی رائے میں سب آزاد ہیں۔ جو دل میں آگیا اور جس طرح آ گیا اس طرح کر لیا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں بھی جب جوش پیدا ہوا اور دل زور سے آمین کہنے اور رفع یدین کرنے پر آگیا۔ تو مولوی صاحب نے دونوں باتیں شروع کر دیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کی یہ ادا مولوی اشرف علی صاحب کے نزدیک ایسی نہیں جس سے وہ مقلد نہ رہیں۔ بلکہ وہ اس کے باوجود غیر مقلد ہرگز نہیں۔ اور یہ بات اس لیے ہے۔ کہ خود مولوی اشرف علی صاحب بھی اسی قسم کے مقلد تھے جس قسم کے مولوی اسمٰعیل صاحب تھے۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب نے خود ہی اپنے متعلق کہا ہے۔ کہ

"جب میں کانپور میں حدیث پڑھاتا تھا۔ تو میرے دل میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی ترجیح قائم ہو گئی۔ چنانچہ اس پر عمل بھی شروع کر دیا۔ مگر اپنے عیب و صواب کو اپنے بزرگوں سے چھپانا اچھے پسند نہیں تھا۔ اس لیے یہ واقعہ خط میں حضرت گنگوہی کو لکھ کر بھیج دیا۔ اس کے جواب میں حضرت نے کچھ نہیں فرمایا۔ مگر چند روز ہی گزرے تھے کہ پھر خود بخود دل میں ترک فاتحہ خلف الامام کی ترجیح قائم ہو گئی۔ اور اس کے مطابق عمل کرنے لگا۔" (مجالس حکیم الامت ص ۲۴۳)

دیکھ لیجئے۔ یہاں بھی نظر اپنے دل پر ہے۔ دل میں آیا۔ تو فاتحہ خلف الامام پڑھنے لگے

ظاہر ہے کہ اس قسم کے مقلدین پر غیر مقلدین کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کو غیر مقلدین بھی اپنا پیشوا سمجھتے ہیں۔ اور ان کی کتابوں کی بڑھ چڑھ کر اشاعت کرتے ہیں۔ اسی طرح غیر مقلدین کے لیے مولوی اشرف علی بھی بیگانے نہیں ہیں۔ اور وہ بخوشی مولوی صاحب کی بیعت کرتے اور ان کی صحبت سے مستفید ہوتے نظر آتے ہیں چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں۔

"ایک صاحب غیر مقلد تھے لکھنؤ میں میرا وعظ ہوا۔ اس میں شریک ہوتے تو بہت

متاثر ہوئے مولانا ثناء اللہ امرتسری سے اجازت طلب کی میں فلاں عالم کے وعظ میں شریک ہوا تو مجھے بڑا نفع معلوم ہوا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ کچھ دنوں کے لئے ان کے پاس جاکر رہوں جواب دیا۔ کہ ضرور رہو۔ ان کی صحبت میں برکت ہے۔ (مجالس حکیم الامت ص ۳۲۷)

اسی طرح مولوی صاحب کا غیر مقلدین کو اپنی بیعت سے مشرف فرمانا ان کی کتابوں میں مذکور ہے۔ جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ؎

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

حکایت میں مولوی اشرف علی صاحب نے مولوی اسمٰعیل کے غیر مقلد ہونے کی جو دلیل پیش کی ہے۔ وہ یہ ہے۔

سید صاحب کے تمام قافلہ میں مشہور تھا کہ غیر مقلد چھوٹے رافضی ہوتے ہیں۔ اس سے سمجھ لو۔ کہ اس قافلہ میں کوئی غیر مقلد ہو سکتا ہے۔

سوال یہ ہے۔ کہ قافلہ جہاد کے لیے جا رہا ہے۔ قافلہ میں تو ہمہ وقت جہاد کی باتیں ہونی چاہئیں۔ غیر مقلدین کا ذکر چھڑا تو آخر کیوں؟ اور یہ بات کیوں چلی نکلی کہ غیر مقلد چھوٹے رافضی ہوتے ہیں۔ اس سے تو پتہ یہ چلتا ہے۔ کہ قافلہ میں کوئی ایسا شخص بھی تھا۔ جو اپنی غیر مقلدیت کا اظہار کرتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ترکِ تقلید پر علماء مقلدین سے مناظرہ بھی کرنے لگا۔ ظاہر ہے کہ ترکِ تقلید ثابت کرنے کے لئے ائمہ اربعہ کی تنقیص ثابت کرنی پڑتی ہے جب تک عظمتِ شان اور تفقہ فی الدین میں ان کی برتری کا پیش نظر رہے گی ترکِ تقلید کے لیے راہ ہموار نہ ہو سکے گی اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ائمہ کرام کو اپنے جیسا عام مولوی ثابت کیا جائے۔ تاکہ لوگ ان کی طرف مائل نہ ہوں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے جو ترکِ تقلید پر صدہا علماء مقلدین سے مناظرہ کیا خدا جانے اس میں مولوی صاحب نے ائمہ کرام کے حق میں کیا کیا کہا۔ جو قافلہ والوں کو بُرا لگا۔ یہ ائمہ کرام چونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے شان میں چھوٹے اور صحابہ کرام بڑے ہیں۔ اس لئے جو لوگ صحابہ کرام کی توہین و تنقیص کرتے ہیں۔ وہ بڑے رافضی ہیں۔ اور جو ائمہ کرام کی

توہین و تنقیص کرتے ہیں ۔ وہ چھوٹے رافضی ہیں ۔ غالباً مولوی اسمٰعیل صاحب کے اسی شغل کی بنا پر قافلہ میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ غیر مقلد چھوٹے رافضی ہیں خیال فرمایئے ۔ کہ قافلہ والے جہاد کے لیے جا رہے ہیں ۔ مگر مولوی اسمٰعیل صاحب پر ترک تقلید کی دھن سوار ہے ۔ اور وہ اس مسئلہ پر علماء مقلدین سے مناظرہ کرنے کا شغل فرما رہے ہیں ۔ حتیٰ کہ خود سید صاحب کو ڈانٹنا پڑا ۔ اور ان سے یہ کہنا پڑا ۔ کہ مولوی صاحب !

یہ وقت ترک تقلید کا نہیں ہے ہم کو اس وقت کفار سے جہاد کرنا ہے تقلید کا جھگڑا اٹھا کر اپنے اندر تفرقہ ڈالنا بہتر نہیں ہے ۔" (سوانح احمدی ص ۱۹۴)

گویا اس قافلہ کے اندر مولوی اسمٰعیل صاحب ترک تقلید کا جھگڑا اٹھا کر اپنی غیر مقلدیت کا اظہار کر رہے تھے ۔ اور قافلہ والوں میں تفرقہ ڈال رہے تھے تو مولوی صاحب کا کردار ہی موجب ہوا اس شہرت کا ۔ کہ غیر مقلد چھوٹے رافضی ہوتے ہیں ۔

بغل میں ہم نے رات اک غیرت مہتاب دیکھا ہے
تمہیں تعبیر ہو اس خواب کی کیا خواب دیکھا ہے

مولوی اسمٰعیل صاحب کے غیر مقلد نہ ہونے کی دوسری دلیل تھانوی صاحب نے یہ لکھی ہے ۔ کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے ایک مسئلہ بتاتے ہوئے کہا ۔ کہ امام صاحب کے نزدیک یوں ہے "۔ اور جب سائل نے کہا کہ آپ اپنی تحقیق فرمائیے ۔ تو انہوں نے فرمایا ۔

میں کیا کر سکتا ہوں امام صاحب کے سامنے

اس کا جواب ہو چکا ۔ کہ حضرت امام صاحب کے سامنے ان کے مذہب اور ان کی تحقیق کے خلاف مولوی صاحب نے سب کچھ کیا ۔ فاتحہ خلف الامام پڑھنے کو افضل کہا ۔ آمین پکار کر کہی اور رفع یدین کے اثبات میں مستقل رسالہ لکھا ۔ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود یہ کہنا کہ میں کیا کر سکتا ہوں امام صاحب کے سامنے ۔

محض خلاف واقعہ اور غلط بیانی ہے ۔ اور تھانوی صاحب کا اس جملہ کو اچھالنا ان کی خواہ مخواہ کی وکالت ہے ۔

مولوی اشرف علی صاحب نے ایک مقام پر غیر مقلدین کی دو نشانیاں بیان کی ہیں ۔ لکھتے

ہیں کہ ان غیر مقلدین میں دو مرض متجاوز عن الحد ہیں۔
ایک بدزبانی دوسرے بدگمانی (ملفوظات ہفت اختر صفحہ ۵۳)

مولوی اسمٰعیل صاحب کی کتاب تقویۃ الایمان پڑھیئے تو یہ دونوں نشانیاں اس میں نظر آتی ہیں۔ اس کتاب میں مولوی صاحب نے دنیا بھر کے مسلمانوں پر بدگمانی سے کام لیا ہے کہ یہ مسلمان انبیاء و اولیاء کو خدا سمجھتے ہیں اور پھر اس بدگمانی کے بعد ان پر شرک و بدعت کے فتوے لگا کر اور انہیں ابوجہل کے برابر مشرک ٹھہرا کر بدزبانی کا مظاہرہ بھی کیا ہے۔ گویا غیر مقلدین کی جو دو نشانیاں مولوی تھانوی صاحب نے بیان کی تھیں۔ وہ مولوی اسمٰعیل صاحب میں بھی موجود ہیں ؎

رشکِ آئینہ ہے اُس رشکِ قمر کا پہلو
صاف اِدھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو

حکایت ۲۱ مولوی اسمٰعیل صاحب کی حدیث فہمی

شاہ اسحٰق صاحب بیان فرماتے ہیں۔ کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا۔ تو مولوی محمد علی صاحب و مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے اور ان کے کاتب تھے۔ شاہ صاحب سے عرض کیا۔ کہ حضرت! مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا ہے۔ اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا۔ آپ ان کو روک دیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ میں تو ضعیف ہو گیا ہوں۔ مجھ سے مناظرہ نہیں ہو سکتا۔ میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اس سے مناظرہ کر لو۔ اگر تم غالب آ گئے تمہارے ساتھ ہو جاؤں گا اور وہ غالب آ گیا تو اس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے۔ اور کہا حضرت ہم تو مناظرہ نہ کریں گے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے۔ تو جانے دو۔ شاہ صاحب نے یہ جواب دیا۔ تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے رفع الوقتی فرما دی ہے۔ مگر یہ مولوی اسمٰعیل سے کہیں گے ضرور۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب شاہ عبدالقادر صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ

کیا کریں۔ کیا فائدہ ہے خواہ مخواہ عوام میں شورش پیدا ہوگی۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا۔ کہ حضرت میں کہہ تو دوں گا۔ مگر وہ ماننے کا نہیں۔ ا[illegible] حدیثیں پیش کرے گا۔ اس وقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انہوں نے اس وقت یہ جواب دے دیا ہے۔ مگر یہ بھی کہیں گے ضرور۔ چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا۔ کہ تم رفع یدین چھوڑ دو۔ اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے۔ تو اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے۔ من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہوگی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا۔ اس کو سن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا۔ میاں ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا۔ مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا۔ یہ حکم تو اس وقت ہے جب کہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے۔ کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یوں ہی ارسال بھی سنت ہے۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب بھی مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا۔ تو وہ خاموش ہو گئے۔ اور کوئی جواب نہ دیا (حکایات اولیا تالیف تھانوی ص ۱۱۹ تا ۱۲۱)

سبق

مولوی اسمٰعیل صاحب مقلد تھے یا غیر مقلد؟ دیوبندیوں سے پوچھو تو مقلد بتاتے ہیں۔ اور غیر مقلدوں سے پوچھو تو غیر مقلد بتاتے ہیں اور ہم سے پوچھئے تو وہ کچھ بھی نہیں نہ مقلد نہ غیر مقلد وہ صرف محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کے مترجم ہیں۔ نجدی عقائد کے نمائندہ اور نجدیت کے علمبردار۔ رفع یدین کرنا یا نہ کرنا ان کے مقاصد میں داخل نہ تھا۔ ان کا کام تو صرف عظمت رسالت کے خلاف لکھنا اور اللہ کے مقبولوں سے مسلمانوں کو برگشتہ کرنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسی مقصد کے لیے کتاب تقویۃ الایمان لکھی۔ اور ایسے گستاخانہ [illegible] لکھے کہ خود ہی اپنے گستاخانہ انداز کو بے لفظوں میں تسلیم کیا۔ چنانچہ ان کا اپنا اعتراف ان لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے۔

"میں نے یہ کتاب (تقویۃ الایمان) لکھی ہے اور میں [illegible] ہوں کہ اس میں بعض جگہ

ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں، اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے۔ مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ (حکایات اولیا ص ۱۰۳)

ہندوستان میں سوادِ اعظم اہلسنت وجماعت کے جذبات کو اس کتاب کے مندرجات سے واقعی بڑی ٹھیس پہنچی۔ اور ایک عظیم شورش پیدا ہوگئی۔ اس شورش میں کچھ لوگوں نے مولوی صاحب کی طرفداری بھی شروع کر دی۔ ان طرفداروں میں مقلد ہونے کے مدعی بھی تھے اور غیر مقلد بھی۔ مولوی اسمٰعیل نے اس عظیم شورش میں اپنا ساتھ دینے والے دونوں فریقوں کو ناراض کرنا نہ چاہا۔ اور کبھی رفع یدین نہ کیا اور کبھی شروع کر دیا۔ مولوی صاحب کے اس دورنگا پن کے باعث یہ فیصلہ آج تک نہ ہوسکا، کہ مولوی صاحب مقلد تھے یا غیر مقلد؟ دیوبندی حضرات ان کے رفع یدین نہ کرنے کا دور سامنے رکھتے ہیں۔ اور غیر مقلدین ان کے رفع یدین شروع کر دینے کی بات کرتے ہیں۔ اور چرچا بھی یہی تھا کہ وہ غیر مقلد ہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب خود لکھتے ہیں۔

• بعضے لوگ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو غیر مقلد کہتے ہیں۔

(روح القیام مفت اختر ص ۳۲)

جو کہتے ہیں ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔ رفع یدین کا شروع کر دینا کیا حنفی ہونے کی دلیل ہے؟ بہر حال رفع یدین کرنا یا نہ کرنا تو ایک فرعی چیز ہے۔ اصل بات تو عقائد کی ہے۔ اور وہ عقائد جو مولوی اسمٰعیل نے تقویۃ الایمان میں پیش کیے۔ سوادِ اعظم اہلسنت وجماعت کے خلاف مقلد ہونے کے بعض مدعیوں اور غیر مقلدوں نے انہیں تسلیم کر لیا۔ اور سوادِ اعظم اہلسنت کے مقابلہ میں یہ دونوں فریق ایک محاذ میں نظر آنے لگے چنانچہ سنی علماء کی حکایات میں شیعہ لاہور کا ایک تاریخی مناظرہ" کی حکایت میں یہ دکھایا ہے کہ اہل سنت وجماعت کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے علماء دیوبند جس سٹیج پر بیٹھے تھے۔ غیر مقلدین کے سردار مولوی ثناء اللہ صاحب میدان مناظرہ میں آگئے تو سیدھے علماء دیوبند کے سٹیج پر پہنچے اور اسی سٹیج سے دیوبندیوں کے ہمنوا ہو کر انہوں نے علماء اہلسنت کو مسئلہ تقلید پر مناظرہ کرنے کا چیلنج دیا۔ جو علماء اہلسنت نے قبول کر لیا اور بڑے نام

مقلدین علماء دیوبند خاموش رہے۔ اور خاموش کیسے نہ رہتے جب کہ چیلنج بھی انہی کے سٹیج سے دیا جا رہا تھا۔ تقلید کا دعوی بھی۔ اور اپنے ہی سٹیج سے تقلید پر مناظرہ کا چیلنج بھی ہے

نہ صاف اقرار کا پہلو نہ صاف انکار کی صورت
بڑے دھوکے دیئے تیرے حجاب نیم حائل نے

ان دونوں فریقوں کا آپس میں برائے نام اختلاف ہے۔ ورنہ عقائد میں دونوں ایک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرے کی دعوتیں بھی کرتے اور کھاتے ہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں۔

قنوج میں بعضے غیر مقلدوں نے میری دعوت کی۔ (ملفوظات ہفت اختر ص۱۴۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ (مشکوۃ شریف ص۴۲۶)

دوست نہ بناؤ مگر مومن کو۔ اور تمہارا کھانا نہ کھائے مگر نیک آدمی۔

اس حدیث کے حاشیہ پر ہے۔ اَلْمُرَادُ طَعَامُ الدَّعْوَةِ۔ یعنی دعوت کرو تو نیک آدمی کی کرو تاکہ تمہارا کھانا نیک آدمی کھائے۔ قنوج کے غیر مقلدین جو اہلحدیث کہلاتے ہیں۔ انہوں نے مولوی اشرف علی صاحب کو نیک سمجھ کر (اور ایک سمجھ کر) کھانے کی دعوت دی۔ اور ظاہر ہے۔ کہ دشمن کے گھر کوئی دعوت کھانے نہیں جاتا۔ مولوی اشرف علی صاحب نے ان غیر مقلدوں کو دوست بنایا تو ان کے گھر گئے۔ معلوم ہوا کہ تقلید کا پردہ محض ایک برائے نام پردہ ہے۔ حقیقت میں اٹھنا بیٹھنا ایک ہے اور کھانے کا دسترخوان بھی ایک ہے ع

نام ہی کا فرق ہے تصویر ہے دونوں کی ایک

پیار ہمیشہ اپنے ہم خیال اور ہم مسلک سے ہوتا ہے۔ اور عقیدت سے کسی کے پاس جانا بھی اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کا مسلک و مشرب پسند ہو۔ اسی لیے یہ دونوں فریق آپس میں گھلے ملے رہتے ہیں۔ ملتے ملاتے دعوتیں کھاتے اور ایک دوسرے کی بیعت بھی کرتے نظر آتے ہیں چنانچہ حسب ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

"حافظ عبدالرحمن صاحب دہلوی کے بڑے بھائی بالکل غیر مقلد تھے مگر مولانا

نانوتوی کی خدمت میں حاضر باش تھے۔ حافظ عبدالرحمٰن بھی کسی قدر غیر مقلدی کی طرف مائل اور مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے (حکایات اولیا ص ۱۳۲)

مولوی اسمٰعیل کے ایک لڑکے مولوی محمد عمر صاحب تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے۔

"ایک بار جامع مسجد دہلی میں اکبر خاں غیر مقلدی کا بانی وعظ کر رہا تھا۔ جمعہ کے بعد حضرت مولانا محمد عمر حیات اس کے پاس وعظ سننے کو تشریف لے چلے لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ غیر مقلد ہے۔ آپ نے فرمایا پھر کیا ہوا قرآن و حدیث رسول ہی تو بیان کرتا ہے (حکایات اولیا ص ۱۹۰)

مولوی اشرف علی صاحب اپنا واقعہ لکھتے ہیں۔

"ایک غیر مقلد بہت ڈرتے ڈرتے بغرض بیعت میرے پاس آئے کیونکہ ان کے رفقائے سفر نے ان کو ڈرا دیا تھا کہ تم جب وہاں جاؤ گے نکال دیئے جاؤ گے۔ میں نے اس شرط کو منظور کر کے بیعت کر لیا اور یہ کہہ دیا کہ کسی سے بھی خواہ وہ مقلد ہو یا غیر مقلد نہ جھگڑنا مت۔ (حکایات اولیا ص ۳۵۲)

یعنی تم ڈرتے ڈرتے کیوں آئے یہاں کوئی غیر تو نہیں۔ آؤ تمہیں ادھر جاؤ مقلد ہو یا کوئی غیر مقلد کسی سے مت الجھو۔

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

آخر حکایت میں درج ہے۔ کہ جب مولوی اسمٰعیل سے کہا گیا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو اس سے فتنہ ہوگا۔ تو انہوں نے ایک حدیث پڑھ کر جواب دینا چاہا۔ جس پر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا۔

"میاں ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہوگیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا"

یہ ہے مولانا اسماعیل کی سند حدیث جو انہیں شاہ عبدالقادر صاحب سے ملی۔ مولوی اسماعیل صاحب کے معتقدین اس سند کو لکھوا کر چوکھٹے میں مڑھا کر بطور تبرک اپنے اپنے گھروں میں لگا دیں۔

مقام غور ہے۔ کہ جو شخص ایک حدیث کا معنی بھی نہ سمجھے وہ قرآن کیا سمجھے گا؟ پھر جس کی سمجھ کا یہ عالم ہو۔ اس نے تقویۃ الایمان میں قرآن و حدیث کے ساتھ کیا کیا ظلم نہ کیا ہو گا۔ اور مسلمانوں پر کیا کیا ستم نہ توڑے ہوں گے ؎

کچھ تماشا ہے کھیل ہے کیا ہے
اک زمانے کو قتل کر بیٹھے

حکایت ۲۲ مولوی اسمٰعیل صاحب کا تکبر

حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ آپ بڑے عالم ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میرا علم تو کچھ بھی نہیں۔ ان صاحب نے کہا۔ کہ یہ آپ کی تواضع ہے۔ کہ جو آپ اپنے علم کو کچھ نہیں سمجھتے۔ مولانا نے فرمایا کہ نہیں میں نے تواضع کی یہ بات نہیں کہی بلکہ میں نے تو بہت بڑے تکبر کی بات کہی کیونکہ یہ بات کہ میرا علم تو کچھ بھی نہیں۔ وہ شخص کہہ سکتا ہے۔ جس کا علم بہت ہی زیادہ ہو کیونکہ اس کی نظر علم کے درجہ علیا تک ہو گی اس کو دیکھ کر وہ ایسی بات کہے گا۔ (قصص الاکابر از افاضات حکیم الامت مولانا اشرف علی صہ ۲۲)

سبق

تواضع بندے کے لائق ہے۔ اور تکبر صرف خدا ہی کے لیے ہے۔ خدا کے تعالیٰ تواضع سے پاک و منزہ ہے۔ اور بندہ تکبر نہیں کر سکتا۔ متکبر صفت اللہ کی ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

"اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ (پ ۲۸ ع ۶)

بادشاہ نہایت پاک سلامتی دینے والا امان بخشنے والا حفاظت فرمانے والا۔ عزت والا عظمت والا تکبر والا"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ کِبْرٍ۔

جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲۵)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

"لَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَذْهَبُ بِنَفْسِہٖ حَتّٰی یُکْتَبَ فِی الْجَبَّارِیْنَ فَیُصِیْبُہٗ مَا اَصَابَھُمْ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲۵)

یعنی آدمی اپنے آپ کو جب بہت اونچا لے جائے تو وہ سرکشوں میں لکھا جاتا ہے۔ پھر اسے وہی کچھ ملتا ہے جو سرکشوں کو ملتا ہے۔"

اس حدیث کی شرح میں محدثین نے لکھا ہے۔

"اے یَذْھَبُھَا عَنْ مَکَانِھَا اِلَی الْمَرْتَبَۃِ عُلْیَا (حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ مذکور)

یعنی اپنے آپ کو درجہ علیا تک لے جائے"۔

حکایت میں بھی یہی لفظ موجود ہے۔ دیکھئے۔ سیمیے عبارت یہ ہے۔

"میں نے تو بہت بڑے تکبر کی بات کہی کیونکہ یہ بات کہ میرا علم تو کچھ بھی نہیں وہ شخص کہہ سکتا ہے جس کا علم بہت ہی زیادہ ہو کیونکہ اس کی نظر علم کے درجہ علیا تک ہوگی"۔

مولوی صاحب اپنے علم کو "بہت ہی زیادہ" کہہ رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہ میری نظر علم کے درجہ علیا تک ہے۔ اور اسی بات کو حدیث میں تکبر و سرکشی فرمایا گیا ہے

مولوی صاحب کا اپنے علم کو "بہت ہی زیادہ" کہنا سامنے رکھیئے اور تقویۃ الایمان میں ان کا یہ لکھا بھی پڑھئے۔

"کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو۔ اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو۔ سو ان میں بھی اختصار ہی کرو۔ (تقویۃ الایمان ص۶۳)

یعنی اپنے آپ کو تو اتنا اٹھایا اور بڑھایا کہ اپنی نظر کو علم کے درجہ علیا تک پہنچا دیا۔ اور جب انبیاء و اولیاء کی باری آئی تو ارشاد ہوتا ہے۔

"زبان سنبھال کر بولو۔ اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو سو ان میں بھی اختصار ہی کرو"۔

گویا بزرگوں کے لئے زبان سنبھالو۔ اور اپنے لیے زبان کو بے لگام کر دو۔

ہم بجا طور پر یہ بھی پوچھ سکتے ہیں۔ کہ مولوی صاحب نے جو یہ کہا کہ

"میں نے تو بہت بڑے تکبر کی بات کہی"

کیا سچ کہا یا جھوٹ؟ اگر سچ کہا۔ تو متکبر کے لیے جو وعید آئی ہے اس کے مستحق۔ اور اگر جھوٹ کہا۔ تو جھوٹے کے لئے جو وعید ہے اس سے بچنا مشکل ہے

غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ

حکایت نمبر ۲۳

سلام کا جواب

ایک شہزادہ لکھنؤ میں آیا۔ اور اس نے زمین دوز سلام کیا۔ آپ (مولانا اسمٰعیل) نے اس کو انگوٹھا دکھا دیا اس نے اشرفیاں پیش کیں۔ انہوں نے منہ چڑا دیا وہ خفا ہو کر چلا گیا۔ فرمایا کہ یہ کہتا تھا۔ میری قسمت پھوٹ گئی۔ میں نے کہا میرے سے مٹکنے سے۔ اور منہ اس واسطے چڑایا۔ تاکہ بد اعتقاد ہو کر بھاگ جائے۔ (تھانوی صاحب کے ملفوظات ہشت اختر صـ۳۱)

سبق

خدا تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (پ ۲۴ ع ۱۹)

اے سننے والے! برائی کو بھلائی سے ٹال۔ جبھی وہ کہ تم میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست۔

یعنی دشمن بھی آئے۔ تو اس کی برائی کا جواب اس طرح بھلائی سے دو۔ کہ وہ تمہارا گہرا دوست بن جائے۔ مگر مولوی اسمٰعیل کے پاس ایک بیچارا دوست بھی آیا۔ اور اپنی دوستی کا مظاہرہ سلام اور نذرانہ کی صورت میں کیا۔ تو اس کا جواب ایسی بُری شکل میں دیا گیا۔ کہ وہ بد اعتقاد ہو کر بھاگ گیا۔ خدا تو فرماتا ہے کہ اپنے حسنِ سلوک سے دشمن کو بھی دوست بناؤ۔

اور مولوی اسمٰعیل کی سیرت یہ بتاتی ہے۔ کہ اپنا ٹھینگا دکھا کر اور منہ چڑا کر دوست کو بھی دشمن بنائے۔ اس پر طرہ یہ کہ کہا یوں جاتا ہے کہ "مولانا شہیدؒ نے قرآن و حدیث کی تعلیم کو پھیلایا ہے اور شرک و بدعت کو مٹایا ہے۔ ہمیں بتایا جائے۔ کہ یہ ٹھینگا دکھانا اور منہ چڑانا کون سی آیت یا حدیث سے ثابت ہے؟

ذرا تصور کیجئے۔ مولوی صاحب کے حضور حسن عقیدت سے ایک شہزادے کا آنا اس کا سلام کرنا، اشرفیوں کا نذرانہ پیش کرنا۔ اور مولوی صاحب کا اس کے جواب میں ٹھینگا اٹھانا۔ اور منہ چڑانا ذرا سوچئے کہ ایسی مجلس کو کیسی مجلس کہا جائے؟ یہ تو ایسا معلوم ہوگا۔ جیسے ابقول شاہ عبدالعزیز کسی شوخ و شریر کی مجلس میں آگئے ہیں۔ جو کسی کو ٹھینگا دکھا رہا ہے اور کسی کا منہ چڑا رہا ہے۔

شہزادہ بھی کیا کہتا ہوگا۔ کہ میں کہاں آگیا ہے

داغ اس بزم میں مہمان کہاں جاتا ہے
تیرا اللہ نگہبان کہاں جاتا ہے

یہاں اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ کے بچپن کا ایک واقعہ سن لیجئے۔ کا شانہ اقدس میں ایک مولوی صاحب بچوں کو پڑھایا کرتے تھے اعلیٰحضرت بھی ان سے کلام اللہ شریف پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز مولوی صاحب بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے آکر سلام کیا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ جیتے رہو۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے عرض کیا یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہیئے۔ مولوی صاحب سن کر بہت خوش ہوئے۔ اور بہت دعائیں دیں۔

(حیات اعلیٰحضرت)

دیکھا آپ نے؟ سلام کا جواب شرعی طریق پر نہ دیا گیا۔ تو اعلیٰحضرت نے مولوی صاحب سے کس اچھے اور پیارے انداز سے عرض کیا کہ سلام کا شرعی جواب تو یہ ہے۔ تو مولوی صاحب اس پر خوش ہوئے۔ اور دعائیں دیں۔

مولوی اسمٰعیل کو بھی یہی چاہیے تھا۔ کہ اگر شہزادہ کا سلام ان کی نظر میں غیر شرعی طریق پر تھا۔ تو اسے کسی اچھے انداز سے سمجھا دیتے۔ کہ سلام کا شرعی طریق یہ ہے۔ تا کہ اس کی اصلاح

ہو جاتی ۔ نہ یہ کہ ٹھینگا دکھا کر اور منہ چڑا کر اسے بھگا ہی دیتے ۔

داغ دشمن سے بھی جھک کر ملئے

کچھ عجب چیز خاکساری ہے

حکایت ۴۴ حاجیوں سے ہنسی مذاق

مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی۔ اس لیے وہ سید صاحب کے پاس نہ ٹھہرتے تھے بلکہ الگ ٹھہرا کرتے تھے۔ اور سید صاحب کے ساتھ مولوی عبدالحی صاحب ٹھہرتے تھے۔ جب سید صاحب کا قافلہ حج کو گیا ہے تو مولانا اسمٰعیل صاحب سید صاحب کے جہاز میں سوار نہیں ہوئے۔ بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوئے۔ مولوی وجیہ الدین صاحب یعنی مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے تایا مولوی عبدالحی صاحب کے بھی شاگرد تھے اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے بھی شاگرد تھے۔ ان کا بدن بھاری اور پیٹ بڑا تھا۔ رنگت کالی تھی ×× × یہ مولوی وجیہ الدین صاحب بھی مولانا کے ساتھ جہاز میں تھے۔ اور دونوں مل کر حجاج کے لیے آٹا پیسا کرتے تھے، آٹا پیستے ہوئے مولانا ان کو چھیڑا کرتے تھے۔ کبھی آٹا ان کے منہ پر مل دیتے تھے کبھی پیٹ پر۔ کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے۔ ان کے علاوہ مولانا اور حاجیوں سے بھی ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے۔ ×× × × × اس زمانہ میں بادی جہاز تھے۔ اور مسافروں کو فی کس روزانہ ایک بوتل پانی ملا کرتا تھا۔ اتفاق سے ہوا ناموافق ہو گئی۔ اور جہاز میں پانی کم ہو گیا، اس لئے جہاز والوں نے اعلان کیا کہ کل سے پانی آدھی بوتل ملے گا۔ دو دن تک آدھی بوتل پانی دیا۔ اس کے بعد جب پانی بالکل ختم ہو گیا۔ تو جہاز والوں نے کہہ دیا کہ اب پانی بالکل نہیں رہا ہے۔ اس لیے ہم پانی نہیں دے سکتے۔ سب لوگ نہایت پریشان ہوئے۔ اس جہاز میں علاوہ سید صاحب کے قافلہ والوں کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے اب ان لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہید) لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے۔ اسی کی شامت سے ہم پر یہ بلا آئی ہے۔ لہٰذا اس کو روکنا چاہیئے۔ اور دعائیں کرنا چاہئیں۔ اس کی اطلاع مولوی وجیہ الدین صاحب اور دوسرے

لوگوں کو ہوئی۔ مولوی وجیہ الدین معہ چند دیگر اشخاص کے ان لوگوں کے پاس پہنچے۔ اور ان کو مولانا شہید کی عظمت و شان سے آگاہ کیا اور کہا یہ شامت تمہاری اس گستاخی اور بدگمانی کی ہے کہ تم ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ تم کو چاہیئے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے معافی چاہو۔ اور ان سے دعا کی درخواست کرو۔ چنانچہ وہ سب لوگ آئے۔ اور سب نے مولانا سے دعا کی درخواست کی۔ مولانا نے فرمایا۔ تم سب لوگ دعا کرو۔ میں بھی کروں گا۔ مگر میری دعا تو مٹھائی بغیر چپکتی نہیں۔ اس پر ایک شخص نے وعدہ کیا۔ کہ سب جہاز کے لوگوں کو سقطی حلوہ کھلاؤں گا اس کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی۔ مگر اتنا یاد ہے کہ کئی کس پاؤ بھر سے زیادہ تھا۔ اس پر آپ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر دعا کی۔ جس کا اثر اسی وقت ظاہر ہوا اور ایک چشمہ شیریں پانی کا جو لمبائی چوڑائی میں دو بڑی چارپائیوں کے برابر ہوگا دوڑتا ہوا آگیا۔ اور جہاز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ مولانا نے اس کو دیکھ کر فرمایا۔ اس پانی کو تو دیکھو کیسا ہے۔ لوگوں نے چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لئے اور جہاز والوں نے بھی اپنے ظروف خوب بھر لیے۔ جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہو گیا۔ اور اس کے بعد لوگوں نے ہوا کی موافقت کے لیے دعا کی درخواست کی۔ پھر آپ نے وہی فرمایا۔ کہ سب دعا کریں میں بھی شریک ہو جاؤں گا۔ مگر میری دعا بغیر مٹھائی کے نہیں چپکتی۔ اس پر کسی رئیس نے کچھ وعدہ کیا۔ جو مجھے یاد نہیں رہا۔ اس پر آپ نے سب لوگوں کے ساتھ مل کر موافقت ہوا کی دعا کی اور ہوا موافق ہو گئی۔ جہاز کا لنگر کھول دیا گیا۔ اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدہ پہنچتا تھا اس سے نصف دنوں میں ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا۔ (حکایات اولیاء ص ۹۹ تا ۱۰۲)

سبق

حج کا سفر ایسا مقدس، پاکیزہ اور ایمان افروز ہوتا ہے کہ عازمین حرمین شریفین جہاز میں ہر وقت خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار نظر آتے ہیں کوئی تلاوت کر رہا ہوتا ہے۔ کوئی درود شریف پڑھ رہا ہوتا ہے۔ کہیں مجلس ذکر قائم ہوتی ہے۔ اور کہیں محفل میلاد۔ سب ایک ہی دھن میں ہوتے ہیں۔ کہ ہم کعبہ شریف اور روضہ انور کی زیارت سے مشرف ہونے والے ہیں۔ کچھ ایسا کیف و سرور پیدا ہو جاتا ہے کہ دنیا کی باتیں کرتے ہی نہیں۔ مگر مولانا شہید"

مولانا صاحب کی "عظمت وشان" دیکھئے کہ حج کے لیے جاتے ہوئے جہاز میں چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق شروع فرما دیتے ہیں اور اس شغل میں مسلسل مشغول رہتے ہیں۔

"مولانا" کی جو "عظمت وشان" بیان کی جاتی ہے۔ اس کے پیش نظر چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ "مولانا" جہاز میں درس قرآن شروع فرماتے۔ حجاج کو مسائل حج سناتے۔ اللہ ورسول کی بارگاہ میں حاضری کے آداب سکھاتے۔ اور جس ذوق وشوق سے حجاج اپنے اپنے گھروں سے نکلے تھے اس کے مطابق انہیں اپنے فیوض وبرکات سے مستفید کرتے۔ مگر ہوا یہ کہ "مولانا" کبھی کسی کے منہ پر ہاتھ مل رہے ہیں کبھی پیٹ پر۔ اور کبھی اسے چھیڑ رہے ہیں کبھی اسے۔ نہ صرف اپنے ساتھی مولانا وجیہ الدین صاحب ہی کو تنگ کر رہے ہیں بلکہ کسی کو بھی معاف نہیں فرماتے اور سارے حاجیوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ

اے ایمان والو! نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں سے۔ دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں۔ (پ ٢٦ ع ١٣)

اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ" (مشکوٰۃ شریف ص ٤٠٩)

"نہ اپنے بھائی سے جھگڑا اور نہ اسے اذیت دینے والی بات کہہ"

مولوی تھانوی صاحب بھی اپنے ایک ملفوظ میں کہتے ہیں۔

"وہ ہنسی مذاق جو سبب اذیت ہو تمسخر ہے جو منہی عنہ بالنص ہے۔ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (ملفوظات ہفت اختر ص ١١)

خدا تعالیٰ نے صاف فرمایا۔ کہ مرد مردوں پر نہ ہنسیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اپنے بھائی سے کوئی ایسی بات نہ کہہ جس سے اسے اذیت ہو۔ اور تھانوی صاحب نے بھی یہی کہا۔ مگر۔ اوپر کی حکایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ "مولانا" اسمٰعیل دوسروں سے ایسی ہنسی مذاق

کرتے رہے اور ایسی باتیں کرتے رہے جن سے انہیں سخت ایذا پہنچی۔ اسی لیے جب جہاز میں ہوا ناموافق ہوئی پانی ختم ہو گیا اور خطرہ پیدا ہو گیا۔ تو حجاج نے یہ کہا کہ

"یہ شخص (مولانا شہید) لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے اس کی شامت سے ہم پر یہ بلا آئی ہے۔ لہٰذا اس کو روکنا چاہیے۔"

اگر انہیں اذیت نہ پہنچی ہوتی تو وہ یہ بات کیوں کہتے۔ کہ "اس کی شامت سے یہ بلا آئی ہے۔" اور "اس کو روکنا چاہیے۔" حکایت میں یہ بھی ہے کہ کبھی "آٹا منہ پر ملتے کبھی پیٹ پر اور کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے۔" اب خدا جانے یا وہ حجاج جانیں کہ "یہ" اور مذاق کس طور کا مذاق تھا۔ بہر حال اتنا تو واضح ہے۔ کہ "مولانا" کا یہ مذاق ایسا تھا جسے حجاج نے جہاز میں خطرہ پیدا ہو جانے کا باعث سمجھا۔

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ سفر حج میں ایک عام آدمی بھی اپنے ملنے والوں سے اپنی زیادتیوں اور غلطیوں کی معافی طلب کر کے چلتا ہے۔ اور اپنی تمام کوتاہیوں اور لغزشوں سے اجتناب کر کے بڑی احتیاط اور سنجیدگی کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوتا ہے مگر "مولانا شہید" اس سفر میں جہاز کے ساتھیوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرتے ہیں۔ کہ ناچار انہیں کہنا پڑا کہ "اس کو روکنا چاہیے۔" اس مبارک سفر میں جب کہ ایک عام آدمی بھی محتاط اور سنجیدہ ہو جاتا ہے۔ مولانا کی احتیاط کا اس مبارک سفر میں بھی یہ عالم ہے۔ کہ کبھی کسی کے منہ پر آٹا مل رہے ہیں۔ کبھی پیٹ پر۔ اور کبھی اسے چھیڑ رہے ہیں کبھی اُسے۔ تو اس مبارک سفر میں بھی جن کی احتیاط کا یہ عالم ہے۔ وہ اس سفر پر روانگی سے پہلے اپنے مقام پر خدا جانے کیا کیا گل کھلاتے ہوں گے؟ علاوہ ازیں جہاز میں بیگانوں کے ساتھ مولانا کی بے تکلفی کا یہ عالم ہے۔ تو اپنے یہاں اپنوں کے ساتھ خدا جانے یہ بے تکلفی کس حد تک جا پہنچتی ہو گی۔

خوش طبعی اور خوش مزاجی اچھی چیز ہے۔ اس سے احباب خوش ہوتے ہیں۔ مگر ایسی ہنسی مذاق جو دوسروں کے لیے اذیت کا باعث بن جائے تمسخر ہے۔ جو شرعاً ممنوع ہے۔ ابتدا ئے حکایت میں درج ہے۔ کہ "مولانا اسمٰعیل کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی۔ اس لیے وہ سید صاحب کے پاس نہ ٹھہرتے تھے۔ بلکہ الگ ٹھہرا کرتے تھے۔ اور یہ کہ جب سید صاحب کا قافلہ حج

رگیا ہے تو مولانا اسمٰعیل سید صاحب کے جہاز میں سوار نہیں ہوئے۔ بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوئے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب بھی مولانا کی اس عادت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ مولانا کی یہ ہنسی مذاق کی عادت خوش طبعی کی حد تک نہیں بلکہ ان حدود کو پھاند کر وہ تمسخر کے دائرہ میں جا پہنچے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سید صاحب بھی انہیں دور ہی رکھنا چاہتے تھے اور یہ بھی ان سے الگ ہی ٹھہرا کرتے تھے۔ اس وجہ کی نشاندہی خود حکایت میں موجود ہے کہ مولانا اسمٰعیل کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی اس لئے وہ سید صاحب کے پاس نہ ٹھہرتے تھے۔ گویا سید صاحب کو ان کی عادت پسند نہ تھی اور یہ اپنی عادت سے مجبور تھے۔ اس لیے کہ

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

مولانا شہید کی ہنسی مذاق کا رنگ مولانا وجیہ الدین سے ان کی ہنسی مذاق میں نظر آتا ہے۔ مولانا وجیہ الدین کے متعلق حکایت میں بتایا گیا ہے کہ ان کا بدن بھاری، پیٹ بڑا اور رنگت کالی تھی۔ مولانا شہید ان کے منہ پر آٹا مل دیتے تھے۔ غالباً اس لیے کہ کالی رنگت پر سفید آٹا خوب چمکے اور مولانا وجیہ الدین مزید وجیہ نظر آئیں۔

باوجود اس کے وجیہ الدین صاحب کی از حد عقیدت دیکھئے کہ جہاز میں خطرہ پیدا ہو جانے کے بعد حجاج نے مولانا اسمٰعیل صاحب کی ہنسی مذاق کو اس بلا کا باعث سمجھا۔ مگر وجیہ الدین ان سے جا کر یہ کہتے ہیں کہ

"یہ شامت تمہاری اس گستاخی و بدگمانی کی ہے"

حالانکہ یہ بات اس صورت میں درست ہوتی جب کہ حجاج یہ خطرہ پیدا ہونے سے پہلے مولوی اسمٰعیل صاحب کے متعلق کوئی گستاخی کی بات کرتے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان بیچاروں نے تو خطرہ سر پر منڈلاتے دیکھ کر اس کی وجہ یہ سمجھی اور کہا کہ "مولوی اسمٰعیل کے باعث یہ بلا آئی ہے۔ اس کو رد کرنا چاہیئے۔"

اس حکایت میں دراصل مولوی اسمٰعیل صاحب کی دعا کا اثر دکھانا مقصود ہے۔ چنانچہ لکھا گیا ہے۔ کہ اس خطرے کے عالم میں سب لوگ مولانا کے پاس آ گئے۔ اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ اور مولانا نے فرمایا کہ

میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چلتی نہیں

اس پر ایک شخص نے جہاز کے سب لوگوں کو فی کس پاؤ بھر سے زیادہ سقطی حلوہ کھلانے کا وعدہ کیا تب۔ جاکر مولانا نے دعا کی تو اسی وقت ایک چشمہ شیریں پانی کا دوڑتا ہوا آ گیا۔

اس موقعہ پر مولوی اشرف علی تھانوی کے وعظ کے دو اقتباس پڑھ لیجئے۔ تھانوی صاحب محفل میلاد کے خلاف وعظ کہتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ ذکر رسول ہونا چاہیئے۔ مگر اس کے لیے اس کی ضرورت نہیں کہ اس کے لئے مجالس منعقد کی جائیں اور مٹھائی منگوائی جائے تب ذکر ہو" (وعظ السرور صلے) کسی صحابی نے مٹھائی منگوائی ہو تو بتلاؤ" (ذکر الرسول صلا ۱۳)

دیکھئے ذکر رسول کے لیے اگر مٹھائی منگوائی جائے تو تھانوی صاحب کو یہ بات پسند نہ آئے اور یوں کہیں "کسی صحابی نے مٹھائی منگوائی ہو تو بتلاؤ" اور یہ کیا کہ مٹھائی آجائے تو ذکر ہو۔ اور مولوی اسمٰعیل اگر دعا کے لیے یہ شرط عائد کر دیں کہ "میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چلتی نہیں" تو یہ ان کی عظمت وشان کی دلیل بن جائے۔ اور تھانوی صاحب کو یہاں صحابہ یاد نہ آئیں کہ "کسی صحابی نے دعا کے لیے مٹھائی منگوائی ہو تو بتلاؤ"۔ اور یہ کیا کہ مٹھائی آجائے تب دعا ہو"۔ دوسری مرتبہ بھی جب ہوا موافق ہو جانے کے لیے دعا کی درخواست کی گئی۔ تو مولوی اسمٰعیل صاحب نے پھر بھی یہی کہا کہ "میری دعا بغیر مٹھائی کے نہیں چلتی" گویا مولوی صاحب کا دستور ہی یہ تھا۔ کہ مٹھائی لاؤ گے تو دعا ہو گی۔

افسوس محفل میلاد کی مٹھائی کا نام ہی سن کر تلخی میں آجانے والے سقطی حلوہ کھا کر بھی شیریں زبان نہ بن سکے۔ اے میلاد شریف کی مٹھائی کا تنکا دیکھنے والو اپنی آنکھ کا سقطی حلوہ کا شہتیر بھی دیکھیے۔

پوچھنے والے درد پنہاں کے
اپنے چہرے کا رنگ بھی دیکھا

حکایت میں ظاہر یہ کیا گیا ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب کی دعا سے چشمہ شیریں دوڑتا ہوا آگیا۔ حالانکہ یہ اثر ان مظلوموں کی دعاؤں کا تھا جنہیں ہنسی مذاق کا نشانہ بنا کر تنگ کیا گیا تھا۔

چنانچہ دعا صرف مولوی اسمٰعیل ہی نے نہیں کی بلکہ ان سے یوں کہا کہ "دعا تم بھی کر دیں بھی کر دوں گا میری دعا تو مٹھائی بغیر چپکتی نہیں"۔ گویا خلوص کے ساتھ تو تمہاری دعائیں ہوں گی جو مٹھائی کے بغیر در اجابت تک جا پہنچیں گی میری دعا تو مٹھائی کے بغیر وہاں چپک ہی نہ سکے گی چنانچہ انہوں نے دعا کی اور حدیث میں آتا ہے کہ مظلوم کی دعا خدا قبول فرما لیتا ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۸)

اس لیے حدیث کے مطابق ان کی دعا قبول فرمالی گئی۔ مولوی اسمٰعیل نے دانائی سے کام لیا کہ اپنی دعا کو ان کی دعاؤں کے ساتھ ملا دیا۔ اور ان کا پردہ رہ گیا۔ ورنہ اپنی ہی بھڑکائی ہوئی آگ کا بجھانا مشکل تھا۔ اگر مولوی اسمٰعیل صاحب صرف آپ ہی دعا کرتے۔ تو کچھ بعید نہ تھا کہ نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ یہ تو مظلوموں کی مظلومیت ان کے کام آ گئی۔ ورنہ خدا جانے کیا ہو جاتا۔

ہمارے کام آخر آ گیا جوشِ جنوں ورنہ
خرد کی رہبری میں ہم خدا جانے کہاں جاتے

حکایت ۲۵
قضائے وعظ

مولانا نانوتوی وعظ نہ کہتے تھے۔ اگر کوئی بہت ہی اصرار کرتا تو وعظ کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے اصرار کیا۔ تو فرمایا۔ وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں۔ اور نہ ہمارا وعظ کچھ موثر ہو سکتا ہے وعظ کا کام تھا مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کا اور انہی کا وعظ موثر بھی تھا۔ دیکھو اگر کسی کو پاخانہ یا پیشاب کی حاجت ہو۔ تو اس کے قلب میں اس وقت تک بے چینی رہتی ہے۔ جب تک وہ اس سے فراغت حاصل نہ کر لے۔ اور اگر وہ کسی سے باتوں میں مشغول ہوتا ہے۔ یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے۔ تو اس وقت بھی اس کے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے۔ اور طبیعت اس کی اسی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پا کر قضائے حاجت کے لیے جاؤں۔ سو واعظ کی اہلیت وعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لیے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اگر اتنا بھی نہ ہو۔ تو واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اس کا وعظ موثر ہو سکتا ہے۔ ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا بھی نہیں جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اس لیے

ہم وعظ کے اہل ہیں اور نہ ہمارا وعظ موثر ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ تھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور پر موجود تھا۔ اور جب تک وہ ہدایت نہ کر لیتے تھے ان کو چین نہ آتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے۔ (حکایاتِ اولیاء ص۲۵۱ حکایت نمبر ۲۱۴)

سبق

دیوبندی علماء کی ایک عادت یہ بھی ہے۔ کہ اچھی چیزوں کی تشبیہ بری چیزوں سے دے دیتے ہیں اس طرح اچھی چیز کی تنقیص و توہین ہو جاتی ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کے وعظ پڑھیے تو جابجا بیہودہ اور فحش لطیفے سنا سنا کر مافی الضمیر کی وضاحت کرتے ہوئے نظر آئیں گے

چنانچہ ان کا سوانح نگار ان کے وعظ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے

"لطیفوں بلکہ بیہودہ بیہودہ اور فحش حکایتوں سے بھی وہ نتائج اور نصائح مستنبط فرما لیتے ہیں کہ سبحان اللہ!" (اشرف السوانح ص۱۱۱)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ۔

مومن نہیں ہوتا طعن کرنے والا۔ لعن کرنے والا۔ اور فحش بکنے والا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۳)

مگر تھانوی صاحب کا سوانح نگار ان کی فحش فحش حکایتوں پر کہہ رہا ہے سبحان اللہ!

انہی تھانوی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کی بہائم و مجانین کے علم سے تشبیہ دے دی (حفظ الایمان ص۸) اور اس حکایت میں جناب مولوی نانوتوی صاحب نے تقاضائے وعظ کی تشبیہ تقاضائے پاخانہ و پیشاب سے دیکر اپنے عقیدت مندوں کے دماغ معطر کر دیئے ہیں اس تعبیر پر ہم خود کوئی تبصرہ نہیں کرتے۔ بلکہ جناب مولوی اشرف علی صاحب کے ایک وعظ کی ایک حکایت یہاں درج کر دیتے ہیں جو نانوتوی صاحب کی اس حکایت پر بہترین تبصرہ ہے۔ تھانوی صاحب فرماتے ہیں۔

"ایک بادشاہ نے سنا کہ دکھن کی عورتیں بڑی بدتمیز ہوتی ہیں۔ چار عورتیں چار سمت کی جمع کیں۔ ان میں ایک دکھن کی تھی۔ صبح کے بالکل اول وقت میں بادشاہ نے سب سے پوچھا۔ کہ کیا وقت ہے۔ چاروں نے کہا کہ صبح ہو گئی۔ بادشاہ نے

ہر ایک سے پوچھا کیسے معلوم ہوا۔ ایک نے کہا کہ صبح کے وقت نسیم چلتی ہے۔ اس کی ٹھنڈک سے میری ناک کے نتھنے ٹھنڈے ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ صبح ہو گئی۔ دوسری نے کہا کہ صبح کے وقت شمع کی روشنی میں تغیر آ جاتا ہے اس وقت شمع کی روشنی متغیر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صبح ہو گئی۔ تیسری نے کہا کہ صبح کے وقت منہ کے پان کا مزہ بدل جاتا ہے۔ اس وقت میرے منہ کے پان کا مزہ بدل گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ صبح ہو گئی۔ دکھن کی عورت سے پوچھا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ کہ صبح ہو گئی۔ تو آپ کہتی ہیں۔ گوہ آیا ہے اس سے معلوم ہوا۔ کہ صبح ہو گئی۔ واقعی وہ تینوں بڑی لطیف المزاج تھیں اور یہ نہایت کثیف المزاج تھی۔ کہ استدلال بھی کیا تو گوہ سے۔"

(وعظ چہارم ہفت اختر ص ۲۸)

جناب مولوی نانوتوی صاحب کی حکایت میں بھی دکھن کی جھلک پائی جاتی ہے۔ تقاضا کے وعظ کے سمجھانے کے لیے کئی دوسرے تقاضے بھی بیان کیے جا سکتے تھے۔ مثلاً یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ

"دیکھو نماز کا وقت ہو جائے۔ تو نمازی کے قلب میں اس وقت تک بے چینی رہتی ہے۔ جب تک وہ نماز کا فرض ادا کر کے فراغت حاصل نہ کر لے۔ واعظ کی اہلیت وعظ کے لیے بھی تقاضائے ہدایت ہونا ضروری ہے۔ جیسے نماز کا۔"

مگر نانوتوی صاحب نے یہ بات دکھنی رنگ میں یوں سمجھائی۔

"دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اس وقت تک بے چینی رہتی ہے جب تک کہ وہ ان سے فراغت حاصل نہ کرے۔"

"سو واعظ کی اہلیت وعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لیے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیے جتنا کہ پاخانہ و پیشاب کا۔"

اس تقاضا کا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور پر موجود ہونا بتایا گیا ہے۔

معلوم ہوا۔ کہ ان کا تقاضا ہے وعظ رد کا جا سکنے والا نہ تھا۔ وہ کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے تھے۔ مگر اس بات سے تشویش پیدا ہوئی۔ کہ

"وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے"۔

باعثِ تشویش یہ امر ہے۔ کہ تندرست آدمی کو ایک بار جب پاخانہ و پیشاب کی حاجت ہو۔ تو پھر اسے چوبیس گھنٹہ کے بعد حاجت ہوتی ہے یا دو مرتبہ کہہ لیجیے۔ اور اگر کسی کو ایک ایک دن میں بیس بیس مرتبہ حاجت ہونے لگے۔ تو یقیناً وہ اسہال کا مریض ہوگا یا ذیابیطس کا۔

بقول مولوی نانوتوی صاحب اگر تقاضائے ہدایت کو کم از کم تقاضائے پاخانہ پیشاب جتنا ہوتا مان لیا جائے۔ تو پھر یہ بات بھی ماننی ہوگی۔ کہ ایسے تقاضا کے ساتھ جو وعظ بھی منہ سے نکلے گا۔ اس سے اپنے ایمانی بدن و لباس کو بچانا ہی پڑے گا۔

کہتے ہیں اہلِ ہوش جسے افسانہ آپ کا
ہنستا ہے دیکھ دیکھ کے دیوانہ آپ کا

حکایت ۲۶
انگریزوں میں

انہیں دنوں جب شہرہ حضرت (سید احمد بریلوی) اور حضرت کے خلفاء کے وعظ و نصیحت کا کلکتہ میں ہو رہا تھا۔ انگریزوں کو بھی حضرت کے کلمات نصیحت آمیز سننے کا شوق ہوا۔ بمعرفت حاجی جیون بخش صاحب نام ایک مشہور سوداگر کے آپ کی خدمت بابرکت میں درخواست بھیجی کہ ایک روز تکلیف فرما کر ہم مشتاقوں کو بھی کلمات ہدایت آمیز سے سرفرازی بخشیے۔ حضرت نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید کو ان کے پاس بھیج دیا۔ اس دن قریب دس ہزار کے میم اور صاحب لوگ آپ کا وعظ سننے کو جمع ہوئے۔ مولوی صاحب کے ساتھ فقط ایک دو رفیق اور حاجی جیون بخش صاحب سوداگر تھے۔ مولانا نے سورہ مریم کا بیان شروع کیا اور اس زور شور اور فصاحت و بلاغت سے یہ بیان ہوا۔ کہ دس ہزار سامعین کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ رومال سے آنسوؤں کو پونچھتے پونچھتے رومال تر ہو گئے تھے۔ بعد اختتام وعظ کے انگریزوں نے بہت سی اشرفیاں بطور انعام کے آپ کو

دینی چاہیں۔ مگر مولانا نے قبول نہیں فرمائیں۔ اور کہا کہ ہم لوگ محض خدا کے واسطے بیان کرتے ہیں اور اس کا عوض کسی سے نہیں لیتے۔ (سوانح احمدی صفحہ ۷۲-۷۳)

سبق

دیوبندی علماء کو اپنے مواعظ کی تاثیر پر بڑا ناز ہے۔ وہ اپنے مواعظ کی تاثیر کا بڑا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ جو صرف پروپیگنڈا ہی ہوتا ہے۔ حقیقت سے اسے تعلق ہو یا نہ ہو۔ پروپیگنڈا کی ایک لازمی جز مبالغہ آرائی ہے۔ جو ان کے پروپیگنڈا میں سو فیصد پائی جاتی ہے۔

جہاں ان کے کسی واعظ نے وعظ کہا۔ چند ہی منٹوں میں سامعین پر کچھ ایسا اثر ہو گیا کہ وہ لوٹ پوٹ ہو گئے۔ افراتفری مچ گئی رونا دھونا شروع ہو گیا تھوڑے ہی وقت میں بڑے بڑے سیاہ کار واعظ کے قدموں میں آگرے اور تائب ہو گئے۔ بدعقیدوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیا اور مان گئے۔ کہ یہ مولوی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس قسم کے واقعات انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔ چنانچہ اشرف السوانح کا باب مواعظ حسنہ ہی پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ کہ مولوی اشرف علی صاحب کے مواعظ کی تاثیر کے کیا کیا عجیب قصے سنائے گئے ہیں۔ ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔

> "حضرت والا کے وعظ میں ایک صاحب پر اس قدر شدید کیفیت وجد طاری ہوئی کہ وہ کسی طرح فرو ہی نہ ہوتی۔ یہاں تک کہ وعظ کا مجمع ہی بالکل درہم برہم ہو گیا۔ اور وعظ ناتمام ہی رہا کیوں کہ وہ وجد میں لوگوں پر کودنے پھاندنے لگے تھے۔ اس سے لوگوں کو چوٹیں لگنے لگیں اس لیے سب گھبرا کر منتشر ہو گئے۔
>
> ایک صاحب جلسہ موتمر الانصار مراد آباد کے وعظ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جب وعظ کہہ کر حضرت تخت سے نیچے اترے۔ تو قدموں پر گر کر لوٹنے لگے اور یہ بھی ہوش نہ رہا کہ اژدھام میں کچل جاؤں گا۔"
>
> (اشرف السوانح صفحہ ۱۱۱-۱۱۲)

تھانوی صاحب کے ایک اور وعظ کا اثر اس طرح دکھایا گیا ہے۔ کہ جونپور کے ایک بہت بڑے عالم و فاضل نے اٹھ کر اعلان کیا۔ کہ

"صاحبو! آپ سب جانتے ہیں کہ میں مولود یہ ہوں قیامیہ ہوں لیکن حق بات وہی ہے جو مولانا نے فرمائی ہے" (مجالس حکیم الامتہ ص ۱۹۸)

اس طرح زاد قصے میں مولودیہ قیامیہ کے لفظ لاتے وقت غالباً انہیں اپنے پیر و مرشد جناب حاجی امداد اللہ صاحب کا مولودیہ قیامیہ ہونا یاد نہیں رہا اور حکایت ۲۳ ایک رنڈی کے مکان پر مولوی اسمٰعیل صاحب کے وعظ سے جو حشر برپا ہوا۔ وہ آپ پڑھ ہی چکے کہ اس رنڈی کے مکان میں جتنی رنڈیاں اور ان کے گماشتے تھے۔ وعظ کا ان پر

"یہ اثر ہوا کہ سب لوگ چیخ کر رونے لگے اور کہرام مچ گیا اور انہوں نے ڈھولک ستار وغیرہ توڑنے شروع کر دیے"

یہ تو تھا قصہ مولوی صاحب کے اس وعظ کا جو آپ نے ایک رنڈی کے مکان میں فرمایا۔ اب سنیے حضرت کے اس وعظ کا جو آپ نے کلکتہ میں پورے دس ہزار میم اور صاحب لوگوں میں کیا۔ یہ مولوی صاحب کا اپنا تصرف ہے یا حکایت نگار کی جنبشِ قلم کی کرامت۔ کہ کلکتہ میں اس وقت حاکم قوم کے جتنے افراد تھے کیا مرد اور کیا عورتیں سبھی کشاں کشاں مولوی صاحب کا وعظ سننے کے لیے جمع ہو گئے۔ ایسے کہ اپنے گرجا میں بھی کبھی اس طرح جمع نہ ہوئے ہوں گے اور مولوی صاحب کے وعظ سے ایسے متاثر ہوئے کہ اپنے پیر پادری کے لیکچر سے بھی اتنے متاثر نہ ہوئے ہوں گے۔ گویا مولوی صاحب نے ان کے پوپ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ سوال یہ ہے۔ کہ مولوی صاحب خالص ہندوستانی۔ اور سامعین سارے انگلینڈ کے۔ مولوی صاحب نے وعظ اردو زبان میں کیا۔ یا انگریزی میں؟ اردو میں کیا تو بتایا جائے۔ کہ ان دس ہزار میم اور صاحب لوگوں نے اردو کب سیکھی پڑھی کہ مولوی صاحب کی فصاحت و بلاغت کو بھی سمجھ گئے۔ اور رو رو کر ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اور اگر وعظ انگریزی میں ہوا۔ تو مولوی صاحب نے انگریزی کب اور کس کالج سے پڑھی سیکھی؟

مولوی اشرف علی صاحب نے سید احمد صاحب کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ کہ پشاور کے کچھ علماء جمع ہو کر سید صاحب کے علم کا امتحان لینے آئے۔ اور

"مختلف سوالات شروع کئے۔ اگر دینیات کے متعلق کوئی سوال کرتے تو

سید صاحب داہنی طرف رخ کرکے جواب دے دیتے تھے۔ اور جو خبر دینیات کا ہوتا معقول کا۔ تو بائیں طرف رخ کرکے جواب دے دیتے تھے۔ اور جواب بھی کیسا اہل علم کے طرز پر۔ مریدین کو سخت حیرت ہوئی کہ سید صاحب کی زبان سے وہ الفاظ نکل رہے ہیں۔ کہ کبھی عمر بھر نہ سنے تھے۔ جب وہ مجلس ختم ہوئی۔ تو بعض لوگوں نے پوچھا۔ فرمایا۔ کہ جب یہ لوگ آئے تو میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ مجھ کو رسوا نہ کیجئے۔ حق تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ اور شیخ بو علی کی روح کو حکم دیا۔ کہ جواب میں اعانت کرو۔ چنانچہ امام صاحب کی روح میرے داہنی طرف تھی اور شیخ کی بائیں طرف جو وہ کہتے تھے کہہ دیتا تھا (قصص الاکابر ص۲۷)

سید صاحب کے اس واقعہ میں بزرگانِ دین کا بعد از وصال امداد و اعانت کے لیے پہنچ جانے کا اعتراف ہے۔ سید صاحب کی فضیلت و کرامت ثابت کرنے کی دھن میں مولوی اشرف علی صاحب تقویۃ الایمان میں لکھے ہوئے اپنے اس عقیدے کو بھول گئے۔ کہ "مشکل میں دستگیری کرنی برے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے۔ اور کسی انبیاء و اولیاء کی پیر و شہید کی بھوت و پری کی یہ شان نہیں (تقویۃ الایمان ص)

اس بات سے قطع نظر یہاں ہمارا مقصد یہ ہے۔ کہ انگریزوں کے دس ہزار کے مجمع میں سید صاحب کے فرستادہ و خلیفہ دوم مولوی اسمٰعیل صاحب کی بھی اس آڑے وقت میں اگر کسی غیبی طاقت نے اعانت کی ہوتی تو حکایت نگار نے اس کی یہاں بھی نشاندہی کی ہوتی۔ اور لکھا ہوتا۔ کہ انگریزوں کے دس ہزار کے مجمع میں مولوی اسمٰعیل صاحب کی داہنی طرف شکسپیر کی روح آکھڑی ہوئی۔ اور بائیں طرف وہ فرشتہ آکھڑا ہوا جو مرزا قادیانی کے پاس انگریزی الہام لے کر آیا کرتا تھا۔ اور مولوی صاحب اپنے دائیں بائیں رُخ کرکے اپنی زبان سے انگریزی کے وہ الفاظ نکالنے لگے۔ جو کبھی عمر بھر نہ سنے تھے مگر یہ بات حکایت میں کہیں نہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ وعظ کس زبان میں ہوا۔ اور دس ہزار انگریزوں پر کس زبان سے اتنا اثر ہوا۔ کہ رو رو کر ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ اور دس ہزار رومال تر ہو گئے۔

یہ رونے والے انگریز دس ہزار تھے۔ ظاہر ہے کہ ان سب کی آنکھیں بیس ہزار تھیں (بشرطیکہ ان میں کوئی کانا انگریز نہیں تھا) ان بیس ہزار آنکھوں سے جو آنسو بہنے لگے۔ انہیں پونچھتے پونچھتے دس ہزار رومال تر ہو گئے۔ خدانخواستہ اگر مولوی صاحب اپنا وعظ لمبا کر دیتے۔ تو بہت ممکن تھا کہ وہاں گنگا جمنا بہنے لگتی اور نہ صرف رومال ہی بلکہ ان سب کے کوٹ اور پتلونیں بھی تر ہو جاتیں اور مولوی صاحب خود بھی تر بلکہ بتر ہو جاتے۔

آجکل کے شاعر بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے کہ ؎

رات کو اس قدر رویا ہوں میں ہجر یار میں
سو سمندر تو سوا سے لاکھ ندیاں بہہ گئیں

مولوی صاحب کے وعظ کی تاثیر کا یہ عالم دیکھ کر کہنا پڑتا ہے ؎

وعظ اسمٰعیل میں اس قدر ہم روتے رہے
سو سمندر تو سوا سے لاکھ ندیاں بہہ گئیں

حکایت میں مذکور ہے کہ ان دس ہزار انگریزوں نے یہ پیغام بھیجا تھا کہ

"ہم مشتاقوں کو بھی کلمات ہدایت آمیز سے سرفرازی بخشئے"

یعنی ایسا وعظ سنایئے جس سے ہمیں راہ ہدایت مل جائے۔ سوال یہ ہے کہ مولوی صاحب کے وعظ سے یہ اثر تو ہوا کہ سب رونے لگے۔ رو رو کر ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ کیا ان سب میں سے کوئی راہ ہدایت پر بھی آیا۔ اور کسی نے بھی کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کیا؟ اس بات کا حکایت میں کوئی ذکر نہیں۔ پھر صرف رلا دینا کیا کمال ہے۔ یہ کام تو رافضیوں کے ذاکر بھی کر لیتے ہیں۔ مولوی صاحب سے یہ کام تو ہو نہ سکا۔ ہاں اس کے برعکس آپ نے اپنے تقویۃ الایمانی وعظ میں کروڑوں کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں کو مشرک ضرور بنا ڈالا۔

کہتے ہیں ایک شخص نے کسی گستاخ واعظ سے یہ بات سنی کہ ابن آدم ہونے کی حیثیت سے انبیاء و اولیاء سب ہمارے بھائی ہیں۔ جو بڑا ہے وہ بڑا بھائی ہے اور ہم چھوٹے بھائی اس نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ نے اپنا نام مومن بھی فرمایا ہے۔

اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ (پ ۲۸ ع ۶)

اور میں بھی مومن ہوں - اور حدیث میں آتا ہے اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ - مومن مومن کا بھائی ہے - (مشکوٰۃ ص۴۱۶) لہذا میں بھی اللہ کا بھائی ہوں (معاذ اللہ) ہاں وہ بڑا ہے - اور میں چھوٹا - اسی بلبے دین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ میں خدا کا چھوٹا بھائی ہوں - ایک کانا آدمی اس کے پاس آیا - اور کہا تم خدا کے چھوٹے بھائی ہو میری یہ کانی آنکھ درست کر دو - بولا کانی آنکھ کو درست کرنا بڑے بھائی کا کام ہے - اور درست آنکھ کو بھی کانی کر دینا میرا کام ہے -

اسی طرح نوے لاکھ مشرکوں کو کلمہ پڑھا دینا یہ خواجہ اجمیری علیہ الرحمۃ کا کام تھا اور کروڑوں کلمہ گو مسلمانوں کو مشرک بنا دینا یہ مولوی اسمٰعیل صاحب کا کام ہے -

ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ انگریز حاکم تھے ان میں کس بات نے یہ جذبہ پیدا کر دیا - کہ سارے سب کے سب بیوی بچوں سمیت بڑی عقیدت و محبت اور بڑے اشتیاق کے ساتھ مولوی صاحب کا وعظ سننے کے لیے جمع ہو گئے - بات دراصل یہ ہے - کہ انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جمانا چاہتا تھا - مگر اسے مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے بڑا ڈر تھا - اور اُسے یہی خطرہ لاحق رہتا تھا - کہ مسلمان میرے خلاف اٹھ کھڑے نہ ہوں -

سید صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب نے انگریزوں کے پاؤں مضبوط کرنے کے لیے مسلمانوں میں جا بجا انگریزوں کی حمایت میں تقریریں کیں - اور مسلمانوں کو انگریزوں سے جہاد کرنے سے روکا - چنانچہ سوانح احمدی میں ہے -

"اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسمٰعیل شہید وعظ فرما رہے تھے - ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پہ جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو و ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے"

(سوانح احمدی ص۵۷)

اسی طرح سید صاحب نے بھی مسلمانوں کو انگریزوں سے جہاد کرنے سے روکا ہے - سوانح احمدی میں اس امر کے شواہد موجود ہیں -

یہ ہے وہ کردار جس کا انگریز کے دل میں بڑا احترام تھا اور انگریز نے مولوی صاحب کو اپنے دام میں مزید پھنسانے کے لیے یہ چال چلی۔ کہ سید صاحب جب کلکتہ پہنچے تو کلکتہ کے سارے انگریزوں کو حکم دے دیا۔ کہ تم سب کے سب سید صاحب سے وعظ سننے کا اشتیاق ظاہر کرو جب وہ یا ان کا کوئی خلیفہ آجائے۔ تو اپنے بیوی بچوں سمیت ان کا وعظ سننے جاؤ۔ اور اپنے متاثر ہونے کا بھی کردار ادا کرو رونا پڑے تو رو کر دکھاؤ۔ اشرفیاں بھی پیش کرو۔ تاکہ یہ مرغ اور بھی زیادہ تو دام آجائے۔ یہی ایک وجہ ہو سکتی ہے دس ہزار انگریزوں کے ایک دم جمع ہو جانے کی۔

مولوی صاحب کو جو اشرفیاں پیش کی گئیں۔ انعام کہہ کر پیش کی گئیں۔ اور انعام ہوتا ہی کسی بہت بڑے احسان پر ہے اور مولوی صاحب کا اس سے بڑا احسان انگریزوں پر اور کیا ہوتا۔ کہ انہوں نے مسلمانوں کو انگریزوں سے جہاد سے باز رکھا۔

مولوی صاحب نے ان اشرفیوں کو یہ کہہ کر قبول نہیں کیا کہ ہم لوگ محض خدا کے واسطے بیان کرتے ہیں اس کا عوض کسی سے نہیں لیتے۔ ؎

دوستی اور کسی غرض کے لیے
وہ تجارت ہے دوستی ہی نہیں

حکایت ۲۷

شیعوں میں

ایک دولتمند شیعہ نے جو اس وقت دہلی کا تحصیلدار تھا مولانا شہید کو بلا کر آپ کا وعظ اپنی قوم میں کرایا تھا۔ قریب تین چار سو شیعوں کے اس وقت آپ کے وعظ میں حاضر تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بیان تھا۔ جب وعظ گرم ہوا۔ تو ہر ایک شیعہ بیہوش ہو گیا۔ بعد اختتام وعظ کے انہوں نے کچھ نذرانہ مولانا صاحب کو دینا چاہا۔ مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ (سوانح احمدی ص ۱۹۰)

سبق

وعظ میں اپنے سامعین کو رلا دینے کا کمال دیوبندی علماء کو اپنے اکابر سے ورثہ میں ملا ہے۔ چنانچہ

سوانح احمدی میں سید احمد صاحب کے وعظ کی تاثیر کا یہ عالم لکھا گیا ہے:

"آپ کی زبان سے صرف یہ کلمہ سن کر کہ "اللہ سے ڈرو" روتے روتے کلیجہ منہ کو آجاتا تھا" (سوانح احمدی ص ۹۵)

سید صاحب جب لکھنؤ پہنچے۔ تو لکھنؤ کے دو بڑے فاضل مولوی سید صاحب کے پاس پہنچے اور کہا۔ کہ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ پر کچھ بیان فرمایئے۔ آپ نے ایسی وضاحت سے بیان فرمایا کہ

"ان دونوں مولویوں کی روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں (ص ۲۰۸)

مولوی اسمٰعیل کے وعظ کی تاثیر ملاحظہ ہو:

"اس وقت بھی پچاسوں آدمی آپ کا وعظ سننے والے دہلی میں موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ جب آپ کا وعظ گرم ہوتا تھا تو سامعین میں نالہ و زاری سے شور ہو جاتا تھا اور روتے روتے ہچکیاں بندھ کر بیخود ہو جاتے تھے" (ص ۱۹۰)

سید صاحب کے ایک دوسرے خلیفہ مولوی سید محمد علی صاحب سے متعلق لکھا ہے۔ کہ ایک شخص نے سنا کہ

"مولوی سید محمد علی صاحب مسجد والا جاہی میں شہادت امام حسین علیہ السلام کا بیان کر رہے ہیں۔ اور جملہ حاضرین دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہیں" (ص ۲۰۲)

ان کے ایک دوسرے وعظ کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

"جس کو سن کر بادشاہ اور زینت محل اور دیگر شاہزادگان حضار مجلس بہت متاثر ہوئے اور زار و زار رونے لگے" (ص ۲۲۲)

اسی سلسلہ کی کڑی مولوی اسمٰعیل صاحب کا یہ وعظ بھی ہے۔ جو آپ نے شیعوں کے اجتماع میں کیا۔ حکایت نمبر ۲۶ کے اس وعظ کی طرح جو آپ نے دس ہزار انگریزوں میں کیا تھا۔ یہ وعظ بھی گریہ خیز ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ تیز ہے۔ اس وعظ میں تو آپ نے آنسو گیس فائر کی تھی جس سے دس ہزار انگریزوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ مگر اس وعظ میں آپ نے تین چار سو شیعوں کو کلوروفارم سونگھا دیا ہے۔ کہ بچارے سب بیہوش ہو گئے۔

سوال یہ ہے۔ کہ مولوی صاحب نے شیعوں کی اس مجلس میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل و محامد بھی بیان کئے یا نہیں؟ نہیں کئے تو ساکت عن الحق ٹھہرے۔ جو ایک حق گو عالم کی شان نہیں۔ اور اگر کئے تو مولوی صاحب کی عظمتِ شان اس صورت میں ثابت ہو سکتی تھی۔ جب کہ اُن کے وعظ سے شیعوں کے دل صحابہ کرام کی طرف مائل ہو جاتے۔ اور وہ نقدی کی صورت میں نذرانہ پیش کرنے کی بجائے عظمتِ صحابہ کے اعتراف کا نذرانہ پیش کرتے۔ مگر اس بات کا حکایات میں کوئی ذکر نہیں۔ ذکر ہے تو اس بات کا کہ ہر ایک شیعہ روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ شیعوں کا بے ہوش ہو جانا ایسے انداز بیان کے باعث تھا۔ جو شیعہ ذاکروں کے انداز بیان سے ملتا جلتا ہو گا۔ حضرت امام پاک رضی اللہ عنہ کی شہادت اگر مجاہدانہ رنگ میں بیان کی جائے جس سے حضرت امام رضی اللہ عنہ کی ہمت و جرأت عزم و استقلال اور خوئے تسلیم و رضا ظاہر ہو تو سامعین کے دلوں میں جذبہ جہاد اور ولولہ شہادت پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر شیعوں کے انداز میں مرثیہ خوانی کا رنگ اختیار کر لیا جائے۔ تو وہی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ کہ

"جب آپ کا وعظ گرم ہوتا تھا تو سامعین میں نالہ و زاری سے شور ہو جاتا تھا اور روتے روتے ہچکیاں بندھ کر بیخود ہو جاتے تھے"

"مولوی سید محمد علی صاحب مسجد والا جاہی میں شہادت امام حسین کا بیان کر رہے ہیں۔ اور جملہ "حاضرین دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہیں"

"جب وعظ گرم ہوا۔ تو ہر ایک شیعہ بے ہوش ہو گیا"

فرمائیے ایک شیعہ ذاکر کے بیان اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے بیان میں فرق کیا رہ گیا؟ اُدھر مولوی سید محمد علی مسجد میں اپنے نالہ و زاری خیز بیان سے سنیوں کو رلا رلا کر بیخود بنا رہے ہیں۔ اور ادھر مولوی اسمٰعیل صاحب اپنا وعظ گرم کر کے شیعوں کو بے ہوش کر رہے ہیں۔ کیا اچھی خدمت اسلام ہو رہی ہے؟ کیا ایسے لوگ دشمنان صحابہ کی روش پر کوئی گرفت کر سکتے ہیں؟ ؎

ویرانیِ حیات کا شکوہ بھی کیا کریں
ہم نے کیا کیا جو کسی کا گلہ کریں

مولوی صاحب کے گرم وعظ سے تین چار سو شیعہ بے ہوش ہو گئے۔ اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو وعظ کی گرمی سب کے لیے ایک دم ناقابل برداشت ہو گئی۔ اور سب کے سب اکٹھے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس صورت میں مولوی صاحب کو اپنا گرم وعظ بھی وہیں روک دینا پڑا ہوگا کیونکہ کوئی سننے والا ہی نہ تھا سب بے ہوش پڑے تھے۔ یا پھر وعظ کی گرمی کا اثر بالتدریج ہوتا رہا۔ پہلے ایک گرا۔ پھر دوسرا۔ اور پھر تیسرا۔ اس صورت میں مولوی صاحب نے اپنے گرم وعظ کی چنگاریاں اس وقت تک جاری رکھی ہوں گی۔ جب تک ایک بھی شیعہ انہیں ہوش میں نظر آتا رہا۔ ان دونوں ہی صورتوں میں یہ بات ظاہر ہے کہ مولوی صاحب اپنا گرم وعظ ختم کرنے کے بعد شیعوں کے مجمع میں تشریف فرما رہے ہوں گے اور اس انتظار میں رہے ہوں گے کہ یہ لوگ ہوش میں آجائیں تاکہ نذرانہ پیش کرنے کا انہیں موقعہ مل سکے۔ اور میں نامنظور کرکے اپنے زہد کا مظاہرہ کر سکوں۔ خدا جانے آپ کو کتنی دیر انتظار کرنا پڑا۔ اور شیعوں کو کب ہوش آیا۔ اور ہوش آتے ہی انہوں نے آپ کو بے ہوش کرنے کا نذرانہ پیش کیا۔ اور آپ نے کمال فراخدلی سے ان کا نذرانہ واپس کر دیا۔ مولوی صاحب تو چلے آئے۔ مگر تین چار سو شیعہ یہ شعر پڑھتے رہ گئے۔

مرا پیام صبا میرے گل سے کہہ دینا
چلی گئی مجھے بے ہوش کر کے بو تیری

حکایت ۲۸

رنڈی کے مکان میں

مولوی محمد یعقوب صاحب کہتے ہیں ایک مرتبہ وہ (مولانا اسمٰعیل) عشاء کی نماز جامع مسجد میں پڑھ کر اس دروازے کو چل دیئے جو قلعہ کی جانب ہے۔ میں نے لپک کر ان کو پکڑا اور پوچھا کہ کہاں جاتے ہو۔ میں اس وقت تمہیں تنہا نہ جانے دوں گا اگر تم کہیں جاؤ گے میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں خاص ضرورت سے جا رہا ہوں۔ تم مجھے جانے دو۔ اور میرے ساتھ نہ آؤ میں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے۔ اور تنہا چل دیئے۔ میں بھی ذرا فاصلہ سے ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا خانم بازار میں ایک بڑی مالدار اور مشہور رنڈی کا مکان تھا۔ اور اس کا

نام موتی تھا۔ مولانا اس کے مکان پر پہنچے۔ اور آواز دی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا تم کون ہو اور کیا کام ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں فقیر ہوں۔ وہ لونڈی یہ سن کر چلی گئی۔ اور جا کر کہہ دیا۔ کہ ایک فقیر کھڑا ہے۔ رنڈی نے کچھ پیسے دیئے اور کہا کہ جا کر دے دے وہ لڑکی پیسے لے کر آئی۔ اور مولانا کو دینا چاہا مولانا نے کہا کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں۔ اور بغیر صدا کہے لینا میری عادت نہیں۔ تم بی بی سے کہو کہ میری صدا سن لے۔ اس نے جا کر کہہ دیا۔ رنڈی نے کہا اچھا بلا لے۔ وہ بلا کر لے گئی۔ مولانا جا کر صحن میں رومال بچھا کر بیٹھ گئے۔ اور آپ نے سورۃ والتین ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ تک تلاوت فرمائی۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور جا کر مولانا کے پیچھے کھڑا ہو گیا مولانا نے اس قدر بلیغ اور مؤثر تقریر فرمائی۔ کہ گویا جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرا دیا۔ اس رنڈی کے یہاں بہت سی رنڈیاں بھی تھیں اور ان کے علاوہ اور لوگ بھی تھے۔ ان پر اس کا یہ اثر ہوا۔ کہ سب لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ اور کہرام مچ گیا۔

اور انہوں نے ڈھولک ستار وغیرہ توڑنے شروع کئے۔ اور موتی اور اس کے علاوہ کئی رنڈیاں تائب ہو گئیں۔ اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب اٹھ کر چل دیئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چل دیا۔ جب مولانا جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہنچے۔ تو میں نے مولانا سے کہا کہ میاں اسمٰعیل تمہارے دادا ایسے تھے اور تمہارے چچا ایسے تھے اور تم ایسے خاندان کے ہو۔ جس کے سلامی بادشاہ رہے ہوں۔ مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کر لیا۔ اتنی ذلت ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر مولانا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف دیکھا۔ اور کھڑے ہو گئے۔ اور مجھ سے فرمایا۔ کہ مولانا! آپ نے یہ کیا فرمایا۔ آپ اسکو میری ذلت سمجھتے ہیں۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں تو اس روز سمجھوں گا کہ آج میری عزت ہوئی ہے۔ جس روز دلی کے شہدے میرا منہ کالا کر کے اور گدھے پر سوار کر کے مجھے چاندنی چوک میں کو نکالیں گے اور میں کہتا ہوں گا۔ قال اللہ کذا قال رسول اللہ کذا۔ (حکایات اولیا تالیف تھانوی صاحب ص ۸۹)

سبق

مولوی صاحب کی بھی کیا شان ہے کہ کبھی تو درخت کی سب سے اونچی ٹہنی پر چڑھ کر وعظ کہا کرتے تھے۔ اور آج اس قدر نیچے اتر آئے ہیں۔ کہ ایک رنڈی کے دروازہ

پر وعظ کہنے کو کھڑے ہیں۔ اندر داخل ہونے کی بھی کیا تدبیر نکالی ہے۔ فقیر بن کر کھڑے ہو گئے۔ لڑکی پیسے دینے آئی تو کہا فقیر اپنی صدا سنا کر پیسے لے گا۔ اس بہانے اندر داخل ہو گئے۔ زمین پر اپنا رومال بچھا کر بیٹھ گئے اور وعظ کہنا شروع کر دیا۔ حکایت میں اس امر کا ذکر نہیں کہ مولوی صاحب نے موتی کو دیکھا بھی یا اَنْ یَّغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ پر عمل کر کے اپنی آنکھیں جھکا کر وعظ کہا۔ ہمیں مولوی صاحب پر اعتماد ہے۔ انہوں نے ضرور اپنی آنکھیں غیر محرم موتی سے بند کر کے وعظ سنایا ہو گا۔ غالباً اسی بند کا یہ اثر ہوا کہ نہ صرف موتی بلکہ دیگر رنڈیوں اور ان کے ساتھیوں کے بند بند ڈھیلے پڑ گئے۔ برائی کے بند ٹوٹ گئے۔ اور مولوی صاحب کا وعظ ان کے بند دلوں میں داخل ہو گیا۔ اور مولوی صاحب نے ان سب کے اندر اپنے نفخ وعظ سے کچھ ایسی تخریب کاری کی روح پھونک دی کہ انہوں نے رونا چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ ڈھول ڈھاکے باجے واجے سب توڑ پھوڑ کر رکھ دیئے۔ اور ایسی افراتفری پیدا کر دی کہ ایک کہرام مچ گیا۔ گویا حشر بپا کر دیا۔ مولوی صاحب نے یہ حشر دیکھ کر غنیمت جانا اور جھٹ وہاں جنت و دوزخ کے مشاہدہ کا انتظام فرما لیا۔

یہ مولوی صاحب کے تصرف کا کمال تھا کہ عالم غیب کی چیزیں ایک رنڈی کے گھر لے آئے۔ یا جنت و دوزخ کو یہاں تو نہ لائے۔ رنڈی کی نظر میں اتنی وسعت و بلندی پیدا کر دی۔ کہ اس کی نظر سارے حجابات کو چیرتی ہوئی جنت و دوزخ تک جا پہنچی۔ بہر حال یہ کمال بیان کیا گیا ہے اس شخص کا جو ساری کائنات کے آقا حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یوں لکھتا ہے۔ کہ

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" (تقویۃ الایمان)

"سارا کاروبار اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" (تقویۃ الایمان)

مولوی صاحب نے جب چاہا کہ موتی اب رنڈی نہ رہے، تائب ہو جائے۔ تو اپنے اختیار سے اس کے مکان میں جا پہنچے جاتے ہوئے مولوی محمد یعقوب سے کہہ دیا کہ "میں خاص ضرورت سے جا رہا ہوں"۔ خاص ضرورت یہی تھی کہ آپ رنڈیوں کو تائب دیکھنا چاہتے

تھے چنانچہ آپ نے وہاں پہنچ کر اپنے اختیار و جاہت کا جو مظاہرہ فرمایا۔ آپ نے دیکھ لیا کہ کس طرح وہاں ایک مولوی ہی کو نہیں بلکہ دوسری رنڈیوں کو بھی گرہ بالپوری ملاہی کو تڑپا کر رکھ دیا۔ ان کے علاوہ اور لوگوں کو بھی تہ و بالا کر کے خود انہی کے ہاتھوں ڈھولک ستار وغیرہ کو تڑوا کر رکھ دیا۔ اور کس طرح آپ کے تصرف سے وہاں کہرام مچا۔ انصاف فرمائیے یہی شخص اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف کا انکار کرے۔ تو کیا یہ نہ کہا جائے گا؟ کہ

ارے ظالم تجھ کو تپ سقر تیرے دل میں کس سے بخار ہے

آخر حکایت میں مولوی اسمٰعیل صاحب نے قال اللہ و قال الرسول سے اپنی وابستگی کا جن لفظوں میں اعلان کیا ہے۔ آپ نے پڑھا۔ مگر ان لوگوں کی قال اللہ و قال الرسول سے دلچسپی کا حال یہ ہے کہ مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی اسمٰعیل صاحب کی مرضی کے خلاف ان کی ٹوہ لینے اور ان کی جاسوسی کرنے کے لیے ان کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ رنڈی کے مکان پر وہ پہنچے تو یہ بھی پیچھے پیچھے پہنچ گئے۔ مولوی صاحب کا اپنے آپ کو فقیر کہنا۔ لڑکی کے ہاتھ رنڈی کا پیسے بھیجنا مولوی صاحب کا ڈانٹ کر یہ پیغام پہنچانا کہ فقیر اپنی صدا سنا کر پیسے لیتا ہے رنڈی کا مولوی صاحب کو اندر بلا لینا۔ مولوی صاحب کا اندر جا کر دو سال بچھا کر وعظ کہنا۔ یہ رنڈی و مولوی صاحب کا آپس میں درمیانی لڑکی کے ذریعہ جو مکالمہ ہوا۔ اور پھر وعظ کہنے سے جو حشر برپا ہوا۔ یہ سب کچھ مولوی محمد یعقوب صاحب کی جاسوسی سے معلوم ہوا۔ ورنہ کون جانتا کہ وہاں کیا کیا باتیں ہوئیں۔ مولوی محمد یعقوب صاحب کا یہ کردار دیکھیے اور قال اللہ کو بھی سامنے رکھیے۔ خدا فرماتا ہے۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا (پ ۲۶ ع ۱۴)

(عیب نہ ڈھونڈو (یعنی جاسوسی نہ کرو)

اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا (مشکوۃ شریف ص ۴۱۹)

نہ کسی کی خبر معلوم کرنے کی کوشش کرو نہ جاسوسی کرو۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَلَا تَتَبَّعُوْا عَوْرَاتِهِمْ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲۱)

اور لوگوں کے عیب تلاش نہ کرو۔

مولوی محمد یعقوب صاحب نے "قال اللہ وقال الرسول" کے خلاف مولوی اسمٰعیل کی جاسوسی کی۔ ان کا عیب تلاش کیا۔ اور پھر ان سے ان لفظوں کے ساتھ خطاب کیا کہ

"میاں اسمٰعیل! تمہارے دادا ایسے تھے اور تمہارے چچا ایسے تھے اور تم ایسے خاندان کے ہو۔ جس کے سلامی بادشاہ رہے ہوں۔ مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کر لیا اتنی ذلت ٹھیک نہیں ہے"۔

گویا مولوی محمد یعقوب نے مولوی اسمٰعیل کا ایک ایسا عیب تلاش کر لیا جو ان کے لیے باعثِ ذلت تھا۔ مولوی محمد یعقوب کے قال اللہ وقال الرسول کے خلاف چلنے کا انہیں نقصان یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کا یہ باعثِ ذلت کام حکایات اولیا میں چھپ گیا۔ اور وہاں سے نقل ہو کر دیوبندی علماء کی حکایات میں درج ہو گیا۔ اور ایک دنیا کو پتا چل گیا۔ کہ مولوی اسمٰعیل صاحب خانم بازار بھی جایا کرتے تھے ؎

راز ان کے کھلے جاتے ہیں اک ایک سبھوں پر
اور اس پہ تماشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مولوی اسمٰعیل صاحب سے بھی یہی کوتاہی ہوئی۔ قال اللہ تو یہ ہے۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (پ۲ ع ۸)

اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے۔

اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ (مشکوٰۃ شریف ص۲۶۰)

عورتوں میں جانے سے پرہیز کرو

اور فرمایا:

لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ (مشکوٰۃ شریف ص۲۶۱)

ان عورتوں کے پاس مت جاؤ جن کے خاوند وہاں موجود نہ ہوں۔

یہ موتی اور دیگر رنڈیاں تو ایسی عورتیں تھیں جن کے خاوند سرے سے تھے ہی نہیں۔ جن کے پاس مولوی صاحب تشریف لے گئے۔ قال اللہ وقال الرسول کے خلاف چلنے کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ مولوی محمد یعقوب صاحب نے ڈانٹا اور کہا کہ میاں اسمٰعیل تمہارے دادا ایسے تھے تمہارے چچا ایسے تھے مگر تم اپنے آپ کو بہت ذلیل کر رہے ہو اتنی ذلت ٹھیک نہیں۔

ابتداء حکائت میں درج ہے۔ کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نماز عشاء پڑھ کر فوراً قلعہ کی جانب کے دروازے کو چل دیئے۔ اور اپنے پروگرام کے مطابق سیدھے خانم بازار گئے۔ اور موتی کے مکان پر جا پہنچے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے یہ سارا منصوبہ نماز پڑھتے ہوئے تیار کر لیا تھا۔ یہ شیطان بڑا ملعون ہے۔ نمازی کا خشوع وخضوع توڑنے کے لیے اُسے مختلف وسوسوں میں الجھا دیتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ شیطان نمازی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور کہتا ہے۔ اُذْکُرْ کَذَا اُذْکُرْ کَذَا فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر۔ (مشکوٰۃ شریف ص) اس حدیث کے مطابق شیطان ملعون نے مولوی صاحب کو نماز میں خانم بازار یاد کرا دیا ہوگا۔ اور موتی کو ان کے تصور میں لے آیا ہوگا۔ یہ کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو تصور وخیال تھا نہیں جس سے نماز ٹوٹ جاتی (معاذ اللہ) یہ تو موتی کا تصور وخیال تھا جس سے غالباً نماز خالص موتی بن گئی ہوگی۔ چنانچہ مولوی صاحب نے نماز ہی میں موتی کو سچا موتی بنا ڈالنے کا پروگرام بنا لیا اور نماز پڑھتے ہی اس پروگرام کے مطابق سیدھے خانم بازار چل دیئے۔ اور پروگرام کے مطابق تنہا جانے لگے۔ اسی لئے مولوی یعقوب صاحب کو اپنے ساتھ چلنے سے روک دیا۔ اور سختی سے منع کیا کہ میں خاص ضرورت سے جا رہا ہوں تم میرے ساتھ نہ آؤ مجھے جانے دو۔ چنانچہ آپ تنہا گئے۔ اور پیران کی اپنی فراست تھی کہ کسی رہبر کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔ کسی سے موتی کے مکان کا پتا نہیں پوچھا بغیر کسی رکاوٹ کے موتی کے مکان پر جا پہنچے ۔

کیا خبر بے خودیٔ شوق کہاں لے جاتی
خیریت ہے کہ ترا نقشِ قدم یاد رہا

مولوی محمد یعقوب صاحب کو بھی آسانی رہی کہ ان کے سامنے مولوی صاحب کے نقشِ قدم

رہے ان کی رہبری میں یہ بھی پہنچ گئے۔ وہاں جو کچھ ہوا۔ اس کا ذکر آپ پڑھ چکے۔ حکایت کے مطابق مولوی اسماعیل صاحب کا یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بلکہ کرامت ہے۔ کہ ایک ہی وعظ میں موتی سمیت ساری رنڈیوں کی ایسی کایا پلٹی۔ کہ وہ جنت و دوزخ کا مشاہدہ کر کے رونے چیخنے چلانے میں اپنے باجے واجے توڑ پھوڑ کر رکھ دیئے۔ اور ایک کہرام مچ گیا۔ مولوی صاحب کی اس کرامت پر تو مولوی محمد یعقوب صاحب کو خوش ہونا چاہیے تھا۔ کہ واہ ہمارے مولوی صاحب کا کیا تصرف و کمال ہے۔ کہ ایک ہی نشست میں رنڈیوں کی کایا پلٹ دی۔ جہنم سے بچا کر جنت کا وارث بنا دیا۔ انہیں تائب کر کے گناہوں سے یوں پاک صاف کر دیا جیسے وہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں۔ مگر برعکس اس کے مولوی محمد یعقوب صاحب نے واپسی پر مولوی اسمٰعیل سے یوں کہا۔

"میاں اسمٰعیل! تمہارے دادا ایسے نہ تھے اور تمہارے چچا ایسے نہ تھے اور تم ایسے خاندان کے ہو جس کے سلامی بادشاہ رہے ہوں۔ مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کر لیا۔ اتنی ذلت ٹھیک نہیں۔"

مولوی یعقوب صاحب کی اس ڈانٹ سے بات کچھ اور سمجھ میں آتی ہے۔ مولوی محمد یعقوب صاحب نے وہاں کچھ اور دیکھا ہے۔ اور حکایت میں لکھا کچھ اور گیا ہے۔ مولوی صاحب کا بے دھڑک ایک مشہور رنڈی کے سامنے جا بیٹھنا اور وعظ کہنا شروع کر دینا ممکن ہے ان آوارہ عورتوں کو پسند نہ آیا ہو۔ "تقویۃ الایمان" کی خاطر اٹھ کھڑی ہوئی ہوں ——— رنڈیوں کے ساتھی بھی ستار وغیرہ لے کر پہنچ گئے ہوں۔ اور تو تو میں میں شروع ہو گئی ہو۔ بات بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی ہو۔ ایسے جھگڑوں میں میز کرسیاں اور برتن بھی استعمال ہونے لگتے ہیں۔ وہاں ڈھولک اور باجوں واجوں سے یہ کام لینا شروع ہو گیا ہو۔ اور ان ہنگامی ہتھیاروں کی ٹوٹ پھوٹ شروع ہو گئی ہو۔ پھر اس ہنگامے میں مولوی محمد یعقوب صاحب کے کچھ طرف دار بھی وہاں آ نکلے ہوں۔ اور ایک کہرام مچ گیا ہو خدا نہ کرے ایسا ہوا ہو۔ مگر مولوی محمد یعقوب صاحب نے وہاں سے آ کر جن لفظوں سے مولوی اسماعیل صاحب کو تنبیہ کی ہے۔ اس سے کچھ ایسا ہی شک پڑتا ہے کہ

؎ تری محفل سے ہم آئے مگر باحالِ زار آئے
تماشا کامیاب آیا تمنا بے قرار آئی

مولوی محمد یعقوب صاحب نے جب یہ تنبیہ کی۔ تو مولوی اسمٰعیل صاحب نے "ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف دیکھا اور کھڑے ہو گئے۔ اور مجھ سے فرمایا۔ کہ مولانا! آپ نے یہ کیا فرمایا۔ آپ اس کو میری ذلت سمجھتے ہیں۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں تو اس روز سمجھوں گا کہ آج میری عزت ہوئی ہے۔ جس روز دلی کے شہر سے میرا منہ کالا کر کے اور گدھے پر سوار کر کے مجھے چاندنی چوک میں کو نکالیں گے اور میں کہتا ہوں گا۔ قال اللہ کذا قال الرسول کذا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھری"

؎ آہ! خیالِ فرقتِ دوست
دل بھی لے کل جی بھی اچاٹ

سوال یہ ہے۔ کہ مولوی صاحب تو ایک بہت بڑا دینی کارنامہ کر کے آرہے تھے۔ اس پر مولوی یعقوب صاحب نے بھی ٹوکا تو کیوں؟ اور مولوی صاحب نے بھی وہاں سے آکر ٹھنڈی سانس بھری تو کیوں؟ اور جس بات کو مولوی یعقوب صاحب نے ذلت سمجھا۔ اسی کا حوالہ دے کر مولوی اسمٰعیل صاحب مولوی یعقوب سے کہتے ہیں۔ آپ اس کو میری ذلت سمجھتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں۔ "یہ تو کچھ بھی نہیں" سے اشارہ مولوی صاحب کا کس بات کی طرف ہے؟ یقیناً اسی بات کی طرف جسے مولوی یعقوب صاحب دیکھ کر آئے ہیں۔ اور جس کی بنا پر انہوں نے مولوی اسماعیل صاحب کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ تم اپنے آپ کو بہت ذلیل کر رہے ہو۔ اتنی ذلت ٹھیک نہیں۔ ان سب باتوں سے یہی شک پڑتا ہے۔ کہ ہوا وہاں کچھ اور ہی ہے۔ جس کے باعث مولوی یعقوب صاحب تنبیہ بھی کر رہے ہیں۔ اور مولوی صاحب ٹھنڈی سانس بھی بھر رہے ہیں۔ مولوی یعقوب کے بقول مولوی اسمٰعیل صاحب رنڈی کے گھر جا کر ذلیل ہوئے۔ اور مولوی اسمٰعیل صاحب بھی مولوی یعقوب کے اس جملہ کو سامنے رکھ کر یوں کہتے ہیں۔ کہ آپ اس کو میری ذلت سمجھتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں میرا تو منہ بھی کالا کر کے

گدھے پر بٹھا کر پھرایا جائے ہیں تو اس روز اپنی عزت سمجھوں گا۔ اور قال اللہ وقال الرسول کہتا ہوں گا۔
گویا منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھانے کے مقابلہ میں جو کچھ رنڈی کے مکان میں ہوا وہ تو کچھ بھی نہیں۔

؎ سو بار ست کعبے میں پکڑے گئے ہیں ہم
رسوائی کے طریق سے کچھ نابلد نہیں

حکایت ۲۹ — مولانا اسمٰعیل کی ناک کا رینٹ

جب سید صاحب کا قافلہ جہاد کو جاتے ہوئے سہارن پور پہنچا۔ تو مولوی محمد حسن صاحب ان سے سہارن پور آ کر ملے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا۔ کہ اس کا خیال رکھا جاوے۔ کہ مولوی محمد حسن کسی صاحب کے مکان پر یا کسی دکان پر کھانا نہ کھائیں۔ میں ان کو اپنے ساتھ کھلاؤں گا۔ مولوی محمد حسن نہایت نازک مزاج اور نازک طبع تھے۔ جب کھانے کا وقت آیا۔ اور مولوی صاحب مولانا شہید کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے۔ تو ابھی نوالہ لینے ہی پائے تھے۔ کہ مولانا شہید نے زور سے ناک سنکی۔ مولوی صاحب کھانے سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور چلے گئے۔ مولانا شہید نے ان کے اٹھ جانے کی مطلق پروا نہ کی۔ اور اپنے خدام سے کہا۔ کہ اب اس کا زیادہ خیال رکھا جائے۔ کہ یہ کہیں کھانا نہ کھا سکیں۔ خدام نے ایسا ہی کیا۔ جب دوسرا وقت آیا۔ اور کھانا کھانے بیٹھے۔ تو مولانا نے پھر زور سے سنکا۔ مگر مولوی محمد حسن اس وقت نہ اٹھے۔ جب وہ نہ اٹھے تو مولانا نے رینٹ کو ان کے سامنے انگلیوں سے ملا۔ اس پر ان سے نہ رہا گیا۔ اور یہ کہہ کر کہ مولانا کیا کرتے ہو فوراً اٹھ کر چلے گئے۔ مولانا نے اپنے خدام کو پھر ہدایت کی۔ کہ دیکھو ان کو ہرگز کہیں کھانا نہ کھانے دینا۔ جب تیسرا وقت ہوا۔ تو پھر کھانا کھانے بیٹھے مولانا شہید نے پھر زور سے سنکا اور ہاتھ سے رینٹ کو ملتے ہوئے ان کے کھانے کی طرف کو لے گئے انہوں نے اپنا پیالہ مولانا کے سامنے کر دیا اور کہا اب تو اگر آپ اس میں ملا بھی دیں گے تب بھی کھا لوں گا۔ مولانا نے فرمایا۔ کہ بس اب علاج ہو گیا۔ خدام سے کہا کہ پانی لاؤ۔ اور پانی منگا کر ہاتھ دھو ڈالے۔ اس کے بعد فرمایا۔ یہ اس لیے کیا تھا۔ کہ تم جہاد کو جا رہے ہو۔ اور جہاد میں نازک مزاجی نہیں نبھ سکتی۔ (حکایات اولیا

تالیف "مولانا" اشرف علی تھانوی صاحب)

سبق

اس زکام آلود حکایت میں لطافت ہے یا کثافت، نظافت ہے یا غلاظت، رجحان ہے یا ہیجان؟ آپ خود ہی دیکھ لیں۔ "نازک مزاج" اور اس کا۔ ناک سے علاج۔ علاج کی قسموں میں ایک نئی قسم کا اضافہ۔ "مولانا شہید" قاطع بدعت تو تھے ہی قاطع نزاکت بھی نکلے۔ اور جس طرح انہوں نے مرض نزاکت کے لیے اپنا صدری نہیں بلکہ دماغی نسخہ استعمال فرمایا۔ یہ انہی کا حصہ ہے۔ ورنہ آج تک نہ کسی معالج کو "لعوق رینٹ" کا خیال آیا۔ اور نہ ہی کسی نے اسے اس اہتمام سے تیار کیا۔ کہ زور زور سے ناک سنک کر اس لعوق کو دماغی مرتبان سے نکال کر اپنی انگلیوں سے مل مل کر اس کی افادیت اس قدر بڑھائی۔ کہ تین مرتبہ صرف مریض کے سامنے ہی کر دینے سے مریض پکار اٹھا کہ میں اچھا ہو گیا۔ اور مولانا پکار اٹھے کہ بس اب علاج ہو گیا۔" مریض نے دانائی سے کام لیا۔ اور اپنی صحت کا اعلان کر دیا۔ ورنہ کچھ بعید نہ تھا۔ کہ "مولانا" صاحب اس لعوق خاص کی ایک خوراک اسے کھلا بھی دیتے۔

نفس کی اصلاح کے لئے صوفیاء کرام نے جو طریقہائے علاج تجویز کئے ہیں۔ مثلاً تصور شیخ۔ مراقبہ۔ ذکر جہر۔ ریاضت و مجاہدہ وغیرہ۔ اور روح کی غذا و جلا کے لیے۔ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ رکھنے کے لیے۔ اور اپنے زندہ نبی کے ذکر پاک سے دل زندہ رکھنے کے لیے اہل ایمان نے محافل میلاد کی صورت میں جو علاج تجویز کیا ہے۔ اسے "مولانا شہید" اور ان کے معتقدین یہ کہہ کر بدعت قرار دے دیتے ہیں۔ کہ یہ صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ثابت نہیں۔ مگر مولانا نے نزاکت شکنی کے لئے جو "لعوق رینٹ" کا جو نسخہ تیار فرمایا ہے۔ اور پھر اس کی جو ترکیب استعمال نکالی ہے۔ یہ طریقہ علاج کیا کسی دیوبندی بزرگ میں ہمت ہے۔ کہ وہ خیر القرون کا تو ذکر کرنا ہی بے ادبی ہے۔ خیر القرون کے بعد بھی کسی مسلمان کسی معالج کسی طبیب سے یہ ثابت کر سکے۔ کہ کسی نے بھی اس غلیظ انداز میں کسی مرض کا علاج کیا ہو؟ بقول شخصے

کچھ اگر حسن کا دعویٰ ہے تو باہر آ کر

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ۔

جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے"

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۰)

ہمارا سوال ہے کہ مولوی محمد حسن مولانا شہید کے مہمان تھے۔ تو مولانا شہید جو کھانا کھلاتے وقت اپنی ناک زور سے سنک کر اور رینٹ انگلیوں سے مل مل کر ان کے کھانے کی طرف لے جاتے رہے کیا یہ مہمان کی عزت افزائی تھی؟ اگر نہیں تو حدیث کے خلاف ہوا یا نہیں؟ اور اگر یہ عزت افزائی تھی۔ تو پھر مہمان "مولانا کیا کرتے ہو" کہہ کر اٹھ کر کیوں چلا جاتا رہا۔ اگر کہا جائے کہ یہ تو ایک مرض کا علاج تھا۔ تو سوال باقی کہ اس طریقِ علاج کا ثبوت پیش کیا جائے۔

جرمِ اظہارِ محبت ہو کہ تقصیرِ سکوت
مجرمِ عشق بہر حال ہے گردن زدنی

صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ان کے بعد ہمارے اسلاف مجاہدین جب میدانِ جہاد میں نکلتے۔ تو سپہ سالار غازیوں کے سامنے قرآن کی آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سناتے اور غازیانِ اسلام اپنے اللہ و رسول کے ارشادات پر اپنی ساری نازک مزاجیاں قربان کر کے خود بھی قربان ہو جانے کو تیار ہو جاتے۔ خدا نخواستہ اگر کسی لشکرِ اسلام کے سپہ سالار "مولانا شہید" ہوتے تو غالباً ان کا پروگرام کچھ اسی قسم کا ہوتا کہ مجاہدین کے سامنے کھانا رکھ کر کچھ زکام زدہ افراد کو اس خدمت پر مامور کر دیا جاتا۔ کہ تم لوگ اپنی اپنی ناک زور سے سنک سنک کر اپنے اپنے رینٹ اپنی اپنی انگلیوں سے مل مل کر ان مجاہدین کے کھانوں کے سامنے لیتے جاؤ۔ تاکہ ان کی نازک مزاجیوں کا علاج ہو جائے اور میدانِ جہاد میں ان کی نبھ سکے۔ خدا ایسے معالجین و مصلحین سے بچائے۔

پھولا ہی پھلا چھوڑ کر اٹھ جاؤں چمن کو
اللہ دکھائے مجھے عالم نہ خزاں کا

حکایت ۳۰

مقام الترک

مولانا شہید نے سید صاحب کی بہت خدمت اور بڑا مجاہدہ ریاضت نفس کشی کی تھی۔ حالانکہ بڑے طباع تیز شوخ ذہین ذکی تھے۔ ایک صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب سے ذکر شغل پوچھا کرتے تھے۔ مولانا نے ان سے فرمایا۔ تم نے شیخ شغال بیابانی کا ذکر بھی پوچھا ہے اس نے شاہ صاحب سے پوچھا۔ فرمایا۔ اسمٰعیل کی شوخی معلوم ہوتی ہے۔ شغال تو گیدڑ کو کہتے ہیں۔ ایک نیتیں بہت پوچھا کرتے تھے۔ ان سے کہا تمہیں بیت الخلاء جانے کی نیت معلوم ہے۔ میں بتاؤں۔

یا ایہا النفرک لوتا دھرک فی مقام الجھرک والترک۔

(مولانا اشرف علی تھانوی کے ملفوظات ہفت اختر ص ۳۰)

سبق

یہ ہے دیوبندی حضرات کے سب سے بڑے عالم و پیشوا، تقویۃ الایمان کے لکھنے والے "مولانا اسماعیل شہید" کی سیرت ان کی ریاضت و ذکاوت اور ان کی بیباکی و جرأت۔ کہ کس طرح شریعت و طریقت کا مذاق اڑایا ہے۔ ایک گیدڑ کو شیخ بنالیا۔ بیت الخلاء جانے کی نیت اپنے نفس سے گھڑلی۔ اور ایک عالم دین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ کو ستانے کا شغل جاری رکھا۔ اگر یہی ان کی نفس کشی تھی تو اس سے بہتر خودکشی تھی۔ تھانوی صاحب اسے "مولانا اسماعیل" کے ذہین و ذکی ہونے کی علامت لکھ رہے ہیں۔ مگر شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ اسے اسمٰعیل کی شوخی قرار دیتے ہیں۔ اور حکایت نمبر میں اسمٰعیل کی شرارت فرما چکے ہیں۔

بیت الخلاء جاتے ہوئے مسنون دعا تو یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

مگر شرک و بدعت کے برائے نام دشمن مولانا اسمٰعیل فرماتے ہیں۔ کہ وہ دعا یہ ہے۔

یا ایہا النفرک۔ لوتا دھرک۔ فی مقام الجھرک والترک

اب کیا فرماتے ہیں علماء دیوبند؟ کہ کیا آپ کے شہید نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ دعا کے مقابلہ میں ایک من گھڑت - بیہودہ - لغو - اور لچر عبارت لکھ کر انتہائی بیباکی و گستاخی کا ارتکاب نہیں کیا؟

دیوبندی حضرات کو مبارک بھی ہو - کہ "مولانا شہید" نے جہاں اور کئی بدعات کی گندگیاں صاف کیں - وہاں بیت الخلاء سے متعلق گندگی بھی صاف کر دی - بدعتی مولویوں نے بیت الخلاء میں جاتے ہوئے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" کا پڑھنا مشہور کر رکھا تھا - مگر "مولانا شہید" نے اس بدعت کا ازالہ کر دیا - اور بتا دیا - کہ بیت الخلاء جاتے ہوئے یہ پڑھنا چاہیے -

یَا اَیُّھَا الْمُبَارَکُ لَوْلَا وُجُوْدُکَ فِیْ مَقَامِ الْجُھُوْدِ وَالتَّرْکْ -

"مولانا شہید" کی یہ دعا ایسی زود اثر ہے - کہ دعا مانگتے ہی اجابت ہو جاتی ہے - بریلویوں کا خود ساختہ درود شریف -

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ -

تو بالکل بدعت ہے - اور اس کا کوئی ثبوت نہیں - مگر "مولانا شہید" کی بتائی ہوئی بیت الخلاء جانے کی نیت پر "براہین قاطعہ" موجود ہیں - اور "تقویۃ الایمان" و "حفظ الایمان" کے لیے اس نیت کا یاد کر لینا ہر موحد کے لیے بے حد ضروری ہے - فکر ہر کس بقدر ہمت اوست کے مطابق ان بریلویوں کو تو بس اپنے حلوے مانڈے ہی کی فکر رہی - ان بدعتیوں کا کبھی بیت الخلاء کی طرف خیال بھی نہیں گیا - یہ "مولانا شہید" ہی کا حصہ تھا کہ وہاں جانے کی نیت بتا دی -

یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے - کہ مولوی تھانوی صاحب نے اپنے مولانا شہید کی اس بیباکی و گستاخی کا ذکر کیا - تو "فرمایا" لکھ کر بیان کیا - گویا تھانوی صاحب کے اکابر گستاخی بھی کریں - تو ان کے لیے وہ بھی "فرمایا" ہی ہے - یعنی "فرمان" ہے - کہ تم بھی ایسے ہی کیا کرو -

اگر کوئی صاحب برأت کے لیے یوں کہیں کہ صاحب! یہ تو مولانا شہید کی دل لگی اور ہنسی مذاق تھا - تو ہم کہیں گے - کہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے -

لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ (پ۱۰ ع ۱۴)

اور اے محبوب! اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ۔ کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔

یہاں ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ مولانا شہید کی بتائی ہوئی یہ نیت ایک صاحب نے سنی۔ تو "مولانا شہید" کو مخاطب کر کے بولے:

یا ایّھا النفرکث۔ اللہ سے ڈریئے۔ شریعت سے مذاق نہ کریئے۔ ایک دانا [illegible]

آخر میں ایک گذارش اور بھی ہے۔ کہ مولانا شہید نے ہر بدعت کو مٹایا ہے۔ "بیت الخلاء" کا نام بھی بدعت ہے۔ جائز اور درست نام وہ ہے۔ جو مولانا کی بتائی ہوئی نیت میں وارد ہوا ہے۔ یعنی "مقام النفرکث"۔ لہٰذا مولانا کے جملہ متوسلین و معتقدین جہاں کہیں بیت الخلاء کا لفظ لکھا ہوا دیکھیں۔ مٹا دیں۔ اور وہاں لکھ دیں۔

"مقام النفرکث"

بھنور سے لڑو تند لہروں سے الجھو
کہاں تک چلو گے کنارے کنارے

حکایت ۳۱

ہم نے سُنا ہے کہ تم ....

ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے۔ اثنائے وعظ میں ایک شخص اٹھا۔ اور کہا۔ کہ مولوی صاحب ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو۔ آپ نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ کہ میاں تم نے غلط سنا ہے۔ میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ بڈھانہ پھلت اور خود دلی میں ہنوز موجود ہیں اور یہ فرما کر پھر وعظ شروع کر دیا۔

(حکایاتِ اولیاء ص۷۵ حکایت نمبر ۴۴)

سبق

"مولوی اشرف علی صاحب نے "حکایاتِ اولیاء" میں یہ حکایت درج کر کے عدم تو

کر دی۔ اگر کسی شخص نے ایسا کہا بھی تھا تو اسے کتاب میں شائع کرنے کی کیا ضرورت تھی" مولانا شہید کا تحمل دکھانا مقصود تھا۔ تو کسی دوسرے واقعہ سے یہ بات دکھائی جا سکتی تھی۔ خواہ مخواہ ایک ایسا واقعہ لکھ دیا۔ جو اپنوں بیگانوں سب نے پڑھا۔ اور سب کو پتا چل گیا۔ دلّی کے وعظ میں تو تھوڑے ہی لوگ ہوں گے۔ مگر مولوی صاحب کی کتاب تو ہزاروں بلکہ لاکھوں نے پڑھی ہوگی حتیٰ کہ ہم نے بھی پڑھ لی۔ یہ مولوی صاحب کی نادان دوستی ہے ؎

ادا شناس بھی تھے عرصۂ قیامت میں
سمجھ کے آپ کو رُخ سے نقاب اٹھانا تھا

بڑا چالاک و ہشیار تھا وہ شخص کہ اس کریہہ لفظ کو اپنی جانب سے نہیں کہتا۔ بلکہ "ہم نے سنا ہے" کہہ کر گویا یہ کہہ گیا۔ کہ یہ بات عام ہے۔ چشم بد دور مولوی اسمٰعیل کے وعظ کے سامعین بھی بڑے تحمل والے تھے۔ کہ ایک شخص بھرے مجمع میں مولوی صاحب کے حق میں ایسا اتنا برا لفظ کہتا ہے۔ مگر اسے کوئی روکنے والا نہ اٹھا۔ کوئی ہنگامہ نہ ہوا۔ اور مولوی صاحب کا اپنا تحمل تو واقعی قابلِ داد ہے۔ کہ دو لفظوں میں اپنی برئیت کا اعلان کر کے پھر وعظ کہنا شروع کر دیا۔ گویا کچھ ہوا ہی نہیں ؎

مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

ہمارے خیال میں وہ شخص کوئی سخت قسم کا جذباتی ہو گا۔ غالباً۔ مولوی اسماعیل شہید اپنے وعظ میں اپنی تقویۃ الایمان والا وعظ سنا رہے ہوں گے۔ اور فرما رہے ہوں گے۔

"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔"

(تقویۃ الایمان ص ۱۶)

"اللہ کے سوا کسی کو نہ مان۔" (ص ۱۶)

"اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیاء و اولیاء اس کے روبرو ایک ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔" (ص ۶۲)

"سارا کاروبار اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے۔۔۔ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" (ص ۶۶)

"جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار سو ان معنوں کر ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے" (ص ۲۲)

مولوی صاحب کے اس قسم کے "ارشاد" سن کر اس نے سوچا ہو گا۔ کہ خدا تعالیٰ نے تو قرآن پاک میں یوں فرماتا ہے۔

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (پ ۲۸ ع ۱۴)

اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے۔"

اور یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔" حالانکہ مخلوق میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء امت بھی شامل ہیں۔ خدا تو اپنے رسول اور جملہ مومنین کو معزز بیان فرمائے۔ اور یہ چمار سے بھی ذلیل کہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے تو قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

"آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (پ ۳ ع ۸)

مانا رسول نے جو کچھ اترا اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو اور رسولوں کو"

اور یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان۔" اس نے سوچا ہو گا۔ پھر مولانا کی یہ بات بھی ہم کیوں مانیں اور خدا تعالیٰ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق یوں فرما رہا ہے۔

"تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (پ ۳ ع ۱)

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا۔ اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند فرمایا۔"

اور یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ "سب انبیاء و اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔"

اور خدا تعالیٰ تو قرآن پاک میں یوں فرماتا ہے۔

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (پ ۳۰ ع ۱۸)

اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

(یعنی جتنا چاہو گے پاؤ گے)"

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا

(پ ۲ ع ۱)

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔ تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ (یعنی جو قبلہ تم چاہتے ہو وہی بنا دیا جائے گا)

اور یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا"

اور خدا تعالے تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یوں ارشاد فرما رہا ہے۔ کہ

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (پ ۲۶ ع ۱۳)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے۔ اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔"

اور یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ پیغمبر اپنی امت کا سردار ایسے ہے جیسے ہر قوم کا چودھری اور ہر گاؤں کا زمیندار۔ حالانکہ کسی چودھری اور زمیندار کی آواز سے آواز اونچی ہو جائے۔ یا کسی چودھری اور زمیندار کے سامنے چلا کر بات کی جائے تو عمل اکارت اور برباد نہیں ہوتے۔ اور کسی چودھری یا زمیندار کے انکار سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا۔ مگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور پیغمبر کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

مولوی صاحب کا اس قسم کا وعظ سن کر پھر اس شخص کے سامنے مولوی صاحب کا ہندوؤں کے میلوں میں جانا۔ کنکوے اڑانا۔ پیچ لڑانا اور شطرنج کھیلنا آ گیا ہو گا۔ پھر یہ بھی کہ مولوی صاحب

کہیں شاہ عبدالعزیز صاحب کے وعظ کی نقل اتارنے کے لیے درخت کی اونچی ٹہنی پر چڑھ رہے ہیں۔ کہیں شاہ صاحب کی نابینائی کا بھی لحاظ نہ کرتے ہوئے ان کے وعظ میں آکر سامعین کی جوتیاں جمع کر کے سقاوہ میں ڈال رہے ہیں۔ کہیں ایک معزز مہمان کے کھانے کے وقت اپنے ناک کا رینٹ انگلیوں میں مل مل کر اس کے سامنے کر رہے ہیں۔ اور کہیں کسی کو بیت الخلاء میں جانے کی نیت ان لفظوں میں بتا رہے ہیں۔ یَا اَیُّھَا النَّفْرَکُ وَنَا دَھَرَّکُ۔ تو لازماً اس کی زبان بے قابو ہو گئی ہو گی۔ اور اس سے یہ غیر مناسب لفظ نکل گیا ہو گا ؎

حسن کے راز نہاں شرح بیاں تک پہنچے
آنکھ سے دل میں گئے دل سے زباں تک پہنچے

حکایت ۳۲

جل مانس

جب مولانا اسمٰعیل اکل ضروری سپاہیانہ فنون کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ تو آپ نے تیرنا سیکھا۔ ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ تین تین دن تک دریا میں پڑے رہتے۔ اس زمانہ میں طلباء کو سبق بھی برابر دیا جاتا تھا۔ وقت معینہ پر جب طلبا جمع ہو جاتے تھے۔ تو کنارہ پر آکر سبق پڑھا دیا کرتے تھے۔ بعض روایتوں کے بموجب تین برس اور بعض اقوال کے بموجب چار برس کا مل مولانا پانی میں رہے ہیں۔ اس کثرت سے پانی میں رہنے سے آپ کو جل مانس کا لقب دلوا دیا تھا۔ (حیات طیبہ مرزا حیرت صہ ۹۱)

سبق

آج معلوم ہوا۔ کہ مولانا اسمٰعیل شہید بھی ہیں۔ اور "جل مانس" بھی۔ بن مانس تو سنتے چلے آئے تھے۔ بلکہ چڑیا گھر میں دیکھا بھی ہے۔ جس پنجرہ میں بن مانس بند ہے۔ باہر لکھا ہے۔ خطرناک ہے اس سے دور رہیں۔ مولانا کے معتقدین نے خدا جانے مولانا کا یہ لقب کیوں چھپا ڈالا ہے۔ اور کبھی آپ کے نام کے ساتھ اس لقب کا ذکر نہیں کیا۔ حکایت میں مذکور ہے۔ کہ "تین تین دن تک دریا میں پڑے رہتے تھے بعض روایتوں کے بموجب تین برس اور بعض اقوال کے بموجب چار برس کامل مولانا پانی میں رہے ہیں۔"

کابل چار برس متواتر پانی میں رہنے کے عرصہ میں مولانا غالباً احکام شرعیہ سے مستثنیٰ ہو گئے ہوں گے کیوں کہ دریائی مخلوق پر نماز روزہ فرض نہیں۔ غالباً اسی لیے حکایات میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ مولانا پانچ وقت کی نماز کہاں اور کیسے ادا کرتے رہے۔ صرف طلبہ کو کنارے پر آ کر سبق پڑھانے کا ذکر ہے طلبہ کو پڑھانے سے زیادہ اہم خود نماز پڑھنا ہے۔ اس لیے اس اہم امر کا ذکر ضروری تھا۔ مگر اس کا کوئی ذکر نہیں تین تین دن تک دریا میں پڑے رہتے تھے۔

نماز میں تو کھڑا بھی ہونا پڑتا ہے۔ اگر دن رات میں پانچ مرتبہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور چونکہ آپ حضرت سید احمد سے بیعت تھے اور وہ بیعت لیتے وقت ہر ایک مرید کو تہجد کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ (سوانح احمدی ص۱۵)

اس لیے چھٹی مرتبہ نماز تہجد میں بھی کھڑے ہوتے۔ اور وہ بھی ہر رکعت میں بار بار کھڑے ہوتے۔ پھر چار برس کے عرصہ میں رمضان کے چار مہینے بھی آئے ہوں گے۔ نماز تراویح کی ستر رکعات میں بھی بار بار کھڑے ہوتے۔ تو یوں نہ لکھا جاتا کہ

تین تین دن تک دریا میں پڑے رہتے

دریا میں رہنے والی مخلوق جہاں نماز روزہ سے مستثنیٰ ہے۔ وہاں ستر عورت سے بھی مستثنیٰ ہے خدا جانے مسلسل چار برس مولانا لباس سمیت دریا میں کس طرح رہے۔ چونکہ آپ نے تیرنا سیکھنے کے لیے دریا میں سکونت اختیار فرمائی تھی۔ اور تیرنے کے لیے انسانوں کا عام لباس اتارنا پڑتا ہے۔ اس لیے نماز روزہ کے ساتھ لباس بھی نہ رہا ہوگا۔ بن مانس کو جب بھی دیکھا جائے بغیر لباس کے نظر آئے گا۔ جل مانس کا بھی یہی حال ہو سکتا ہے۔

مولانا نے تقویۃ الایمان لکھی۔ تو وہابی کہلائے۔ چار برس کابل پانی میں رہے تو آبی کہلائے گویا آپ وہابی مولانا بھی ہیں اور آبی مولانا بھی۔ اور شرک و بدعت کا جو نجدی تیزاب آپ نے مسلمانوں پر پھینکا اس لحاظ سے تیزابی مولانا بھی۔

مسلسل چار برس پانی میں رہنے والے کے لیے خورد ونوش کا کیا انتظام تھا اور بول و براز کے لیے کیا اہتمام تھا۔ اس کا بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے دوسری آبی مخلوق کے اطوار سے کام لیا جاتا رہا ہو۔

کیا شان ہے مولانا آبی کی۔ کہ دائیں آب بائیں آب پیش آب اور بیچ میں جناب۔ بڑا موزوں لقب ہے جل مانس۔

مولانا جس پیر کے مرید تھے۔ یعنی سید احمد بریلوی۔ وہ بھی اکثر دریا میں رہتے تھے۔ چنانچہ ان کا سوانح نگار لکھتا ہے۔ کہ

تیرنے کی بھی آپ کو ایسی مشق تھی۔ کہ آپ غوطہ مار کر تہ دریا میں دو رکعت نفل پڑھ لیتے۔ (سوانح احمدی صہ ۵۲)

ممکن ہے مرید یعنی مولانا آبی غوطہ مار کر تہ دریا میں نماز پڑھ لیتے ہوں۔ اس صورت میں ہمارا یہ سوال ہوگا۔ کہ کیا قرون اولی میں اس کی کوئی مثال موجود ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابہ کرام یا کسی تابعی علیہم الرضوان نے ایسا کیا۔ کہ چار چار سال پانی میں ہی رہے ہوں۔ اور نماز غوطہ مار کر تہ دریا میں پڑھتے رہے ہوں۔ بزعم خویش بدعات کو مٹانے والے خود کیسی بدعات کے مرتکب رہے ہے۔ بے ناتریم کے مارے پانی پانی ہو جانے اور ڈوب مرنے کا مقام ہے

عروج نے ڈوبنے والوں کو بہت کچھ پلٹا
رخ مگر جانب ساحل نہیں ہونے پاتے

حکایت نمبر ۴۳

نسوار کا چڑھاوا

آپ کو (مولوی اسمعیل کو) ناس (نسوار) سونگھنے کا بہت شوق تھا۔ اپنی شہادت سے پہلے آپ نے اپنی ڈبیہ نسوار کی نکال کر سونگھی اور پھر اس کو جھاڑ کر پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ بس یہ آخری سونگھنا ہے ناس کو سونگھ کر اور لشکر کفار میں گھس کر آپ شہید ہو گئے۔ یہ بھی ایک روایت ہے کہ آپ کی وفات کے بعد راجہ شیر سنگھ خلف مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جو سکھوں کی فوج کا جرنیل تھا آپ کی لاش پر دوشالہ ڈالا کر بہت عزت سے آپ کو دفن کر دیا چنانچہ اس وقت تک ایک کچی قبر آپ کی بنی ہوئی بالاکوٹ میں موجود ہے۔ اور دنیا کے لوگوں کی عقل پر بہت افسوس ہے۔ کہ ایسے شخص قاطع شرک و کفر کی قبر پر اب وہاں کے لوگ

نسوار چڑھا کر منتیں اور مرادیں آپ سے مانگتے ہیں۔ (سوانح احمدی ص ۱۹۸)

سبق

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو سے بہت پیار تھا اور خوشبو آپ کو بہت پسند تھی۔ مگر مولانا اسمٰعیل کو نسوار بہت پسند تھی جس کی تکلیف دہ بُو سے دماغ چکرا جاتا ہے خوشبو سونگھیے تو بے ساختہ درود شریف پڑھا جاتا ہے نسوار سونگھیے تو بے ساختہ چھینکنا شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ والوں کے حالات پڑھیے۔ تو وہ اپنے آخری وقت میں آیات قرآنیہ کی تلاوت کرتے نظر آئیں گے۔ کسی کی زبان پہ درود و سلام جاری ہوگا۔ کوئی کلمہ طیبہ کا ورد کرتا نظر آئے گا مگر مولانا اسمٰعیل آخری وقت میں نسوار سونگھتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ میرا آخری سونگھنا ہے۔ یعنی اب میں تھوڑی دیر میں لشکر کفار میں جا کر مر جاؤں گا۔ گویا اپنی تقویۃ الایمان کو بھی بھول گئے جس میں اشراک فی العلم کی برائی میں یہ وعظ فرمایا تھا۔ کہ کسی کو علم نہیں کہ کل کیا ہوگا اور کوئی کہاں مرے گا۔ آخری بار نسوار سونگھ کر شہید ہو گئے اور رنجیت سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ کے دوشالہ میں سکھوں ہی کی نگرانی میں آپ بالاکوٹ میں دفن ہوئے۔ جنازہ پڑھا گیا یا نہیں پڑھا تو کس نے۔ اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔

اللہ والوں کے مزار مرجع خلائق ہوتے ہیں۔ صاحب قبر کی قبر مظہر نورِ حق بن کر پروانہائے شمعِ حق کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ اور ایک دنیا کشاں کشاں وہاں حاضر ہوتی ہے اور اس جذبہ و عقیدت کے ساتھ کہ کوئی قرآنی آیات سے منقش عقیدت کی چادر چڑھا رہا ہے۔ تو کوئی درود و سلام پڑھ پڑھ کر گلاب کے پھولوں کا ہار نچھاور کر رہا ہے مزار کے چاروں طرف شیدائیوں کا ہجوم ذکر حق کی اور درود و سلام کی ایمان افروز گونج اور تلاوتہائے قرآن پاک کی پیاری پیاری وجد آور آوازیں۔ یہ سب باتیں ایک عجیب کیف و سرور کا سماں پیدا کر کے حاضرین کے دلوں کو منور اور آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتی ہیں۔ اور حاضر ہونے والا خالی جھولی لے کر جاتا اور بھر کر واپس آتا ہے۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ صاحب مزار پر انوار ہی کو دیکھیے۔ کہ چوبیس گھنٹے بالعموم جمعرات کو بالخصوص دیوانگان حق کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے۔ کہ راستہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے مزار کے ارد گرد سینکڑوں قرآن ہی اور قرآن خواں

تلاوت کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں بیسیوں عقیدت کی چادریں چڑھا رہے ہیں۔ کوئی درود و سلام کے ہار چڑھا رہا ہے۔ مسکینوں غریبوں کو کھلانے کے لئے دیگوں کے چڑھاوے چڑھائے جا رہے ہیں۔ خالص دودھ تقسیم ہو رہا ہے۔ خالص گھی کا حلوہ کھلایا جا رہا ہے۔ ہر طرف سے قرآن خوانی نعت خوانی۔ درود شریف اور ذکر لسانی کی روح پرور آوازیں آ رہی ہیں۔ ان اللہ والوں نے ساری عمر ذکر الہٰی میں گذاری۔ فاذکرونی اذکرکم کے مطابق خدا تعالیٰ نے قیامت تک ان کے ذکر کو جاری کر دیا۔ یہ روزانہ محفلیں روزانہ تلاوتیں روزانہ ان کے تذکرے اور پھر ہر سال عرس کے عظیم اجتماعات میں ان اللہ والوں کا ذکر خیر کرنا سننا یہ ایک خدائی اہتمام ہے۔ کہ اس میرے بندے نے میرا ذکر ہمیشہ کیا۔ اب میں اس کا ذکر ہمیشہ رکھوں گا۔ ان حقائق کے پیش نظر مولانا اسمٰعیل کی قبر کا منظر دیکھئے۔

نہ وہاں کوئی قرآن۔ نہ قرآن خوانی۔ نہ درود و سلام۔ نہ ذکر و فکر کا کوئی اہتمام۔ نہ کوئی ذکر حق کا کرنے والا۔ اور نہ کوئی مولانا کا ذکر سننے والا۔ اگر کچھ ہے تو وہ چنار۔

دنیا کے بے عقل لوگ ہیں جو مولانا کی قبر پر نسوار کا چڑھاوا چڑھا جاتے ہیں۔ اللہ اللہ! کہاں داتا صاحب کا مزار پر انوار کہ چاروں طرف قرآن اور قرآن خواں۔ اور کہاں یہ قبر بالاکوٹ کہ چاروں طرف نسوار ہی نسوار۔ داتا صاحب کے مزار پر جائیے اللہ اللہ کا ذکر شروع۔ قبر بالاکوٹ پر جاؤ تو چھینکیں شروع۔

کیا کیا شریر ذلیل ہوئے آبرو گئی
ایسا بھی عاشقی کا کسی کو مزہ نہ ہوا

دیوبندی حضرات کے

قطب العالم بخاری وقت بوحنیفہ عصر جناب

مولانا رشید احمد گنگوہی کی

حکایات

حکایت ۳۴

مردہ بول اٹھا

آپ نے (مولوی رشید احمد صاحب نے) موقع پاکر بالفاظ مناسب (حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے) بیعت ہونے کی درخواست کی۔ اعلیحضرت (حاجی صاحب) اطاب اللہ ثراہ نے عادت شریفہ کے مطابق بیعت میں تامل ہی نہیں فرمایا۔ بلکہ طلب صادق کو امتحان کی کسوٹی پر کسنے اور اعتقاد شوق بڑھانے کے لیے صورۃً انکار کے لفظ زبان پر لائے۔ یہاں سوائے اخلاص و شوق کے کیا تھا قطبیت کا جامہ پہننے والا ایک جسم تھا جو سرتاپا طلب بنا ہوا تھا۔ نخوت علم و تکبر مولویت نام کو بھی نہ تھی اور جو کچھ تھی وہ پہلی ہی گفتگو میں نکل چکی تھی۔ پس نتیجہ امتحان یہ تھا۔ کہ جتنا ادھر سے انکار اسی قدر ادھر سے اصرار ××××

آخر جب آپ کی پختگی ہر طرح ظاہر ہو گئی۔ تو جناب حافظ ضامن صاحب نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں سفارش کا اجر حاصل فرمایا اور تھانہ کی حاضری سے دو تین روز کے بعد آپ کو سلاسل اربعہ میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت حاصل ہوئی ×××× کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا۔ تو آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا۔ کہ "پھر تو مر مٹا" ××××××

یہاں تک کہ آپ کو بیعت ہوئے اور ذکر بالجہر کرتے ایک ہفتہ گذرا تھا کہ آٹھویں دن شیخ العرب والعجم کی جانب سے دوسرا صلہ عطا ہوا۔ اور واقع ہونے والی غیبی بشارت بایں الفاظ صادر ہوئی کہ میاں مولوی رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی۔ (امداد المشتاق ص ۱۸-۱۹-۲۱)

سبق

جس طلب صادق سے یہ بیعت واقع ہوئی اس کا نتیجہ واقعی یہ ہونا چاہیے تھا۔ کہ "پھر تو مر مٹا" مگر واقعات شاہد ہیں۔ کہ مر مٹنے کے بعد یہ مردہ بول اٹھا۔ اور اپنے پیر حاجی صاحب کے پیچھے پڑ گیا۔

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ

لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں۔ دریافت و ادراک غیبیات کا ان کو ہوتا ہے۔
(امداد المشتاق ص ۷۶-۷۷)

پیر کا یہ ارشاد سن کر مریدہ بول اٹھا۔
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا ××
اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔
(فتاوی رشیدیہ ص ۱۰۳)

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ
" الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بصیغہ خطاب میں بعض لوگ کلام کرتے ہیں یہ اتصال معنوی پر مبنی ہے۔ لہ الخلق و الامر۔ عالم امر مقید بجہت طرف و قرب و بعد وغیرہ نہیں پس اس (اس کے خطابانہ) کے جواز میں شک نہیں۔ (امداد المشتاق ص ۵۹)

پیر کا یہ ارشاد سن کر مریدہ بول اٹھا۔ کہ
"جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ بھی کہنا ناجائز ہوگا اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے خود کفر ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۶۲)

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا۔
"اس سے یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کے وظیفہ کا حکم معلوم ہو گیا اگر شیخ کو متصرف حقیقی سمجھے تو یہ شرک کی طرف لے جانے والی بات ہے ہاں اگر وسیلہ یا ذریعہ جانے یا ان الفاظ کو بابرکت سمجھ کر خالی الذہن ہو کر پڑھے ہرج نہیں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ مصنفہ حاجی صاحب ص ۳۲)

پیر کا یہ ارشاد سن کر مریدہ بول اٹھا۔
ورد کرنا یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ حرام ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۲۸)

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا۔

"مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں۔ اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ ص۵)

پیر کا یہ ارشاد سن کر مردہ بول اٹھا کہ

"مجلس مولود مروجہ بدعت ہے۔" (فتاوی رشیدیہ ص۱۱۵)

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ

"لفظ عرس اس حدیث سے لیا گیا ہے نم کنومة العروس یعنی مرنے کے بعد صالح بندے سے کہا جاتا ہے "سو جا دلہن کی نیند" اللہ کے مقبول بندوں کے حق میں موت محبوب حقیقی سے ملنے کا نام ہے اور اسی وجہ سے ان کی موت وصال کہی جاتی ہے یعنی ملاپ۔ اب جو محبوب حقیقی سے جا ملے اس سے بڑھ کر اور کیا شادی ہو سکتی ہے۔ عرس کی رسم جاری کرنے کا یہ مقصد تھا کہ مرنے والوں کی روحوں کو ایصال ثواب کرنا۔ ایک پسندیدہ فعل ہے۔ اس سلسلہ میں جن بزرگوں سے ہم نے فیوض و برکات حاصل کئے ہیں ان کا ہمارے اوپر سب سے زیادہ حق ہے پھر اپنے پیر بھائیوں سے ملنا محبت کو بڑھاتا ہے اور باعث برکت بھی ہے۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص۲۵)

پیر کا یہ ارشاد سن کر مردہ بول اٹھا کہ

عرس کا التزام کرے یا نہ کرے بدعت اور نادرست ہے۔

(فتاوی رشیدیہ ص۱۳۴)

حکایات میں مذکور ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ

میاں مولوی رشید احمد جو نعمت حق تعالی نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی۔

مگر اوپر کے شواہد بتا رہے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب نے اپنی خداداد نعمتوں

سے جس نعمت کا بھی اظہار کیا۔ میاں مولوی رشید احمد نے اس کی تکذیب کر دی۔ اگر واقعی حاجی صاحب نے خدا سے جو پایا تھا وہ سب کچھ انہوں نے میاں مولوی رشید احمد کو دے دیا تھا۔ تو وہ اپنے پیر کی ہر بات کو اپنی بات سمجھتے۔ اور کبھی اس کی تکذیب نہ کرتے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حاجی صاحب نے یہ کہا ہی نہیں تھا اور اگر کہا ہی تھا۔ تو یہ نعمت ایک ایسے سوراخ شدہ برتن میں ڈال دی گئی جس میں سے یہ ساری نعمت بہ گئی۔ اور برتن ویسے کا ویسا ہی خالی رہا۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ

"حضرت حاجی صاحب نے (گنگوہی صاحب سے) فرمایا۔ کہ جو کچھ دینا تھا میں دے چکا مولانا (رشید احمد گنگوہی) نے دل میں کہا کیا دیا میں تو جیسے پہلے تھا ویسا ہی اب بھی ہوں۔ (الافاضات الیومیہ ص ۱۶۱ ج ۱)

یعنی ہر امر خیر پر جیسے پہلے شرک و بدعت کے فتوے لگاتا تھا۔ ویسا ہی اب بھی ہوں۔ ان جملوں کے پیش نظر مولوی رشید احمد صاحب کا یہ کہنا کہ

"پھر تو مرشد"

محض ایک نمائشی جملہ ہے حقیقت میں ایسا نہیں۔ چنانچہ خود مولوی رشید احمد صاحب ہی اپنے ایک مخلص کو خط میں لکھتے ہیں۔

"تم تو دوسرے درجہ میں الحق کہ خود مرشد نا سے بھی مجھ کو جی سے اعتقاد و محبت نہیں (کیونکہ مولانا اس سے زیادہ کے پیاسے تھے) ایک بار خدمت میں حضرت کی بھی عرض کر دیا تھا کہ آپ کے سب خادموں سے اس بات میں کم ہوں۔ ہر شخص کو کسی درجہ کی آپ کی محبت ہے اور اعتقاد مگر مجھ نالائق کو کچھ بھی نہیں اور یہ اس واسطے ذکر کیا تھا کہ نفاق اپنا ظاہر کروں" (امداد المشتاق ص ۱۹)

گویا "پھر تو مرشد" مبنی بر نفاق تھا۔

حضرت حاجی صاحب بھی اس نفاق کو جان گئے۔ اور اشاروں ہی اشاروں میں ان سے بیزاری کا اظہار فرماتے رہے چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ

"ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی حضرت حاجی صاحب کے ہمراہ کھانا کھا رہے

تھے۔ کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب بھی جو کہ حضرت حاجی صاحب کے پیر بھائی تھے۔ تشریف لے آئے۔ اور کہا کہ آج تو بڑی ان کے یعنی مولانا گنگوہی کے حال پر عنایت ہو رہی ہے۔ کہ ساتھ کھانا کھلایا جا رہا ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ہاں ہے تو میری عنایت ہی کہ جو ساتھ کھلا رہا ہوں۔ ورنہ یہ کافی تھا کہ روٹی پر دال رکھ کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیتا اور کہہ دیتا کہ جاؤ وہاں بیٹھ کر کھالو یہ واقعی میری عنایت ہے۔ کہ جو ان کو ساتھ کھلا رہا ہوں۔

(قصص الاکابر ص)

یعنی یہ بظاہر مجھ پر مرمٹنے والا اور بباطن میرے پیچھے پڑجانے والا اور میری ہر بات کی تکذیب کرنے والا اس قابل تو نہیں تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ کھانا کھلاتا۔ یہ میری فراخدلی اور عنایت ہے۔ ورنہ روٹی پر دال رکھ کر دال کسی پلیٹ میں بھی نہیں بلکہ روٹی پر رکھ کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیتا۔ اور کہتا جاؤ مجھ سے دور ہو کر وہاں جا کر الگ بیٹھ کر کھاؤ۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی رشید احمد صاحب کے اس نفاق کو حضرت حاجی صاحب کے پیر بھائی بھی جانتے تھے۔ اسی لیے مولانا شیخ محمد صاحب نے بھی جب مولوی رشید احمد صاحب کو حاجی صاحب کے ساتھ کھانا کھاتے دیکھا۔ تو تعجب سے کہا۔

"کہ آج تو بڑی ان کے حال پر عنایت ہو رہی ہے"!

یہ "آج تو" کا جملہ بتا رہا ہے۔ کہ اس سے پہلے حاجی صاحب مولوی رشید احمد صاحب سے بیزار رہا کرتے تھے۔ ورنہ حاجی صاحب یوں فرماتے۔ کہ میری تو عنایت ان پر ہمیشہ رہی ہے۔ یہ "آج تو" کی رٹ کیسی؟ حاجی صاحب نے مولانا شیخ احمد صاحب کے اس "آج تو" کی تائید کی۔ اور فرمایا۔ کہ ہاں واقعی آج ان پر میری یہ عنایت ہے۔ کہ ساتھ بٹھا کر کھانا کھلا رہا ہوں۔ ورنہ روٹی پر دال۔ اور روٹی ان کے ہاتھ پر رکھتا۔ اور کہتا۔ کہ مجھ سے پرے وہاں بیٹھ کر کھاؤ۔

ے

قابلِ رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی
پردے پردے ہی میں کمبخت جو رسوا ہو جائے

حکایت ۳۵

باغی مرید

مکہ معظمہ میں حضرت مولانا گنگوہی سے حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب نے فرمایا۔ کہ فلاں جگہ مولود شریف ہے۔ تم چلتے ہو حضرت مولانا گنگوہی نے صاف انکار کر دیا۔ کہ نہیں حضرت میں نہیں جاسکتا۔ کیونکہ میں ہندوستان میں اس کو منع کیا کرتا ہوں۔ لوگ سند پکڑیں گے۔ حضرت حاجی صاحب کی شان دیکھئے۔ فرمایا۔ جزاک اللہ میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا کہ نہ جانے سے خوش ہوا۔ اگر اور کوئی ہوتا تو سمجھتا کہ مریدی سے خارج ہو گئے۔ اس سے حضرت حاجی صاحب کا مذاق معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ مولود میں نہ جانے کو پسند فرمایا۔ گو پھر خود تشریف لے گئے۔ اس قول اور فعل سے دونوں فریق اپنا اپنا مدعا ثابت کر سکتے ہیں حضرت کا عجیب رنگ تھا تصوف غالب تھا فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص مجھ کو اپنے رنگ کا سمجھتا ہے۔ حالانکہ میرا کوئی رنگ نہیں۔ میری مثال پانی کی سی ہے۔ کہ جس رنگ کی بوتل میں بھر دیا جاوے اس کا وہی رنگ معلوم ہوتا ہے۔ سرخ بوتل میں بھر دیا جائے۔ تو اس کا رنگ سرخ نظر آتا ہے۔ اور سبز بوتل میں سبز دکھائی دیتا ہے۔ اور خود اس کا رنگ دیکھو تو کوئی بھی رنگ نہیں۔ (قصص الاکابر صفحہ ۵۳)

سبق

حاجی صاحب کے مریدان باصفا کیا کہنے۔ مرید بھی ہیں اور پیر کے خلاف بھی۔ پیر کا منہ مغرب کو ہو تو ان کا مشرق کو اور اگر اس کا منہ مشرق کو ہو تو ان کا مغرب کو ہوتا ہے۔ بقول شاعر ؎

الٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لئے

یہ ایسے مرید ہیں۔ جو پیر کا رخ دیکھ کر اس کے برعکس اپنی سمت متعین کرتے ہیں۔ پیر محفل میلاد شریف میں جا رہا ہے۔ اور مرید کہتا ہے "میں نہیں جاسکتا" پیر محفل میلاد کو "مولود شریف" کہتا ہے۔ اور مرید (تھانوی) اس محفل کو صرف "مولود" کہتا ہے۔ اسی قسم کے دوسرے مرید مولوی قاسم صاحب نانوتوی ہیں۔ ان کے متعلق مولوی اشرف علی صاحب نے

ہی لکھا ہے۔ کہ

"حضرت حاجی صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ مولوی محمد قاسم صاحب سے میں نے جو کچھ تقریرًا یا تحریرًا کہا انہوں نے ہمیشہ خوشی سے قبول کیا۔ مگر ایک دفعہ ایسا کورا جواب دیا کہ میں دیکھتا رہ گیا۔"

ہوا کیا؟ مولوی اشرف علی صاحب ہی کی زبانی سنیئے۔

"نواب محمد علی صاحب رئیس ٹونک نے بعد معزولی مکہ معظمہ میں حرم شریف میں بخاری کا ختم کرانا چاہا اور حضرت حاجی صاحب سے سفارش کرائی حضرت نے مولانا سے فرمایا کہ میں وعدہ کر چکا ہوں۔ آپ ختم میں شریک ہو جاویں۔ مولانا نے جواب دیا۔ کہ حضرت میں نے بخاری اس لئے نہیں پڑھی تھی۔" (قصص الاکابر ص ۵۵)

گویا صاف اور کورا جواب دے دیا کہ میں نہیں شریک ہو سکتا۔ اور اس امر کا کوئی لحاظ نہیں کیا کہ پیر سے سفارش کرائی گئی ہے۔ اور پیر وعدہ بھی کر چکا ہے۔ کہ میں اپنے مرید کو لے کر آؤں گا۔ مرید کے اس کورے جواب پر پیر کہتا ہے۔ کہ "میں دیکھتا رہ گیا" کیا دیکھتا رہ گیا؟ مرید کا آنکھیں پھیر لینا اور پیر کی مرضی کا احترام نہ کرنا۔ پیر نے کہا ہو گا ؎

اب وہ ملتے بھی ہیں تو یوں کہ کبھی
ہم سے کچھ واسطہ نہ تھا گویا

ایسے مریدانِ باصفا دیوبندی علماء ہی میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ جو ایسے کردار کا مظاہرہ کریں۔ کہ پیر دیکھتا رہ جائے مولوی اشرف علی صاحب ہی لکھتے ہیں۔ کہ

"حضرت حاجی صاحب کے مرید بہت اچھے ہیں مرد تو اچھے ہیں ہی مگر عورتیں جتنی ہیں سب صالحہ ہیں۔ مرد تو بعض بعض غیر صالح بھی ہیں" (قصص الاکابر ص ۹۴)

یہ بعض بعض مرد غیر صالح وہی ہیں۔ جو پیر کی روش و سفارش کا احترام نہیں کرتے۔ پیر محفل میلاد میں شرکت کے لیے چلنے لگے۔ تو یہ کہہ دیں ہم نہیں جا سکتے۔ پیر ختم بخاری شریف میں شرکت کی سفارش کرے۔ تو یہ کہہ دیں ہم نے بخاری اس لئے نہیں پڑھی تھی۔ گویا پیر کسی بھی امر صالح کی ترغیب دے یہ کورا جواب دے دیں اور صاف انکار کر دیں۔

محفلِ میلاد شریف بھی مکہ معظمہ میں ہو رہی تھی اور ختم بخاری شریف بھی مکہ معظمہ کے حرم شریف میں ہو رہا تھا۔ مگر اپنی اپنی قسمت ہے۔ کہ پیر ان بابرکت محافل میں شریک ہوتا ہے اور مرید محروم رہ جاتے ہیں ؎

کچھ در پہ جھکائے ہوئے سر بیٹھے ہیں
اس بزم سے شاید کہ نکالے ہوئے ہیں

حاجی صاحب نے مولود شریف کی محفل میں شرکت کے لئے چلتے ہوئے گنگوہی صاحب سے پوچھا۔ کہ تم چلتے ہو۔ تو گنگوہی صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کہا میں نہیں جا سکتا۔ اس پر حاجی صاحب نے فرمایا۔

"جزاک اللہ میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا کہ نہ جانے سے خوش ہوا"۔

حاجی صاحب کے اس کہنے پر مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں کہ

"اس سے حضرت حاجی صاحب کا مذاق معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ مولود میں نہ جانے کو پسند فرمایا۔ گو پھر خود تشریف لے گئے"

حاجی صاحب نے مطلقاً مولود شریف میں نہ جانے کو پسند نہیں فرمایا بلکہ مولوی رشید احمد کے نہ جانے کو پسند فرمایا ہے۔ حاجی صاحب کو تو مولود شریف میں لطف آتا تھا۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب ہی لکھتے ہیں کہ

"حضرت (حاجی صاحب) سے کسی نے پوچھا کہ قیام مولود کیسا ہے فرمایا مجھے تو لطف آتا ہے (حکایات اولیاء ص ۲۲۰)

تو جسے اس محفل میں لطف آتا ہو۔ وہ مطلقاً نہ جانے کو کیسے پسند فرما سکتا ہے۔ انہوں نے تو مولوی رشید احمد کے نہ جانے کو پسند فرمایا۔ اگر مطلقاً نہ جانے کو پسند فرمایا تھا۔ تو پھر خود کیوں تشریف لے گئے۔ حاجی صاحب کو اپنے اس مرید کا حال معلوم تھا۔ مگر چلتے ہوئے اخلاقاً پوچھ لیا۔ کہ تم بھی چلتے ہو؟ مولوی صاحب نے جب صاف انکار کر دیا۔ تو خوش ہو گئے۔ کہ میں جس عقیدت و محبت کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اگر یہ بھی چل پڑتے۔ تو مجھے جو کیف و سرور اور لطف آتا تھا۔ ان کے سبب تکدر پیدا ہو جاتا اور وہ لطف نہ ملتا۔

چنانچہ اس خوشی کی بنا پر یوں فرمایا کہ

"جزاک اللہ تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا کہ نہ جانے سے خوش ہوا"

یعنی تم چل پڑتے تو میرا لطف رہ جاتا۔ اس لیے میرے لیے یہ اتنی خوشی کی بات نہ ہوتی جتنی خوشی تمہارے نہ جانے سے ہوئی۔ لفظ جزاک اللہ حاجی صاحب کی دلی خوشی کو ظاہر کر رہا ہے۔ گویا حاجی صاحب نے دل میں کہا الحمد للہ اور زبان سے کہا جزاک اللہ۔

مولوی گنگوہی صاحب نے اپنے انکار کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ

"میں ہندوستان میں اس کو منع کیا کرتا ہوں۔ لوگ سند پکڑیں گے"

گنگوہی صاحب سے تو یہی لوگ اچھے ہوئے۔ جن کی نظر میں گنگوہی صاحب کا فعل حجت ہے۔ کاش گنگوہی صاحب بھی انہی لوگوں کی طرح اپنے پیر کے فعل کو حجت سمجھتے۔

اس حکایت میں مولوی اشرف علی صاحب نے حاجی صاحب کے مذاق کی یہ کیفیت بیان کی ہے۔ کہ حاجی صاحب نے مولوی صاحب کے نہ جانے کو بھی پسند فرمایا۔ اور خود چلے بھی گئے۔ حاجی صاحب کے اس قول و فعل کو مولوی صاحب نے دونوں فریقوں کے لیے دلیل قرار دیا ہے اور لکھا ہے۔ کہ

"اس قول و فعل سے دونوں فریق اپنا اپنا مدعا ثابت کر سکتے ہیں"

خدا نادان دوستوں سے محفوظ رکھے۔ تھانوی صاحب نے حاجی صاحب کی تعریف کیا کی ان کی توہین کر ڈالی۔ اس لیے کہ دونوں فریقوں میں سے ایک فریق محفل میلاد شریف کو جائز و مستحسن کہتا ہے۔ اور دوسرا اسے ناجائز و بدعت۔ اور ظاہر ہے کہ حق ایک فریق کی طرف ہے۔ اور دوسرے کی طرف باطل۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ حق دونوں طرف ہو۔ جب حق ایک ہی طرف ٹھہرا۔ تو حق والا فریق اگر حاجی صاحب کے مذاق سے اپنا مدعا ثابت کر سکتا ہے۔ تو باطل والا فریق کسی صورت اس سے اپنا مدعا ثابت نہیں کر سکتا۔ اگر بقول مولوی اشرف علی صاحب کے دونوں فریق اپنا اپنا مدعا ثابت کر سکتے ہیں۔ تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ حاجی صاحب حق کی بھی تلقین کرتے تھے۔ اور باطل کی بھی۔ گویا حاجی صاحب کا مذاق ایک مذاق کے سوا کچھ نہیں۔ یہ ہے تھانوی صاحب کی تعریف اپنے پیر کی مح

؎ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

حاجی صاحب کی یہ توہین اس صورت میں ہوتی ہے۔ جب کہ حاجی صاحب کے قول کی غلط تشریح کی جائے۔ اور یوں کہا جائے کہ حاجی صاحب نے مطلقاً مولود شریف میں نہ جانے کو پسند فرمایا ہے۔ اور جب اس قول کی صحیح تشریح کی جائے۔ اور یوں کہا جائے کہ حاجی صاحب نے صرف مولوی رشید احمد کے نہ جانے کو پسند فرمایا ہے۔ تو پھر حاجی صاحب کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔ اور حاجی صاحب کے مذاق سے صرف اہل حق محفل میلاد کا مجوز فریق ہی اپنا مدعا ثابت کر سکتا ہے۔

محفل میلاد شریف میں شرکت اہل محبت کا حصہ ہے۔ جو لوگ اس نعمت سے محروم ہیں۔ وہ اس محفل میں واقعی نہیں جا سکتے چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی سے کسی نے پوچھا۔ کہ

"مولوی عبدالسمیع صاحب تو مولود شریف کرتے ہیں آپ کیوں نہیں کرتے فرمایا بھائی انہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے مجھے بھی اللہ تعالیٰ محبت نصیب کرے" (قصص الاکابر ص۱۲۳)

یہی وجہ ہے۔ کہ مکہ معظمہ کی محفل میلاد شریف میں محبت والے چلے گئے۔ اور جو محروم تھے وہ نہ جا سکے ؎

محفل سید ذیشان کے تقاضے ہیں لطیف
بے ادب حاضرِ دربار نہ ہونے پائے

مولوی تھانوی صاحب نے اپنی نادان دوستی کا پھر یوں مظاہرہ فرمایا ہے کہ حاجی صاحب کی طرف منسوب کر کے ان کا یہ قول لکھا ہے۔ کہ

"حضرت کا عجب رنگ تھا تصوف غالب تھا فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص مجھ کو اپنے رنگ کا سمجھتا ہے حالانکہ میرا کوئی رنگ نہیں۔ میری مثال پانی کی سی ہے۔ کہ جس رنگ کی بوتل میں بھر دیا جائے۔ اس کا وہی رنگ معلوم ہوتا ہے سرخ بوتل میں بھر دیا جائے تو اس کا رنگ سرخ نظر آتا ہے۔ اور سبز بوتل میں

سبز دکھائی دیتا ہے اور خود اس کا رنگ دیکھو تو کوئی بھی رنگ نہیں۔

یہ رنگ برنگی عبارت فی الحقیقت بے رنگ عبارت ہے اور تضاد آمیز۔ تھانوی صاحب کا اپنا قول یہ ہے۔ کہ

"حضرت کا عجیب رنگ تھا"

اور حاجی صاحب کی طرف منسوب قول یہ ہے۔

"میرا کوئی رنگ نہیں"

تھانوی صاحب تو حاجی صاحب کا رنگ ظاہر کر رہے ہیں۔ اور خود حاجی صاحب اپنی بے رنگی بتا رہے ہیں حالانکہ پیر تو ہوتا ہی اس لیے ہے کہ وہ مرید کو شریعت کے رنگ میں رنگ دے۔ نہ اس لئے کہ مرید جس رنگ میں آیا ہے پیر خود بھی اسی رنگ میں نظر آنے لگے مرید ہونے والا بے نماز ہو تو خود بھی بے نماز بن جائے۔ وہ شرابی ہو تو خود بھی شرابی بن جائے۔ پیر کا کمال یہ ہے۔ کہ مرید کے سارے برے رنگ اتار کر اسے اپنے شرعی رنگ میں رنگ دے۔ ورنہ ایسے برائے نام پیر سے تو رنگ کاٹ پوڈر اچھا جو کپڑوں کے سارے داغ دھبے کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ایسے رنگ سے کہ سارے رنگ مات پڑ گئے۔ خدا فرماتا ہے۔

"هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (پ ۲۸ ع ۹)

خدا وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے"

چونکہ یہ دین پاک غالب ہونے کے لیے آیا ہے اس لیے اس دین کے مبلغ و رہنما بھی وہی ہوں گے جو دوسروں پر غالب آجائیں۔ اور اپنے رنگ میں دوسروں کو بھی رنگ دیں۔ دین اسلام ایک ایسا رنگ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ظاہر و باطن کو رنگ دیا ہے خدا فرماتا ہے۔

صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً (پ ۱ ع ۱۲)

یہ اللہ کا رنگ جس میں اللہ نے مسلمانوں کو رنگ دیا۔ مسلمان اس اپنے رنگ سے دنیا بھر کی اقوام میں ممتاز نظر آنے لگے۔ اور جہاں پہنچے انہوں نے دوسروں کو بھی اسی رنگ میں رنگ دیا۔ نہ یہ کہ خود دوسروں کے رنگ میں رنگے گئے۔

کسی کا ایک شعر ہے

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

یہ شعر کسی ملحد نے لکھ کر حافظ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ شعر حافظ کا ہرگز نہیں۔ حاجی صاحب کی طرف جو قول منسوب کیا گیا ہے۔ وہ بھی اسی شعر کی عکاسی کرتا ہے حالانکہ جیسے وہ شعر منشائے اسلام کے خلاف ہے۔ اسی طرح حاجی صاحب کی طرف منسوب یہ قول بھی منشائے اسلام کے مطابق نہیں۔ اسلام یہ چاہتا ہے۔ کہ اس کے رنگ میں ساری دنیا کو رنگ دیا جائے۔

ارض و سما کو ساغر و پیمانہ کر دیا
رندوں نے کائنات کو میخانہ کر دیا

حکایت ۲۶

نرالے مرید

جب مولوی صادق الیقین صاحب حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب کی خدمت میں جانے لگے تو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی کہ میاں مولوی صادق الیقین جیسے جا رہے ہو۔ ویسے ہی چلے آئیو۔ اپنے اندر کوئی تغیر پیدا نہ کیجیو۔ ہمارے حضرت نے فرمایا اس سے حضرت مولانا کا یہ مطلب تھا۔ کہ وہاں جا کر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے افعال میرے خلاف دیکھو گے۔ اگر مجھ سے عقیدت رہی تو حاجی صاحب کو چھوڑ دو گے۔ اور اگر حاجی صاحب سے عقیدت رہی تو مجھے چھوڑ دو گے۔ چنانچہ انہوں نے مسلک مولانا کا رکھا۔ اور حضرت حاجی صاحب کے بھی جاں نثار تھے۔ مجھ سے مولوی صادق

الیقین کہتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں اور مولانا کے یہاں تو زمین و آسمان کا فرق ہے کوئی تطبیق ہو ہی نہیں سکتی (حکایات اولیاء ص ۳۵۳)

سبق

دیوبندی علماء حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید تھے۔ مگر نرالے مرید۔ حاجی صاحب کا مسلک۔ مسلک اہلسنت کے قریب تھا محفل میلاد کے وہ قائل قیام و سلام میں لذت پانے والے اور عرس و فاتحہ کے مجوز تھے۔ فیصلہ ہفت مسئلہ اس بات پر شاہد ہے۔ مگر دیوبندی علماء ان کے مرید ہونے کے بھی مدعی ہیں۔ اور ان سے کچھ حاصل کرنے پر بھی تیار نہیں۔ چنانچہ اس حکایات میں "مولانا" گنگوہی صاحب اپنے ایک عقیدت مند کو حاجی صاحب کے پاس جاتے وقت کیا ہی اچھی وصیت فرماتے ہیں کہ

"جیسے جا رہے ہو ویسے ہی چلے آئیو اپنے اندر کوئی تغیر پیدا نہ کیجیو"

یعنی جیسے ہم ان کے مرید ہوتے ہوئے بھی ویسے کے ویسے ہی ہیں۔ تم بھی ویسے کے ویسے ہی رہنا۔ سوال یہ ہے۔ کہ مولوی صادق الیقین کا حاجی صاحب کے پاس جانا ناقص کا کامل کے پاس جانا ہے یا کامل کا ناقص کے پاس جانا؟ جواب ظاہر ہے کہ یہ ناقص کا کامل کے پاس جانا ہے۔ اور کاملین کے پاس جانے کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ کہ ان کے فیوض و کمالات سے ہم بھی مستفید ہوں۔ مگر مولوی گنگوہی صاحب کی مولوی صادق الیقین کو تاکید یہ ہے۔ دیکھنا کہیں ان کے فیوض و برکات سے مستفید نہ ہو جانا جیسے جا رہے ہو ویسے ہی چلے آنا۔ اور یہ شعر گنگناتے آنا ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

"مولانا" قاسم صاحب نانوتوی نے بھی خود ہی ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کی مجلس میں یوں کہا تھا کہ

"حضرت کے کامل یا شفیق ہونے میں شبہ نہیں۔ لیکن ؎

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را"

(قصص الاکابر ص۱۰۵)

مرید کو پیر سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ مگر یہاں نہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں۔

"ایک بار حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ جتنی محبت پیروں کے ساتھ مریدوں کو ہوتی ہے حضرت حاجی صاحب سے مجھ کو اتنی نہیں ہے"

(قصص الاکابر ص۱۲۳)

معلوم ہوا کہ پیر سے مرید کو جو محبت و عقیدت ہوتی ہے۔ گنگوہی صاحب کو وہ حاصل نہ تھی۔ اس لیے کہ پیر کو جن باتوں سے محبت تھی، مثلاً محفل میلاد اور قیام و سلام وغیرہ۔ گنگوہی صاحب کو ان سے عداوت تھی۔ اور ظاہر ہے کہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے۔ بنا بریں گنگوہی صاحب نے جو مطلقاً محبت کی نفی نہیں کی اس میں بھی کوئی حکمت ہوگی ورنہ گنگوہی صاحب کو حاجی صاحب سے بالکل ہی محبت نہ تھی۔

محب اپنے محبوب کا تابع ہوتا ہے اور یہاں الٹا معاملہ ہو رہا ہے وہ مولوی اشرف علی صاحب کی زبان سے سنیئے۔ کہتے ہیں۔

"حضرت مولانا گنگوہی کی بابت لوگ کہتے تھے کہ یہ پیر کے خلاف کرتے ہیں۔ ان کے معتقد نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ دیوانے ہو گئے ہیں۔ ہم نے جس مقصود کے لیے حضرت حاجی صاحب کا دامن پکڑا ہے اس کی تو ان کو ہوا بھی نہیں لگی۔ حضرت جس فن کے امام ہیں اس میں ہم ان کے مقلد ہیں۔ باقی ان فرعیات میں ہم امام ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کو چاہیئے۔ کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کریں۔ حضرت مولانا (گنگوہی) صاحب فرمایا کرتے تھے۔ ہمیں تو ہمیشہ یہ عادت رہی ہے۔ کہ حضرت حاجی صاحب اور حضرت حافظ ضامن صاحب ہم سے مسئلے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے۔ اب ہم حضرت حاجی صاحب

کا فقہی مسائل میں کیسے اتباع کرلیں یہاں تو حضرت ہمارا اتباع کریں۔"

(قصص الاکابر ص ٦٢)

یہ ہیں مریدان باصفا جو علی الاعلان اپنے پیر کے بھی امام بن رہے ہیں۔ اور صاف کہہ رہے ہیں کہ پیر کا اتباع ہم کیوں کریں پیر ہمارا اتباع کرے۔ حاجی صاحب بھی کیا یاد کریں گے مرید ملے تو ایسے جو پیر کو اپنے پیچھے پیچھے چلنے کو کہہ رہے ہیں۔ پیر ایک ہے مرید زیادہ ایک طرف ایک امام ہے دوسری طرف کئی امام۔ یہ ایک امام اتنے زیادہ اماموں کو پیچھے رکھ کر کیسے چلے۔ ہاں یہ ایک امام ان سب اماموں کے پیچھے لگ جائے۔ کہ یہی فیصلہ ہے سب اماموں کا۔

اور ان ائمہ کرام میں "مولانا گنگوہی" ایک ایسے امام ہیں کہ نہ صرف حاجی صاحب ہی بلکہ اس زمانے میں ہر شخص کے لئے "مولانا گنگوہی" کا اتباع ضروری تھا چنانچہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا۔

"سن قسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر" (تذکرۃ الرشید ص ١٧ ج ٢)

گنگوہی صاحب کے اس ارشاد کے پیش نظر حاجی صاحب کو ایک ایسے مرید سے پالا پڑ گیا جس کے پیچھے جب تک پیر بھی چل کر اس کا اتباع نہ کرے گا۔ پیر کی نجات بھی مشکل ہے ؎

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

اس شان کے امام حاجی صاحب کے مرید ہو گئے۔ یہ کیا بات ہے مولوی اشرف علی صاحب نے صرف اتنا کہا ہے کہ

"ہم نے جس مقصود کے لئے حاجی صاحب کا دامن پکڑا ہے اس کی تو ان کو ہوا بھی نہیں لگی"

وہ مقصود کیا ہے؟ اسے اللہ بہتر جانتا ہے یا یہ ائمہ کرام۔ ہمیں تو صرف اتنا معلوم ہے

سکتا ہے۔ کہ یہ حضرات حاجی صاحب کے نرالے مرید ہیں۔ ان کے پاس گئے بھی ہیں تو اس طرح جیسے مرغابی دریا میں جاتی ہے۔ پانی میں تیرتی نظر آتی ہے۔ مگر جب واپس آتی ہے۔ تو ویسی کی ویسی ہی خشک واپس آتی ہے۔ اپنے اندر کوئی تغیر پیدا کر کے نہیں آتی۔

حکایت یہ ہے۔ کہ گنگوہی صاحب نے صادق الیقین سے کہا کہ

"وہاں جا کر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے افعال میرے خلاف دیکھو گے۔ اگر مجھ سے عقیدت رہی تو حاجی صاحب کو چھوڑ دو گے۔ اور اگر حاجی صاحب سے عقیدت رہی تو مجھے چھوڑ دو گے۔ چنانچہ انہوں نے مسلک مولانا کا رکھا۔ اور حضرت حاجی صاحب سے بھی جاں نثار تھے مجھ سے مولوی صادق الیقین کہتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں اور مولانا کے یہاں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حق و باطل میں اختلاف ہے اور جس طرح زمین آسمان میں بُعد ہے۔ اسی طرح کا اختلاف پیر و مرید کے افعال میں اور اسی طرح کا بُعد پیر و مرید کے خیالات میں تھا۔ اتنے اختلاف و بُعد کے باوجود وہ پیر ہیں۔ اور یہ مرید۔ یہ بھی دنیا کا ایک عجوبہ ہی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب صادق الیقین صاحب کا کردار ہے۔ کہ اس اختلاف و بعد کے پیش نظر جب کہ جو حق سے عقیدت رکھے گا باطل کو چھوڑ دے گا اور جو باطل سے عقیدت رکھے گا حق کو چھوڑ دے گا جو آسمان پر ہو گا۔ زمین پر نہ رہے گا جو زمین پر رہے گا آسمان پر نہ ہو گا۔ مولوی صادق الیقین باطل پر بھی گامزن رہے اور حق کے جاں نثار بھی۔ ایک قدم آپ کا زمین پر بھی رہا دوسرا آسمان پر بھی۔

واقعی کیا چیز ہے اپنا دلِ ناشاد بھی ؎
ذکرِ حق بھی ہوتا جاتا ہے بتوں کی یاد بھی

ایک مشکل اور بھی ہے۔ کہ یہ ائمہ کرام اپنے پیر کے خلاف تو تھے ہی۔ خود آپس میں بھی ان کی یکجہتی نظر نہیں آتی۔ ایک کا رخ اس طرف ہے دوسرے کا اُس طرف۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب مولوی گنگوہی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔

ایک دعوت میں مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ میں وہ کھانا کھاؤں گا۔ جو سب کے آگے کا بچا ہوا ہو۔ چنانچہ معمولی آدمیوں کے آگے کی جھوٹن بچی بچائی پھولی ہوئی بے تکلف کھالی۔ (قصص الاکابر ص۱۲۹)

اور خود مولوی اشرف علی صاحب کا اپنا کردار کیا ہے۔ آپ کا سوانح نگار لکھتا ہے۔ "کسی کا جھوٹا کھانا یا پانی استعمال نہیں فرماسکتے گھن آتی ہے یہاں تک کہ کبھی اپنے بزرگوں کے سامنے کا بچا ہوا کھانا پانی بھی تبرکاً استعمال نہیں کرسکے۔

(اشرف السوانح ص۴۴ ج۱)

دیکھا آپ نے ایک امام تو معمولی آدمیوں کے آگے کی بچی جھوٹن بے تکلف کھا لیتا ہے۔ اور دوسرا اپنے بزرگوں کا بچا ہوا بھی کھانا پانی استعمال نہیں کرسکتا۔ اب ان کے پیچھے لگ کر ان کا اتباع کرنے والا کھانا کھاتے وقت کیا کرے؟ دونوں میں سے ایک کا تو پیچھا چھوڑنا ہی پڑے گا۔

یہ ہیں حاجی صاحب کے مریدانِ باصفا یا بزعم خویش ان کے امام۔

خداوندا تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

حکایت ۳۷

گنگوہی صاحب کا خواب

"خاں صاحب نے فرمایا۔ کہ مولانا گنگوہی کی طبیعت علیل تھی اور میں آپ کے پاس اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں براہین قاطعہ شائع ہوئی تھی۔ اور اس پر لوگوں میں شورش ہو رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ اور مجھے سامنے کھڑا کیا ہے۔ اور مجھ سے امتحاناً سوال پوچھے اور سو کے سو کا جواب میں نے دے دیا ہے۔ اور آپ نے سب کی تصویب فرمائی۔ اور نہایت مسرور ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس روز سے میں نہایت خوش ہوں۔ اور سمجھتا ہوں کہ اگر سارے عالم میرے خلاف ہوں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ حق میری جانب ہوگا۔" (حکایات اولیا ص۴۳۷)

سبق

اس حکایت سے معلوم ہوا۔ کہ براہین قاطعہ کے اصل مصنف گنگوہی صاحب ہیں۔ اور مولوی خلیل احمد صاحب ایک پردہ ہیں۔ یہ بھی پتا چلا۔ کہ اس کتاب سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوگئے اور ان میں شورش پیدا ہوئی۔

یہ خواب اس زمانہ کا بتایا گیا ہے۔ جس زمانہ میں براہین قاطعہ شائع ہوئی تھی۔ اور مسلمانوں میں شورش ہو رہی تھی۔ اس شورش کا باعث براہین قاطعہ کی یہ عبارت تھی۔

"غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کو کونسی نص قطعی ہے (براہین قاطعہ ص ۵۱)

اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کی تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائے کہ زیادہ (ص ۵۲)

اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک سے ملک الموت اور شیطان کا علم زیادہ بتایا گیا ہے۔ اور صاف کہا گیا ہے۔ کہ ملک الموت اور شیطان کی وسعت علم نص سے ثابت ہے اور حضور کے علم کی وسعت کسی نص سے ثابت نہیں۔

اس عبارت سے مسلمانوں میں شورش کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ اس لیے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کی سراسر توہین ہے اس شورش کے پیش نظر خواب کا اتنا حصہ تو قرین قیاس ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سامنے کھڑا کیا۔

اور اس کے بعد کا حصہ اس شورش سے مناسبت نہیں رکھتا۔ ان حالات کے پیش نظر خواب کا اتنا حصہ اگر مان لیا جائے کہ حضور نے مجھے سامنے کھڑا کیا۔

تو اگلا حصہ یوں ہو سکتا ہے۔ کہ حضور نے صرف ایک ہی سوال کیا ہو اور فرمایا ہو کہ۔

"بتاؤ میرا علم زیادہ ہے یا ملک الموت اور شیطان کا"

اس سوال کے جواب میں جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کے علم پاک کی تخفیف و تنقیص کی گئی تھی سامنے جلوہ فرما ہوں۔ اور فرمایا ہو۔ کہ سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ اور جواب دو۔ تو ظاہر ہے۔ کہ گنگوہی صاحب کو سخت مشکل پیش آئی ہوگی۔ اگر کہتے ہیں۔ کہ حضور! آپ کا علم زیادہ ہے۔ تو حضور فرماتے۔ پھر براہین قاطعہ میں تم نے کیا لکھ دیا ہے۔ اور اگر کہتے کہ علم تو ملک الموت اور شیطان کا زیادہ ہے۔ تو پھر "تصویب" نہ ہوتی "تعذیب" ہوتی۔

یہ بات خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ گنگوہی صاحب کو خواب آیا یا نہیں ؟ اور آیا تو کیا اور خواب میں کیا گزری ہاں مولوی صاحب اس روز سے نہایت خوش ہو گئے۔ اور سمجھے تو یہ سمجھے۔ کہ

"اگر سارے عالم میرے خلاف ہوں گے تو ان شاء اللہ حق میری جانب ہوگا"

سارے عالم آپ کے خلاف کیوں ہوں گے۔ آخر آپ سے انہیں کیا ضد ہے ؟ آپ اگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ (معاذ اللہ) شیطان کو عالم مانیں گے۔ تو یقیناً ہر عالم آپ کے خلاف ہوگا۔ سوا اس کے جس کی جماعت میں آپ نے یہ شورش پیدا کی ہوگی۔ اور "ان شاء اللہ حق میری جانب ہوگا" کہہ کر گویا آپ نے خود بھی فیصلہ کر دیا۔ کہ حق کے آپ کی جانب ہونے کا یقین آپ کو بھی نہیں۔ اس لیے کہ ان شاء اللہ کا معنی ہے اگر اللہ نے چاہا۔ تو جس جانب اللہ کے محبوب کے علم کی تنقیص ہو۔ اللہ کب چاہے گا۔ کہ حق اس جانب جائے ؟

ایسی قسمت کہاں کہ جام آتا
بوئے مے بھی ادھر نہیں آتی

ان دیوبندی علماء کا یہ بھی ایک نرالا ڈھنگ دیکھا کہ کتاب لکھی جس میں مسلمانوں کے جذبات سے کھیلا گیا۔ اور جب شورش پیدا ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے جھٹ ایک خواب سنا دیا۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا بھی یہی طریق کار ہے آپ نے ایک کتاب اصلاح الرسوم کے نام سے شائع کی۔ جس میں محفل میلاد شریف کے خلاف بھی لکھا۔ جس سے مسلمانوں میں شورش پیدا ہوئی تو آپ لکھتے ہیں۔

"جب یہ کتاب لکھی گئی تو مجلس میلاد کے متعلق کا نپور میں لوگوں نے بہت شور کیا اسی اثناء میں ایک شخص صالح نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور

اس اختلاف کے متعلق حضور سے دریافت کیا۔ کہ اس میں صحیح کیا ہے۔ تو حضور نے فرمایا۔ کہ اشرف علی نے جو لکھا ہے وہ سب صحیح ہے۔ (وعظ السرور ص۴)

ہم ان خوابوں کے جواب میں مولوی اشرف علی صاحب ہی کا اپنا جواب پیش کرتے ہیں ——

"ایک صاحب نے خط میں اپنا خواب لکھا تھا۔ حضرت نے جواب میں یہ تحریر فرمایا۔ جاگنے کی باتیں لکھو خوابوں کے پیچھے مت پڑو"۔ (مجالس حکیم الامت ص۱۰۹)

دوسروں کو یہ جواب۔ اور اپنے لیے خواب ہی خواب ؂

میں جھوٹ ہی چھپاتا ہوں اپنے عیوب کو
اللہ جانتا ہے کہ جھوٹا نہیں ہوں میں

حکایت ۴۸ محبت کے میدان میں

ایک دفعہ گنگوہی کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے مرید و شاگرد سب جمع تھے۔ اور یہ دونوں حضرات بھی مع بھی مجمع میں تشریف فرما تھے۔ کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا۔ کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما سے گئے۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے۔ اور مولانا کی طرف کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا۔ جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو۔ یہ لوگ کیا کہیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہنے دو۔

(حکایات اولیاء ص۳۳۹ حکایت نمبر ۳۰۵)

سبق

اس حکایت میں حضرت گنگوہی صاحب محبت کے میدان میں نظر آرہے ہیں۔ اور یہ میدان ایسا ہے جہاں ؂

ہم ہیں اور بے خودی و بے خبری
اب نہ زندی نہ یار سائی ہے

دونوں کے مرید و شاگرد جمع ہیں۔ کہ محبت شروع ہو گئی۔ اور محبت آمیز لہجہ میں کہا گیا کہ

"یہاں ذرا لیٹ جاؤ"

ادھر کچھ شرم سی آڑے آگئی۔ مگر پھر وہی اصرار ہوا تو

"بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے"

گویا ہے

چاہ کی چتون مری۔ آنکھ اس کی شرمائی ہوئی

تاڑلی مجلس میں سب نے سخت رسوائی ہوئی

مگر یہ تو کسی خام عاشق کی رسوائی ہوئی ہوگی جس نے اس کا احساس کر کے یہ شعر کہہ دیا۔

یہاں تو پختگی ہے۔ ایسی کہ لٹائے جانے والے نے جب کہا کہ

"میاں کیا کر رہے ہو۔ یہ لوگ کیا کہیں گے"

تو جواب دیا گیا کہ

"لوگ کہیں گے کہنے دو"

جب پیار کیا پھر ڈر نا کیا۔

حضرت گنگوہی صاحب دیوبندی حضرات کے قطب ہیں۔ اور ان کا جو درجہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ ایک صاحب بڑی پریشانی میں مبتلا ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ۔

"تم گنگوہ ہی جاؤ تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ہی کی دعا پر موقوف ہے۔ یہ اور تمام زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔ (حکایات اولیاء ص ۲۵۹)

گویا تمام زمین کے اولیاء سے بڑھ چڑھ کر گنگوہی صاحب کا درجہ ہے۔ اتنے بڑے جلیل القدر ولی اور قطب کا وقار و احترام یقیناً مولوی قاسم صاحب کے دل میں بھی ہوگا۔ مگر جب اس ولی و قطب نے مولوی قاسم صاحب کو چارپائی پر چت لٹا لیا۔ اور عاشق صادق کی طرح اپنا ہاتھ ان کے سینہ پر رکھ دیا۔ تو وہ سارا وقار و احترام جاتا رہا۔ پھر انہوں نے کسی ادب و احترام اور تعظیم کے کسی لفظ سے گنگوہی صاحب کو مخاطب نہیں کیا بلکہ ایسے بے تکلفی

کے وقت میں جن خاص لفظوں سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ وہ لفظ اختیار کیے اور یوں کہا۔

"میاں کیا کر رہے ہو۔ یہ لوگ کیا کہیں گے"

اور گنگوہی صاحب نے بھی جواب انہیں لفظوں سے دیا۔ جن سے ایسے نازک وقت میں عاشق صادق ہی کام لے سکتے ہیں۔ اور کہا۔

"لوگ کہیں گے کہنے دو"

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

خُذِ الْاَمْرَ بِالتَّدْبِیْرِ فَاِنْ رَاَیْتَ فِیْ عَاقِبَتِہٖ خَیْرًا فَامْضِہٖ وَاِنْ خِفْتَ غَیًّا فَاَمْسِکْ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲)

ہر کام تدبیر سے کرو اگر اس کام کے انجام میں بھلائی دیکھو تو کرو۔ اور اگر اس کے انجام میں گمراہی کا ڈر ہو تو رک جاؤ۔"

حضرت گنگوہی صاحب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھتے۔ تو جو کام آپ نے کیا کرنے وقت سوچتے کہ اس کام سے بدگمانی پیدا ہوگی۔ یقیناً طرح طرح کی باتیں ہوں گی۔ اس لیے یہ کام نہ کروں۔ مگر "لوگ کہیں گے کہنے دو" کہہ کر وہی کیا۔ جو دل میں آیا۔ اور کسی کی پرواہ نہ کی۔

حضرت گنگوہی صاحب کے مزاج میں ماشاء اللہ شاعرانہ رنگینی بھی تھی۔ چنانچہ آپ ہی کا ایک اور واقعہ ہے۔

"ایک مرتبہ مولوی یحییٰ صاحب کو کسی کام میں زیادہ دیر لگ گئی تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار پکارا کہ خدا جانے کہاں بیٹھ گئے۔ کیوں کہ اگر مولوی یحییٰ ذرا دیر کو بھی مولانا سے الگ ہو جاتے۔ تو بار بار یاد فرماتے تھے۔ جب مولوی یحییٰ صاحب آئے تو مولانا نے فرمایا ؂

تم آئے ہو نہ وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کاٹا روز گذر جائے گی شب بھی

(حکایات اولیا ص۳۶۰ حکایت نمبر ۳۴۳)

ہم اس شعر پر یہ سبق ختم کرتے ہیں ؎

محبت نے کیا بدنام و رسوا اس قدر مجھ کو
کہ ہر محفل میں میری داستاں دہرائی جاتی ہے

حکایت ۳۹

اور نکاح ہو گیا

(قطب العالم حضرت گنگوہی صاحب نے) ایک بار ارشاد فرمایا - میں نے ایک بار خواب میں دیکھا - کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس (دلہن) کی صورت میں ہیں - اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے - سو جس طرح زن و شوہر کو ایک دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے - اسی طرح مجھے اُن سے اور انہیں مجھ سے فائدہ پہنچا۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۸۹ ج ۲)

سبق

پچھلی حکایت میں گنگوہی صاحب کی جس محبت کا ذکر ہے - آخر وہ محبت رنگ لائی - اور مولوی محمد قاسم صاحب سے حضرت کا نکاح ہو گیا - اور دونوں زن و شوہر کی طرح ہو گئے - اب اس بات کا ڈر نہ رہا - کہ جو یہ لوگ کہ

میاں کیا کر رہے ہو یہ لوگ کیا کہیں گے -

چونکہ ہر شخص جانتا ہے - کہ زن و شوہر کو ایک دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے - اس لئے سب یہی سمجھیں گے - کہ فائدہ پہنچایا جا رہا ہے - حضرت کے ارشاد کے مطابق مولوی محمد قاسم صاحب دلہن تھیں - اور حضرت خود دولہا - نکاح کے ارکان میں سے ایک رکن ایجاب و قبول بھی ہے یعنی دونوں میں سے ایک کہے کہ میں نے اپنے کو تیری زوجیت میں دیا - دوسرا کہے میں نے قبول کیا - اب یہ حضرت گنگوہی صاحب ہی جانیں کہ ایجاب کس جانب سے ہوا - اور قبول کس جانب سے ؟ بہر حال چونکہ نکاح ہوا ہے - اس لیے یا مولوی محمد قاسم صاحب نے کہا ہے - کہ میں نے اپنے کو تیری زوجیت میں دیا - اور حضرت نے قبول فرمایا ہے - یا حضرت نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے کو تیری زوجیت میں دیا - اور مولوی محمد قاسم صاحب نے قبول فرمایا ہے -

نکاح کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے - کہ بہ ایجاب و قبول کم از کم دو گواہ ہوں

کے سامنے ہو۔ یہ بھی حضرت ہی جانیں۔ کہ وہ دو گواہ کون کون سے تھے۔

نکاح میں کچھ امور مستحب بھی ہیں۔ جو یہ ہیں۔ علانیہ ہونا۔ نکاح سے پہلے کوئی سا خطبہ پڑھنا۔ مسجد میں ہونا جمعہ کے دن ہونا۔ عورت عمر۔ مال و عزت میں کم ہو۔ اور چال چلن۔ اخلاق و تقویٰ و جمال میں زیادہ ہو۔ یہ بھی حضرت ہی جانیں۔ کہ یہ نکاح علانیہ ہوا۔ اور نکاح سے پہلے خطبہ پڑھا گیا یا نہیں۔ و مسجد میں ہوا۔ یا اپنی خانقاہ میں۔ اور یہ بات تو حضرت ہی نہیں ہم بھی جان گئے۔ کہ یہ نکاح جمعہ کے دن نہیں ہوا۔ بلکہ رات کو ہوا۔ اور وہ بھی خدا جانے کس دن کی رات کو؟

مولانا رشید احمد صاحب چونکہ قطب العالم تھے۔ اس لیے ان کے پیش نظر یہ سب مستحب امور ضرور رہوں گے۔ اور ان مستحب امور میں سے ایک مستحب امر یہ بھی ہے۔ کہ عورت عمر و عزت میں کم اور چال چلن اخلاق و تقویٰ و جمال میں مرد سے زیادہ ہو۔ اب یہ فیصلہ حضرت قطب العالم کے معتقدین ہی کر سکتے ہیں۔ کہ دونوں میں سے عمر و عزت میں کم کون تھا اور چال چلن اخلاق و تقویٰ و جمال میں زیادہ کون تھا؟

ایک سوال اور بھی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُکَاثِرٌ بِکُمُ الْاُمَمَ"۔

ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی بچہ جننے والی ہو۔ کہ میں تمہارے ساتھ اور امتوں پر کثرت ظاہر کرنے والا ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۹)

حضرت قطب العالم کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی ضرور ہو گا۔ تاکہ زن و شوہر کو جو ایک دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ بار آور بھی تو ہو۔

ایک سوال اور بھی باقی ہے۔ کہ دولہا دلہن نے گواہوں کے سامنے خود ہی ایجاب و قبول کر لیا۔ یا کسی نکاح خواں نے یہ نکاح پڑھایا تھا۔ اگر کوئی نکاح خواں تھا۔ تو وہ کون تھا؟

ہمارے خیال میں وہ نکاح خواں حضرت قطب العالم کے ممدوح جناب پیر ضامن علی جلال آبادی ہوں گے جن کے لئے حضرت قطب العالم نے فرمایا تھا۔

ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۴۲ ج ۲)

یہ پیر ضامن علی صاحب سہارن پور کی رنڈیوں کے پیر تھے (تذکرۃ الرشید ص ۲۴۲)

پھر خیال آتا ہے۔ کہ یہ نکاح خواں کیسے ہو سکتے ہیں۔ جب کہ وہ خود ان رنڈیوں کے پیر تھے جو بغیر نکاح کے ہی عمر گزار رہی تھیں۔ جو پیر اپنی مریدات رنڈیوں کا نکاح نہ پڑھا سکے وہ کسی دوسرے کا نکاح کیسے پڑھا سکتا ہے۔

رہ گیا سوال ولیمہ کا جو سنت ہے۔ حضرت قطب العالم نے ولیمہ کی دعوت ضرور کی ہوگا۔ اور خاطر احباب کیلئے پکایا کیا ہوگا؟ اس کا جواب قطب العالم کے مجموعۂ فتاوی سے چند فتووں میں پڑھ لیجئے۔

سوال: ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں۔ ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں، (حضرت قطب العالم کا جواب سنیے)

جواب: درست ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۵۷۵)

سوال: اوجھڑی کھانا کیسا ہے۔

جواب: اوجھڑی کھانا حلال ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۵۵۱)

سوال: اوجھڑی یعنی آنت اور اس کو جگری بھی کہتے ہیں۔ کہ پیٹ میں ہوتی ہے اور اس میں پیشاب و گوبر رہتا ہے۔ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: اوجھڑی کھانی درست ہے فقط (فتاوی رشیدیہ ص ۵۵۲)

سوال: جس جگہ زاغ معروفہ (کوا) کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو برا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا یا نہ ثواب ہوگا نہ عذاب۔

جواب: ثواب ہوگا۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۵۹۷)

یہ تو سب کچھ ہوا کھانے کے لیے۔ اور پینے کے لیے کیا ہوگا؟ وہ بھی حضرت کے ایک فتوی سے معلوم کر لیجئے۔

سوال: ہندو جو پیاؤ سبیل پانی کی لگاتے ہیں سودی روپیہ صرف کرتے مسلمانوں کو اس کا پانی پینا درست ہے یا نہیں!

جواب: اس پیاؤ سے پانی پینا مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۷۶)

کیا فرماتے ہیں علمائے دیوبند کہ اگر کوئی شخص ہندوؤں کی بھیجی ہوئی پوریاں۔ اور جمعراتی کا قورمہ آنت کا قیمہ اور کوے کا شوربا تیار کر کے اپنے ولیمہ میں بلائے ہوئے احباب کو کھلا دے۔ اور ہندوؤں کی سود کے پیسے سے لگائی ہوئی سبیل کا پانی پلا دے۔ تو کیا اس کا ولیمہ ہو گیا؟ اگر ہو گیا۔ تو آپ سب کو یہ نکاح مبارک ہو۔ جس کی بدولت رنگا رنگ کی غذا آپ کو کھانے کو ملی۔ اور ہندوؤں کے سودی روپے سے لگائی ہوئی سبیل کا پانی پینے کو ملا۔

اگر نہیں ہوا۔ تو کیوں؟ اس کیوں کا اگر جواب دیا گیا۔ تو فتاویٰ رشیدیہ کے مندرجہ بالا جملہ فتووں پر ہندوؤں کی سودی روپے سے لگائی ہوئی سبیل کا پانی پھر جائے گا۔

ان رنگا رنگ کی غذاؤں میں کوا نمبر لے گیا ہے۔ کہ اس کو کھا کر بھوک بھی مٹائیے اور ثواب بھی پائیے اس موقعہ پر میری ایک نظم کے چند شعر پڑھ لیجیے

کوے کو کھا کے بھوک بھی اپنی مٹائیے
اور پھر ثواب واجد بھی اللہ سے پائیے
میلاد کی مٹھائی سے غش کھا گیا ہے یہ
کوے کی یخنی لائیے اس کو پلائیے
بے چین ہے یہ کوے کے قیمے کے واسطے
چاول یہ گیارہویں کے اسے مت کھلائیے

حکایت ۳۰

کنجریوں کے پیر

(مولانا رشید احمد گنگوہی نے) ارشاد فرمایا کہ ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے۔ ایک بار ارشاد فرمایا کہ ضامن علی جلال آبادی کی سہارن پور میں بہت رنڈیاں مرید تھیں ایک بار یہ سہارن پور میں کسی رنڈی کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ سب مریدنیاں اپنے میاں صاحب کی زیارت کے لیے حاضر ہوئیں مگر ایک رنڈی نہیں آئی۔ میاں صاحب بولے کہ فلانی کیوں نہیں آئی۔ رنڈیوں نے جواب دیا میاں صاحب ہم نے اس سے بہتیرا کہا کہ چل میاں صاحب

کی زیارت کو۔ اس نے کہا میں بہت گنہگار ہوں اور بہت روسیاہ ہوں۔ میاں صاحب کو کیا منہ دکھاؤں۔ میں زیارت کے قابل نہیں۔ میاں صاحب نے کہا۔ نہیں جی تم اسے ہمارے پاس ضرور لانا۔ چنانچہ رنڈیاں اسے لے کر آئیں۔ جب وہ سامنے آئی۔ تو میاں صاحب نے پوچھا بی تم کیوں نہیں آتی تھیں۔ اس نے کہا۔ حضرت روسیاہی کی وجہ سے زیارت کو آتی ہوئی شرماتی ہوں۔ میاں صاحب بولے۔

بی تم شرماتی کیوں ہو۔ کرنے والا کون اور کرانے والا کون وہ تو وہی ہے۔

رنڈی یہ سن کر آگ ہو گئی۔ اور خفا ہو کر کہا۔ لاحول ولاقوۃ اگرچہ میں روسیاہ اور گنہگار ہوں مگر ایسے پیر کے منہ پر پیشاب بھی نہیں کرتی۔ میاں صاحب تو شرمندہ ہو کر سر نگوں رہ گئے اور وہ اٹھ کر چل دی۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۴۲)

سبق

اس کنجریوں کے پیر ضامن علی کے لئے قطب العالم مولانا رشید احمد نے پہلے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ

ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے۔

پھر اس کا فنائی التوحید ہونا رنڈیوں کا قصہ بیان کر کے ثابت کیا۔ مولانا رشید احمد نے گویا اپنی خود ساختہ توحید کا اصل روپ دکھا دیا۔

ان حضرات کی توحید وہ ہے جو مولانا اسمٰعیل نے تقویۃ الایمان میں بیان کی ہے کہ "جتنے پیغمبر آئے سو وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو ماننے اور اس کے سوائے کسی کو نہ مانیے" (تقویۃ الایمان ص ۱۴)

حالانکہ جس آیت سے مولانا اسمٰعیل نے یہ فائدہ اخذ کیا ہے۔ اس میں اس بات کا ہرگز کوئی ذکر نہیں۔ چنانچہ وہ آیت یہ ہے۔

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (پ ۱۷ ع ۲)

اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے

کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو مجھی کو پوجو۔"

مولوی اسمٰعیل صاحب نے یہ آیت لکھ کر اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

"فرمایا اللہ تعالیٰ نے یعنی سورہ انبیاء میں اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر کہ اس کو یہی حکم بھیجا کہ بیشک بات یوں ہے کہ کوئی ماننے کے لائق نہیں سوائے میرے۔ سو بندگی کرو میری۔ (تقویۃ الایمان ص۱۹)

یہ غلط ترجمہ کر کے پھر ف کا حرف لکھ کر اپنی طرف سے یہ فائدہ گھڑ لیا۔ کہ "یعنی جتنے پیغمبر آئے سو وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں۔ کہ اللہ کو مانیے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانیے:

یہ ترجمہ غلط اس لیے ہے۔ کہ آیت میں لفظ اِلٰہ ہے۔ جس کا معنیٰ معبود ہے اور فارسی زبان میں اس کا معنیٰ ہے "پرستیدہ شدہ" "پوجا گیا"۔ (منتخب اللغات ص۹۲) اسی لئے آیت کے اختتام میں فَاعْبُدُوْنِ آیا ہے "تو مجھی کو پوجو۔ اور مولوی اسمٰعیل نے بھی اس کا ترجمہ کیا ہے۔ "سو بندگی کرو میری" یہ فَاعْبُدُوْنِ ہی بتا رہا ہے۔ کہ اِلٰہ کا لفظ جو پہلے آیا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے۔ معبود پوجا گیا۔ یا لائق بندگی۔ مگر مولوی اسمٰعیل صاحب نے اِلٰہ کا من گھڑت ترجمہ "ماننے کے لائق" کر کے ف لکھ کر اپنی طرف سے فضول فائدہ گھڑ لیا۔ گویا یہ حرف ف فضول کی طرف اشارہ ہے فائدہ کی طرف نہیں۔

اگر آیت کا یہی معنی ہے۔

کہ کوئی ماننے کے لائق نہیں سوائے میرے

تو پھر فَاعْبُدُوْنِ کا بھی ترجمہ یہ مناسب تھا۔ کہ

سو مجھی کو مانو

مگر مولوی اسمٰعیل نے بھی اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ کہ

سو بندگی کرو میری

یہ لفظ بندگی ہی بتا رہا ہے۔ کہ پیچھے جو ہر پیغمبر پر وحی کئے جانے کا ذکر ہے اس میں یہی حکم ہے۔ کہ میرے سوا کوئی معبود یا بندگی کے لائق نہیں۔

مولوی صاحب کے اس فضول فائدہ کو اگر مان لیا جائے۔ تو پھر ایمان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

"وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا" (پ ۵ ع ۱۷)

اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت
کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا"

دیکھ لیجئے۔ خدا تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے۔ کہ جو اللہ کو نہ مانے۔ اور اس کے فرشتوں۔ کتابوں۔ رسولوں اور قیامت کو نہ مانے۔ وہ گمراہی میں جا پڑا۔ گویا خدا کا حکم یہ ہے۔ کہ اللہ کو بھی مانو۔ اور اس کے فرشتوں کو بھی مانو۔ اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور قیامت کو بھی مانو۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبریل نے پوچھا۔ ایمان کیا ہے۔ تو فرمایا۔

"اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ" (مشکوٰۃ شریف ص ۔)

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور قیامت پر اور خیر و شر کی تقدیر پر بھی ایمان لاؤ۔

کفر کہتے ہیں نہ ماننے کو اور ایمان نام ہے ماننے کا۔ تو خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ جو مجھے نہ مانے اور میرے فرشتوں کو بھی نہ مانے۔ میرے رسولوں اور میری کتابوں کو بھی نہ مانے اور قیامت کو بھی نہ مانے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صاف صاف فرما دیا۔ کہ ایمان یہ ہے کہ اللہ کو بھی مانے فرشتوں اور کتابوں کو بھی مانے۔ اس کے رسولوں کو بھی مانے اور تقدیر کو بھی مانے۔

یہ ہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات۔ ان ارشادات کے ہوتے ہوئے کون کافر ہے جو مولوی اسمٰعیل کی بات مانے۔ مومن وہی ہے جو اللہ کو مانے اس کے فرشتوں کو مانے۔ اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کو مانے۔ قیامت کو مانے مگر مولوی اسمٰعیل کو نہ مانے۔ جب ان کا اپنا یہ وعظ ہے کہ "اللہ کے سوا کسی کو نہ مانے" تو پھر ہم

انہیں بھی کیوں مانیں مولوی اسمٰعیل صاحب کا اگر یہ بے فائدہ فائدہ مان لیا جائے کہ۔

اللہ کو مانے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانے

تو پھر چاہیے۔ کہ کوئی دیوبندی ابن عبدالوہاب کو مانے نہ ابن تیمیہ کو۔ نہ سید احمد بریلوی کو مانے نہ مولوی اسمٰعیل کو۔ مولوی رشید احمد صاحب کو مانے نہ مولوی اشرف علی صاحب کو۔ نہ مولوی محمد قاسم کو مانے نہ مولوی محمود حسن کو۔ بلکہ اس تقویۃ الایمانی وعظ کے پیش نظر کوئی بیٹا نہ اپنے باپ کو مانے نہ ماں کو۔ کوئی بیوی اپنے خاوند کو مانے نہ خاوند اپنی بیوی کو۔ کوئی شاگرد اپنے استاد کو مانے نہ کوئی مرید اپنے پیر کو۔ کوئی نوکر اپنے افسر کو مانے نہ کوئی رعایا اپنے حاکم کو۔ یہ سلسلہ اگر یونہی چل نکلے۔ تو پھر ایمان کے علاوہ نظام عالم ہی تباہ ہو جائے۔ لہٰذا بہتری اور خیریت اسی میں ہے کہ کوئی مولوی اسمٰعیل کی نہ مانے ؎

جو دین و دنیا کی تم بہتری چاہو مسلمانو!
تو اسمٰعیل کی ہرگز نہ کوئی بات بھی مانو

یہ ہے وہ توحید جس میں بقول گنگوہی صاحب پیر ضامن علی غرق تھے۔ اور اسی توحید کی بدولت وہ کنجریوں کے پیر بن سکے کیونکہ کنجریوں کو اسی قسم کی توحید راس آسکتی ہے۔ جس کا یہ معنی ہو کہ اللہ کے سوائے کسی کو نہ مانو۔ شریف عورت کو تو نکاح کے بعد خاوند کو ماننا پڑتا ہے۔ اور کنجری اگر کسی کو قبول کرے اور مان لے۔ تو اسے اپنا دھندا چھوڑنا پڑتا ہے۔ پیر ضامن علی کی توحید کنجریوں کے خلاف نہ تھی انہوں نے کنجریوں کی راہ میں روڑا نہیں اٹکایا بلکہ انہوں تقویۃ الایمانی توحید کا درس دے کر کہ دیکھو تم نے اگر نکاح کر لیا تو گویا تم نے خاوند کو قبول کر لیا اور اسے مان لیا جب کہ توحید یہ ہے کہ اللہ کے سوائے کسی کو نہ مانے۔ ان کی راہ اور کشادہ کر دی اور انہیں اپنی بری روش پر چلنے دیا۔

جو رنڈی اپنی روسیاہی کے پیش نظر میاں صاحب کی زیارت کو نہ آئی۔ اسے باصرار بلایا گیا اور جب وہ شرماتی ہوتی آئی۔ تو قطب العالم مولانا رشید احمد کے ممدوح پیر ضامن نے جو اسے کہا۔ اسے پڑھ سن کر ایک مسلمان کی تو روح کانپ اٹھتی ہے۔ رنڈی کو تسلی دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

بی تم شرماتی کیوں ہو۔ کرنے والا کون اور کرانے والا کون وہ تو وہی ہے۔
تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا
قریب ہے کہ آسمان اس (قول) سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے۔ اور پہاڑ گر جائیں ڈھ کر"

یہ ہے ان حضرات کی توحید۔ کہ اتنے بڑے بڑے اور گھناؤنے فعل کی نسبت رب عزت کی طرف کر دی۔

سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

پاکی اور برتری ہے اس کو ان کی باتوں سے

خدا تعالیٰ خالق شر تو ہے۔ مگر حاشا وکلا وہ فاعل شر ہرگز نہیں۔ اگر اسی طرح ہر برائی کی نسبت (معاذ اللہ) خدا کی طرف کی جانے لگے۔ تو پھر ہر ڈاکو۔ چور۔ قاتل۔ زانی وغیرہ مجرمین بری ہو سکتے ہیں کہ

کرنے والا کون اور کرانے والا کون وہ تو وہی ہے۔

اور ایسے پیر صاحب علی کے اس قول سے ان کنجریوں کو کیا اپنی بدکرداری پر قائم رہنے کا درس نہیں ملا ان کو تسلی دی گئی ہے۔ کہ شرمانے کی کوئی بات نہیں جو کرتا کراتا ہے وہ ہی ہے (معاذ اللہ) تم جس راہ پر چل رہی ہو۔ ٹھیک ہے۔ بے دھڑک چلتی رہو۔ قابل داد ہے وہ رنڈی جو بیچاری اپنی روسیاہی پر شرمسار تھی۔ اور شرم کے مارے میاں صاحب کی زیارت کو نہیں آ رہی تھی۔ مگر جب وہ آ گئی۔ اور اس نے میاں صاحب کے منہ سے رب العزت کے بارے یہ قول بدتر از بول سنا۔ تو ایک رنڈی ہو کر آگ بگولا ہو گئی۔ اور میاں صاحب کے روپ میں شیطان کو دیکھ کر لاحول ولا قوۃ پڑھنے لگی۔ اور یہ کہہ کر اٹھ کر چل دی۔ کہ میں

ایسے پیر کے منہ پہ پیشاب بھی نہیں کرتی

گویا اس نے میاں صاحب کے منہ سے اپنا پیشاب بھی اچھا سمجھا۔ میاں صاحب جو اپنے قول بدتر از بول سے تو شرمندہ نہ تھے۔ اپنے منہ کی یہ ہتک دیکھ کر شرمندہ ہو

کر سرنگوں ہو گئے۔ مجمع رنڈیوں کا۔ اور میاں صاحب سرنگوں۔ یعنی ان رنڈیوں کے آگے سرنگوں اولیاء کرام کی بارگاہوں میں حاضر ہو کر سرنگوں نہ ہونے والوں کا انجام دیکھئے کہ رنڈیوں کی بارگاہ میں سرنگوں نظر آرہے ہیں۔ اچھی رہی تقویۃ الایمانی توحید۔ کہ اپنے ایک علمبردار کو رنڈیوں کے آگے سرنگوں کر دیا۔

یہ ہے سرگزشت کنجریوں کے پیر ضامن علی کی۔ کہ پہلے تو توحید میں غرق۔ پھر کنجریوں کے پیر۔ اور پھر کنجریوں کے آگے سرنگوں ہے

ابتدا سے آج تک ناطق کی ہے یہ سرگزشت
پہلے چپ تھا پھر ہوا دیوانہ اب بے ہوش ہے

یہ تو تھی حکایت اس پیر کی جس کا کردار قطب العالم مولانا رشید احمد نے بیان کیا۔ اب سنیئے وہ حکایت جس میں ایک واقعی پیر کا کردار حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں بیان فرمایا ہے۔ یہ واقعی پیر حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ہیں۔

حضرت بایزید علیہ الرحمۃ کے شہر بسطام میں ایک رنڈی آگئی۔ جس کی وجہ سے شہر کے لوگ بدکرداری کی جانب راغب ہو گئے۔ حضرت بایزید علیہ الرحمۃ کو پتا چلا۔ تو آپ خود ایک رات اس رنڈی کے مکان پر چلے گئے۔ رنڈی حیران رہ گئی۔ کہ بایزید اور میرے پاس؟ حضرت نے فرمایا آج رات میں تمہارے پاس رہوں گا۔ جو چاہو مجھ سے لو۔ مگر شرط یہ ہے کہ میں جو کہوں اس پر عمل کرنا ہوگا۔ رنڈی نے مان لیا۔ اس نے جو مانگا آپ نے دے دیا۔ اور فرمایا۔ اندر جاؤ غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر آؤ۔ وہ گئی۔ غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر آگئی فرمایا۔ لو اب وضو کرو۔ اس نے وضو کیا۔ پھر دو مصلے بچھائے ایک پر آپ کھڑے ہوئے۔ دوسرے پر وہ۔ اور فرمایا جس طرح میں نماز پڑھوں۔ اسی طرح تم بھی پڑھو۔ چنانچہ ادھر حضرت نے نماز شروع کی۔ ادھر رنڈی نے۔ قیام کے بعد رکوع اور رکوع کے بعد جب دونوں سجدہ میں گرے۔

تو حضرت بایزید رو رہے تھے۔ اور رنڈی کا دل دھل رہا تھا۔ سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اور عرض کیا۔

بردرت آوردہ ام من اے خدا
قلبہا قلب طفیل مصطفےٰ

الٰہی۔ تیرے دروازہ تک تو اسے میں لے آیا ہوں۔ اب اس کا دل اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تو بدل دے۔" دعا قبول ہو گئی۔ رنڈی اب رنڈی نہ رہی۔ فوراً اٹھی اور پردہ کے اندر چلی گئی۔ پھر اسے کسی نے نہ دیکھا۔ آئندہ سال حضرت بایزید نے اسے کعبہ معظمہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔

یہ تھے غرق فی التوحید حضرت بایزید۔ کہ رنڈی کی کایا ہی پلٹ دی۔ اب وہ رنگِ پلید میں نہیں رنگِ توحید میں نظر آنے لگی۔ خوب کہا اکبر الہ آبادی نے ؎

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

حکایت ۱۴۱

گنگوہی صاحب کا علم و تصرف

ایک دن امام ربانی دولت کدہ میں تشریف فرما تھے۔ صاحبزادی صاحبہ پاس بیٹھی تھیں کہ آپ کی اہلیہ مرحومہ نے نہایت افسوس ناک لہجہ سے کہا۔ کہ دیکھئے میرے بھائی مولوی ابوالنصر کی جان بھی رہے گی یا نہیں؟ ان پر تو دشمنوں نے سحر کرا دیا۔ اس کلمہ کے سننے سے یکایک حضرت نے اوپر گردن اٹھائی۔ اور خلافِ عادت ایک تیز نظر سے دیکھ کر یوں ارشاد فرمایا۔ کہ

پھر کیا؟ اگر کرایا ہے تو وہ خود ہی نہیں رہے گا اور دوسرا اندھا ہو گیا۔

اندھا ہو گیا۔ ماضی کا صیغہ تھا۔ جو گذشتہ زمانہ میں وقوع کی اطلاع دے رہا تھا حالانکہ صادق علی تندرست اور سالم الاعضا تھا۔ البتہ بھولو کے ایک آنکھ نہ تھی۔ تاہم کانے کو بھی اندھا نہیں کہا جاتا۔ اس لیے صاحبزادی صاحبہ نے تعجب کے لہجہ میں دریافت کیا۔ ابا! اس کے ایک آنکھ تو ہے۔ حضرت قدس سرہ نے جواب دیا۔

ابھی وہ بھی گئی سمجھو اور دوسرا ابھی گیا۔

حضرت کے یہ جوشیلے الفاظ جو پیارے جاں نثار اور سفر کے مخلص خدمت گزار پر دشمن کی ایذا رسانی کے صدمہ سے نکلے تھے خدائی تیر تھے جو نشانہ سے چوکنا جانتے ہی نہ تھے۔ چنانچہ جس روز کا یہ واقعہ ہے۔ اس سے اگلے دن صادق علی کو دفعۃً ہیضہ ہوا۔ جس سے جانبری نہ ہو سکی۔ اس دن زندہ مگر مرض میں مبتلا رہا۔ اسہال و استفراغ نے چین نہ لینے دیا۔ آنکھیں الٹ گئیں۔ چہرہ اور تمام بدن پر میت پھیل گئی۔ اور اگلے دن منوں مٹی کے نیچے پہنچ گیا۔

صادق علی کا ہیضہ میں دفعۃً انتقال کہ چند گھنٹوں میں زمین زیروزبر ہو گئی۔ کہ آج بالائے زمین تھا۔ اور کل زیر زمین۔ ایسے موسم میں واقع ہوا کہ بستی بھر میں اس وبائی مرض کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ ایک ماہ گذرنے نہ پایا تھا۔ کہ صادق علی کا رفیق بھولو جو ایک آنکھ سے معذور تھا۔ دوسری بھی کھو بیٹھا۔ اور نپٹ اندھا ہو گیا۔ یہ ہو بہو دونوں دشمنوں کا یہ حشر ہوا۔ اور مولوی ابو النصر کے مرض میں کمی شروع ہو گئی یہاں تک کہ چند روز میں بالکل تندرست ہو گئے۔

(تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۲۱)

سبق

مولوی رشید احمد صاحب کی اہلیہ کے بھائی مولوی ابو النصر پر جو دو دشمنوں نے جادو کرایا تھا۔ ایک کا نام صادق علی تھا دوسرے کا نام بھولو۔ مؤلف تذکرۃ الرشید نے لکھا ہے۔ کہ یہ دونوں رافضی تھے اور رفض کے سبب سنیوں سے عداوت رکھتے اور سنیوں کو اذیت پہنچانے کو موجب ثواب سمجھتے تھے۔

حکایت میں مذکور ہے۔ کہ مولوی صاحب کی اہلیہ اپنے بھائی کی جان بچانے کی فکر میں براہ راست اللہ کے حضور نہیں گڑگڑائیں بلکہ اپنے خاوند کے حضور پہنچیں۔ اور ان سے عرض کی۔ مولوی صاحب نے بھی اسے یہ نہیں کہا کہ تقویۃ الایمان میں مولانا اسمٰعیل لکھ چکے ہیں کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

"میں تمہارے نفع و نقصان کا کچھ مالک نہیں" تقویۃ الایمان صفحہ ۳۲

اور یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ

"میں آپ ہی کو ڈرتا ہوں اللہ سے درے اپنا کوئی بچاؤ نہیں جانتا سو دوسرے

کو کیا بچا سکوں"۔ تقویۃ الایمان ص۲۳

پھر میں کون ہوں۔ جو تمہارے بھائی کے معاملہ میں کچھ نفع پہنچا سکوں اور اسے بچا سکوں۔ نہیں بلکہ مولوی رشید احمد صاحب نے بڑے طمطراق سے اپنی گردن اٹھائی اور ایک تیز نظر سے دیکھ کر یوں فرما دیا۔ کہ

"پھر کیا؟ اگر کر دیا ہے تو وہ خود ہی نہیں رہے گا اور دوسرا اندھا ہو گا"

اور جب صاحبزادی نے تعجب سے پوچھا۔ کہ ابا! اس کی ایک آنکھ تو ہے۔ تو فرمایا۔

"ابھی وہ بھی گئی سمجھو اور دوسرا بھی گیا"

مولوی صاحب نے گویا ایک کو اندھا کر دینے دوسرے کو مار ڈالنے کا اپنا عزم ظاہر فرمایا۔ ایک کو اندھا کر دینے دوسرے کو مار ڈالنے کا ارادہ مولوی صاحب کا اپنا تھا جسے بہر حال پورا ہو کر رہنا تھا۔ چنانچہ حکایات میں مذکور ہے۔ کہ حضرت کے منہ سے جو جوشیلے الفاظ نکلے تھے۔

خدائی تیر تھے۔ جو نشانہ سے چوکنا جانتے ہی نہ تھے۔

گویا مولوی صاحب کا ارادہ خدائی ارادہ بن گیا۔ اور ان کے جوشیلے الفاظ خدا کا تیر بن گئے۔ اور دونوں دشمن مولوی صاحب کے چلائے ہوئے تیر کا نشانہ بن گئے۔ ایک ہیضہ سے مر گیا۔ دوسرا مکمل اندھا ہو گیا۔ بھولو غالباً پہلے ہی مولوی صاحب کی جلالی نظر میں تھا۔ ایک قسط میں اُسے کانا کر دیا اور دوسری قسط میں مکمل اندھا کر دیا۔ دونوں دشمن مولوی صاحب کے تیروں کا نشانہ بن گئے۔ تو مولوی ابوالنصر تندرست ہو گئے۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ مزاح فرماتے تھے۔

"کہ ولی ہونے میں تو میرے شک نہیں مگر بگاڑنے کا ولی ہوں سنوارنے کا نہیں"۔ (حکایات اولیا ص۳۷۱)

ایک لطیفہ بھی مشہور ہے۔ کہ ایک پاگل نے یہ دعویٰ کیا کہ میں خدا کا چھوٹا بھائی ہوں جیسے کئی لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے بھائی بنتے اور حضور کو بڑا بھائی کہتے ہیں (معاذ اللہ)

اس پاگل کے پاس ایک کانا آدمی آیا۔ جیسے بھولو کانا تھا۔ اور کہا۔ کہ میری کانی آنکھ درست کر دو۔ پاگل بولا۔ درست کرنا بڑے بھائی صاحب کا کام ہے۔ صحیح آنکھ بھی اگر اندھی کرانا چاہو تو میں حاضر ہوں بھولو کانے کے ساتھ بھی یہی کارنامہ ہوا۔

اس حکایت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مولوی رشید احمد صاحب کو پہلے ہی اس بات کا علم تھا۔ کہ ایک دشمن مر جائے گا۔ دوسرا اندھا ہو جائے گا اور مولوی ابوالنصر تندرست ہو جائیں گے۔ حالانکہ ان کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان میں مولوی اسمٰعیل یہ لکھ گئے ہیں۔ کہ قیامت جو یقینی ہے۔ اس کے آنے کے وقت کی کسی کو خبر نہیں۔

"پھر اور چیزوں کے ہونے کی خبر تو کیا ذکر ہے جیسے کسی کی فتح کسی کی شکست کسی کا بیمار ہونا کسی کا تندرست ہونا۔ (تقویۃ الایمان ص ۲۶)

اور تقویۃ الایمان کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب کی رائے یہ ہے کہ

"کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ اور سچی کتاب اور موجب قوت و اصلاح ایمان کی ہے اور قرآن و حدیث کا مطلب پورا اس میں ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۴۲)

مولوی اسمٰعیل صاحب نے کسی کے بیمار ہو جانے یا تندرست ہو جانے کا ذکر اپنی کتاب تقویۃ الایمان کی فصل ثانی فی رد الاشراک فی العلم میں کیا ہے۔ یعنی جو کہے کہ مجھے علم ہے کہ فلاں شخص بیمار ہو جائے گا اور فلاں تندرست ہو جائے گا۔ وہ مشرک ہے۔ اور مولوی رشید احمد نے تقویۃ الایمان کو عمدہ اور سچی کتاب لکھا ہے۔

اور خود گردن اونچی کر کے کسی کے ہیضہ سے مر جانے۔ کسی کے اندھا ہو جانے اور ان کے بعد کسی کے تندرست ہو جانے کا اعلان کر رہے ہیں۔ گویا خود ہی تقویۃ الایمان کے فتوی شرک کی زد میں آ گئے۔

حکایت میں مولوی صاحب کو غیب کی باتوں کا عالم بتایا گیا ہے۔ "وہ خود نہیں رہے گا"

"ابھی وہ بھی گئی" "اور دوسرا بھی گیا" یہ جملے بتا رہے ہیں کہ گذشتہ جمعہ جو کچھ ہونے والا تھا۔ اور غیب تھا۔ مولوی صاحب جانتے تھے۔ "دوسرا اندھا ہو گیا" یہ ماضی کا صیغہ ہے۔ جو گذشتہ زمانہ میں وقوع کی اطلاع دیتا ہے گویا مولوی صاحب کو اپنے علم غیب پر اتنا

یقین تھا کہ جو واقعہ ابھی ہوا نہیں ہونے والا ہے۔ آپ سے کہہ رہے ہیں "ہو گیا" یعنی بعیر اعلم یقینی ہے۔ میں نے جو کہا سمجھو ہو گیا۔ اس حکایت میں اشارۃً مولوی صاحب کا تصرف بھی ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ حکایت میں ہے۔

کہ صادق علی کا ہیضہ میں دفعۃً انتقال کہ چند گھنٹوں میں زمین زیر و زبر ہو گئی کہ آج بالائے زمین تھا اور کل زیر زمین ایسے موسم میں واقع ہوا۔ کہ بستی بھر میں اس وبائی مرض کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔

گویا صادق علی کو مارنے کے لیے زمین کو زیر و زبر کر دیا اور جو موسم ہیضہ کا نہ تھا۔ اُسے ہیضہ کا موسم بنا دیا۔ تذکرۃ الرشید میں ایک عنوان ہی مولوی صاحب کا "تزکیہ و تصرفات" رکھا گیا ہے۔ دیکھئے تذکرۃ الرشید کی فہرست کا صفحہ ق جبکہ صفحہ ۱۳۹ ج ۲ پر مولوی صاحب کا ایک تصرف بیان کر کے لکھا ہے۔ کہ یہ تصرف ہم نے اس لیے بیان کیا ہے۔

"تاکہ معلوم ہو جائے کہ غیر معتقدین پر تصرف کرنے کی قوت حق تعالیٰ نے اسی مقدس گروہ کو عطا فرمائی ہے۔"

گویا دیوبندی علماء کو بالعموم اور مولوی رشید احمد کو بالخصوص تصرف کرنے کی قوت حاصل تھی۔

ادھر تو مولوی رشید احمد کے تصرفات لکھے جا رہے ہیں۔ اور ادھر مولوی اسماعیل صاحب تقویۃ الایمان میں یہ فتویٰ دے رہے ہیں کہ

"اب بھی جو کوئی کسی مخلوق کا عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل سمجھ کر اس کو مانے سو اب اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے" (تقویۃ الایمان ص ۳۲)

تقویۃ الایمان کی بلا نہ صرف سنیوں ہی کے پیچھے پڑی ہوئی ہے دیوبندی علماء بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکے یہ انہی کی غیرت ہے۔ کہ سنی اس بلا سے دور بھاگتے ہیں۔ اور دیوبندی اس کی بلائیں لیتے ہیں۔

اگر کہا جائے۔ کہ مولوی رشید احمد خدا کے مقبول بندے تھے اس لیے انہوں نے جب چاہا کہ صادق علی مر جائے اور جمبو کا ناکمل اندھا ہو جائے تو اللہ نے ان کا چاہا پورا کر دیا۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ مولوی اسمٰعیل نے تو تقویۃ الایمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ

رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان ص ۴۶)

تو پھر مولوی رشید احمد کے متعلق حکایت میں جو کچھ لکھا گیا ہے سب من گھڑت قصہ ہے۔ اور اگر وہ صحیح ہے تو مولوی اسمٰعیل نے جو کچھ لکھا ہے سب غلط ہے۔ تجھ

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

حکایت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مولوی صاحب کو یہ علم تھا۔ کہ فلاں شخص مر جائے گا۔ ان کے الفاظ پڑھیئے۔

وہ خود نہیں رہے گا۔

اور دوسرا بھی گیا۔

چنانچہ صادق علی ہیضہ سے مر گیا۔ اور مولوی صاحب کا علم صحیح ثابت ہوا۔

مولوی صاحب کو کسی کے مر جانے کا بھی علم ہو جاتا تھا۔ اور یہ علم بھی ہو جاتا تھا کہ فلاں فلاں آدمی ابھی نہیں مریں گے۔ چنانچہ حج کو جاتے ہوئے مولوی صاحب جہاز پر سوار ہوئے تو سمندر میں طوفان آگیا۔ اور جہاز خطرے میں پڑ گیا۔

"جہاز کے ناخدا نے اول تو بادبانوں کے ذریعہ سے ہوا کی روک تھام کی مگر جہاز کی حفاظت قابو اور اختیار سے باہر ہو گئی۔ تو مایوس ہو گیا تھک گیا اور یہ الفاظ کہے حاجیو دعا مانگو طوفان آگیا × × سواریوں میں ہل چل پڑ گئی۔ کسی طرف آہ و بکا اور گریہ و زاری اور کہیں وحشت سراسیمگی اور سکوت و تحیر۔ جس کو دیکھئے پریشان حال اور جسے خیال کیجئے مضطرب و خائف اس وقت حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا بھئی کوئی مرے گا تو ہے نہیں۔ ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جا رہے ہیں۔ خود نہیں جا رہے ہے × × تیسرے دن بادل پھٹ گیا ہوا تھم گئی تلاطم کم ہو گیا اور جہاز اپنی اصلی رفتار پر چلنے لگا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۰۵ ج ۱)

"کوئی مرے گا تو ہے نہیں" گویا مولوی صاحب کو علم ہو گیا۔ کہ جہاز میں جتنے لوگ بھی سوار ہیں۔ ان میں سے کوئی نہیں مرے گا۔ مرنے کا بھی علم اور نہ مرنے کا بھی علم مولوی صاحب

کو حاصل تھا۔

مولوی رشید احمد صاحب کو اس بات کا بھی علم ہو جاتا تھا۔ کہ کل یا پرسوں یا تیسرے اور چوتھے روز کیا ہو گا۔ چنانچہ اسی جہاز پر جس کا اوپر ذکر ہوا۔ مولوی صاحب اور دیگر سواریاں سوار ہوئیں۔ تو

"سواریاں سوار ہو کر منتظر تھیں کہ جہاز لنگر اٹھائے آفتاب غروب ہو گیا مگر جہاز نے لنگر نہ اٹھایا۔ انتظار کی تکلیف برداشت ہونی آسان نہیں ہے۔ روانگی میں اتنی تاخیر کا ہونا تھا کہ چاروں طرف پریشانی چھا گئی کہ دیکھئے جہاز کب لنگر اٹھائے گا اور کب روانہ ہو گا اسی حالت پر کئی دن گذر گئے۔ اور لوگوں کا انتشار پر انتشار بڑھتا رہا۔ کئی دن تک کنارے پر بندھے ہوئے جہاز میں بیٹھے بیٹھے سب اکتا گئے۔ حضرت امام ربانی کے سوائے جہاز کا کوئی مسافر ایسا نہ تھا جو کم و بیش پریشان خاطر نہ ہوا ہو۔ حضرت امام ربانی نے جب رفقاء کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ میاں گھبراتے کیوں ہو جہاز چوتھے روز روانہ ہو گا۔ خدا خدا کر کے چوتھا دن آیا۔ تو اس کے پل پل اور لحظہ لحظہ پر مسافروں کی نگاہ تھی۔ کہ دیکھئے آج بھی روانگی ہوتی ہے یا نہیں۔ آخر آدھا دن گذرنے پر بھی جب روانگی کا کوئی اثر و نشان نہ پایا۔ تو لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آج تو چوتھا دن تھا لیجئے آج بھی رہے تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ کپتان نے لنگر کھلوا کر جہاز چھوڑ دیا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۰۵ ج ۱)

مولوی اسمٰعیل صاحب نے تو تقویۃ الایمان میں لکھا ہے۔ کہ پیغمبر خدا کل کی بات نہیں جانتے تھے۔ (تقویۃ الایمان ص ۳۰) مگر مولوی رشید احمد صاحب کو کل کی بات کا علم ہو گیا۔ کہ جہاز کل نہیں جائے گا۔ پرسوں کا بھی علم ہو گیا کہ پرسوں بھی نہیں جائے گا تیسرے روز کا بھی علم ہو گیا کہ تیسرے روز بھی نہیں جائے گا۔ اور چوتھے روز کا بھی علم ہو گیا۔ کہ جہاز چوتھے روز روانہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ عبارت پھر پڑھئے کہ

حضرت امام ربانی کے سوائے جہاز کا کوئی مسافر ایسا نہ تھا جو کم و بیش پریشان

خاطر نہ ہوا ہو۔

گویا سارے مسافروں کو اس امر غیب کا علم نہ تھا۔ کہ جہاز کس دن روانہ ہوگا صرف حضرت امام ربانی ہی کو اس غیب کا علم تھا اسی سبب سے سارے جہاز میں آپ مطلمئن بیٹھے رہے۔

یہ ہے علم مولوی رشید احمد کا اپنا۔ مگر یہی مولوی رشید احمد صاحب براہین قاطعہ میں جو مولوی خلیل احمد کے نام سے شائع ہوئی۔ لکھتے ہیں کہ

حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔

اور اس بے اصل بات کو حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر کے لکھا۔ کہ انہوں نے یہ روایت لکھی ہے کہ حضور نے فرمایا ہے۔ کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ حالانکہ حضرت شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ میں اس بے اصل روایت کو درج کر کے صاف لکھ دیا کہ

ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ اس بات کی کوئی اصل نہیں اور یہ روایت ہرگز صحیح نہیں۔ (مدارج النبوت ص۲)

افسوس ہے حضرت امام ربانی پر —— کہ اپنے علم کا تو گردن اٹھا کر اعلان کریں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی ثابت کرنے کے لیے اس خیانت کا ارتکاب کریں۔ کہ حضرت شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے اس روایت کے بے اصل اور غیر صحیح ہونے کا جو لکھا ہے۔ اسے کتاب میں درج ہی نہ کریں۔

تسکین ہو سکی نہ دل ناشکیب کی
سب ہم پہ کھل گئیں تری باتیں فریب کی

حکایت ۴۲

مولوی رشید احمد صاحب کا ایک وعظ

مولوی نظر محمد خاں خود فرماتے تھے ہمارے کانوں میں یہ بات ڈالی گئی تھی کہ یہ دیوبندی گروہ رسول کا منکر اور بے ادب وہابی گروہ ہے۔ حضرت مولانا کی کرامت تھی کہ وعظ شروع کیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب ہی بیان فرمائے۔ خوش بیانی تو (!)

کی ظاہر ہی ہے مگر اس وعظ میں تو وہ نکات بیان فرمائے۔ کہ بیچارے ... پڑھنے والوں نے خواب میں بھی نہ سنے ہوں گے دل تھا کہ پھول کی طرح کھلا جاتا تھا یہاں تک کہ میں نے والد صاحب سے کہا کہ جناب اگر وہابی ایسے ہوتے ہیں تو میں تو وہابی بن گیا والد نے جواب دیا۔ ہاں بھئی بڑی غلطی میں پڑے رہے اگر یہ لوگ وہابی ہیں۔ تو میں بھی پکا وہابی ہوں۔

(تذکرۃ الرشید ص ۱۳۹/۲)

سبق

اس حکایت سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی۔ کہ جب سے علماء دیوبند وجود میں آئے ہیں۔ اسی وقت سے یہ بات شہرت پکڑ چکی ہے۔ کہ

یہ دیوبندی گروہ رسول کا منکر اور بے ادب وہابی گروہ ہے۔

اور لوگوں کے کان یہی بات سنتے چلے آ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ باپ بیٹے سے کہتا تھا۔

وہابیوں کی صحبت سے بچنا چاہیے (تذکرۃ الرشید ص ۱۳۸/۲)

دوسری بات یہ ثابت ہوئی۔ کہ وہابی ایک ایسا بدنام لفظ ہے۔ کہ جس پر اس کا دھبہ لگ جائے۔ وہ اسے مٹانا چاہتا ہے۔ اور یہ دھبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب بیان کرنے سے ہی مٹ سکتا ہے۔ گویا مناقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہابیت دو متضاد چیزیں ہیں۔ جہاں وہابیت ہے وہاں مناقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ اور جہاں مناقب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہاں وہابیت نہیں۔

تیسری بات یہ ثابت ہوئی۔ کہ مولوی صاحب نے اس وعظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مناقب بیان کئے یہ مولوی صاحب کی کرامت تھی۔ اور کرامت کہتے ہیں۔ خارق عادت امر کو۔ تو گویا مولوی صاحب کی عادت تو یہ تھی کہ وہ کبھی کسی اپنے وعظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب بیان نہیں کیا کرتے تھے۔ اور آج جو اس وعظ میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب بیان کر دیئے۔ یہ ان کی عادت کے خلاف بات تھی اس لئے یہ ان کی کرامت تھی۔ وہ اسے مولوی صاحب کی کرامت کہتے ہیں۔ اور ہم اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ کہتے ہیں جو پتھروں سے بھی اپنا کلمہ پڑھوا لیا کرتے تھے۔

مولوی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب بیان کرنے کے لیے یا تو اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب تجلی الیقین پڑھ لی ہوگی۔ یا کسی دوسرے سنی عالم کی تالیف سے استفادہ کیا ہوگا۔ مزہ تو جب تھا جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مناقب بیان کرتے جو دیوبندی علماء نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔ ہمارے علماء نے اپنی کتابوں میں جو لکھا ہے۔ اس پر ہمیں فخر ہے اور ہم دھڑلے سے وہ بیان بھی کرتے ہیں۔ مگر دیوبندی علماء نے جو کچھ اپنی کتابوں میں لکھ ڈالا ہے وہ یہ لوگ کسی مجمع عام میں بیان تو کر کے دکھیں۔

سب سے پہلے دیوبندی علماء کی بنیادی اور محبوب کتاب تقویۃ الایمان کو اٹھائیے اور دیکھئے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا مناقب لکھے ہیں۔ پہلی منقبت ملاحظہ فرمائیے۔

"جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار (ہوتا ہے) سو ان معنوں کہ ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار ہے۔" (تقویۃ الایمان ص ۴۷)

"ہر پیغمبر" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی آگئی۔ گویا حضور اپنی امت کے ایسے سردار ہیں جیسے قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار۔ دوسری منقبت پڑھیے۔

"اور یہ یقین جان لینا چاہیے۔ کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔" (تقویۃ الایمان ص ۱۹)

"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا" میں انبیاء کرام علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی آجاتے ہیں۔ انصاف فرمائیے۔ کہ کتنی بڑی جرأت اور گستاخی ہے۔

تیسری منقبت پڑھیے۔

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔" (تقویۃ الایمان ص ۴۷)

چوتھی منقبت دیکھئے۔

"اللہ کی شان بہت بڑی ہے۔ سب انبیاء اور اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔" (تقویۃ الایمان ص ۶۳)

"سب انبیاء" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔

پانچویں منقبت پڑھیے۔

"اولیاء ۔ انبیاء ۔ امام و امام زادے پیرو شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں ۔ وہ سب انسان ہی ہیں ۔ اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی ہیں ۔ مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہیں۔" تقویۃ الایمان ص۹۸

گویا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو انبیاء میں شامل ہیں ۔ ہمارے بڑے بھائی ہوئے (معاذ اللہ)

اس قسم کے "مناقب" (گستاخیوں) سے تقویۃ الایمان بھری پڑی ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب پڑھ سن کر مسلمان خوش ہوتے ہیں ۔ اور ان کے ایمان جلا پاتے ہیں ۔ مگر تقویۃ الایمان میں اس قسم کے مناقب لکھ کر خود مولانا اسمٰعیل نے اقرار کیا ۔ کہ

"مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہو گی"

(حکایات اولیاء ص۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب ہوں ۔ اور مسلمان شور مچائیں یہ ناممکن ۔ مولوی اسماعیل کا اپنا اقرار ہے ۔ کہ اس کی اشاعت سے شورش ہوگی ۔ گویا وہ خود جانتے تھے ۔ کہ یہ سب مناقب نہیں لکھے ۔ گستاخیاں کی ہیں تقویۃ الایمان کے علاوہ دیوبندی علماء کی دیگر کتابیں پڑھیئے تو ان میں بھی اسی قسم کے مناقب ملیں گے چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب کی کتاب حفظ الایمان پڑھیئے ۔ تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ منقبت ملے گی

"آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں ۔ تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔" حفظ الایمان ص۸

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو "ایسا علم غیب تو" لکھ کر حیوانوں ۔ چوپایوں ۔ اور بچوں اور پاگلوں کے علم کے ساتھ تشبیہ دے دی (معاذ اللہ)

مولوی محمد قاسم صاحب کی تحذیر الناس پڑھیئے۔ تو اس میں یہ منقبت رسول ملے گی۔

"انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں۔ تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل۔ اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے بلکہ بڑھ جاتے ہیں"۔

(تحذیر الناس ص۵)

مولوی خلیل احمد صاحب کے نام سے شائع کردہ ان کی کتاب براہین قاطعہ پڑھیئے تو اس میں یہ منقبت ملے گی۔

"غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر عالم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص ہے۔ (براہین قاطعہ ص۵۳)

الغرض دیوبندی علماء کی کتابوں میں اسی قسم کے مناقب رسول لکھے گئے ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب اگر اپنے اس وعظ میں اپنے علماء کے لکھے ہوئے مناقب رسول بیان کرتے۔ اور یوں کہتے۔

سامعین کرام سنیئے۔ ہمارے رسول ہمارے ایسے ہی سردار تھے۔ جیسے ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار ہوتا ہے۔ اور ہمارے رسول ساری مخلوق میں بڑے تھے۔ مگر یاد رکھئے اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل تھے۔ اور اللہ کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر تھے۔ وہ بڑے تو تھے مگر پھر بھی انسان ہی تھے مگر جو کم اللہ نے ان کو بڑائی دی تھی۔ اس لئے وہ ہمارے بڑے بھائی تھے۔ حضرات! یہ بھی یاد رکھیئے۔ کہ حضور کو غیب کا علم نہیں تھا۔ اگر بعض غیب باتوں کا انہیں علم تھا۔ تو اس میں ان کی کوئی تخصیص نہیں۔ بعض بعض باتوں کا علم تو بچوں پاگلوں۔ چوپایوں کو بھی ہوتا ہے۔ اور ہمارے رسول کا نام محمد تھا۔ مگر وہ مختار کسی چیز کے نہ تھے۔ وہ ہم سے ممتاز اگر تھے تو علم کی وجہ سے اور عمل میں تو ہم ان کے برابر تو کیا بڑھ بھی سکتے ہیں۔ اور ان کا علم جو بھی تھا ملک الموت اور شیطان کے علم کے برابر نہیں تھا بلکہ کم تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس وعظ میں مولوی رشید احمد صاحب اگر یہ مناقب رسول بیان کرتے۔ پھر دیکھتے:
نہ مولوی نظر محمد خاں اور ان کے والد کیا کہتے۔ یہ کہتے کہ
"اگر وہابی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تو میں تو وہابی بن گیا اگر یہ لوگ وہابی ہیں تو میں بھی
پکا وہابی ہوں"
یا یہ کہتے۔ کہ اگر وہابی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تو وہابیت سے میری ہزار بار توبہ
اگر یہ لوگ وہابی ہیں تو خدا کی پناہ ان وہابیوں سے

مشکل ہے یہ کہ ہو گئے مرا آپ سے نباہ
گستاخیٔ رسول سے اللہ کی پناہ

حکایت ۴۲ کلمہ شریف کی برکت

مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا۔ تو حضرت مولوی رشید احمد کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اس کو اٹھا کر کنوئیں سے پانی کھینچا۔ اور اس میں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا آپ نے فرمایا۔ کہ کنوئیں کا پانی تو کڑوا نہیں میٹھا ہے۔ میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا۔ حضرت نے بھی چکھا۔ تو بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا اس کو رکھیں۔ نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا۔ کہ کلمہ طیب جس قدر جس سے ہو سکے۔ پڑھو۔ اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا۔ بعد میں حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ اس کے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا۔ تو شیریں تھا۔ اس وقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا۔ کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔ (حکایات الاولیاء صفحہ ۲۴۰ حکایت نمبر ۲۸۵)

سبق

مولوی رشید احمد صاحب کے علم کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ آپ کو اپنی مسجد میں بیٹھے

بیٹھے ایک کوڑے بدھنے کی مٹی کا علم ہو گیا۔ کہ یہ قبر کی مٹی ہے۔ یہ بھی علم ہو گیا کہ قبر بھی وہ تھی جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ اور اس سے بھی آگے بڑھے تو یہ بھی علم ہو گیا کہ اب عذاب رفع ہو گیا ہے۔ گویا عالم برزخ میں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب کا علم سب پر حاوی ہے۔ مگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کے متعلق ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں (براہین قاطعہ ص۵۱)

درحقیقت ایسا عقیدہ رکھنے والے بھی اس کوڑے بدھنے کی طرح کوڑے ہی ہیں۔ اور ان کی مٹی بھی لائق عذاب ہے ؎

ارے کھائے تجھ کو تپ سقر ترے دل میں کس سے بخار ہے

کنوئیں کا پانی شیریں تھا۔ مگر ایک عذاب والے بدھنے کے منہ سے نکلا تو اس میں تلخی پیدا ہو گئی جسے خوش ذوق آدمی نہ پی سکا اسی طرح قرآن پاک سراسر رحمت ہے۔ مگر کسی عذاب کے لائق منہ سے نکلا۔ تو اس میں غلط ترجمے و تفسیر کی تلخی پیدا ہو جائے گی جو خوش عقیدہ مسلمان کبھی نہ سن سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ علماءِ اہلِ سنت بدعقیدہ لوگوں کا وعظ سننے سے منع فرماتے ہیں۔

حکایت میں مذکور ہے۔ کہ مولوی رشید احمد صاحب نے سب نمازیوں کو کلمہ طیب پڑھنے کے لیے فرمایا۔ اور اس کے لئے بعد از نماز ظہر کا وقت مقرر کیا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر مولوی صاحب سمیت سب نمازیوں نے مل کر جس قدر پڑھ سکے کلمہ طیب پڑھا پھر دعا مانگی۔ تو کلمہ شریف کی برکت سے اس قبر کا عذاب رفع ہو گیا۔ جس کی مٹی سے یہ بدھنا بنا تھا۔ نہ صرف اس قبر ہی کا عذاب رفع ہوا۔ بلکہ اس بدھنے کی مٹی سے بھی اثر عذاب دور ہو گیا۔ اور اس میں پڑا ہوا تلخ پانی بھی شیریں ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب نے کلمہ طیب پڑھنے کے لئے جو اہتمام کیا۔ کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی نے کبھی کسی روز نمازیوں سے یوں فرمایا۔ کہ آج بعد از نماز ظہر جس قدر ہو سکے کلمہ طیب پڑھو۔ پھر دعا بھی مانگی ہو؟ اگر

نہیں تو انہوں نے ایک بدعت کا ارتکاب کیوں کیا؟ اگر یہ بدعت نہیں۔ تو مسلمان اگر میت کے لیے تیجہ۔ دسویں یا چالیسویں پر چنوں پر کلمہ طیب پڑھیں۔ اور اس سے امید یہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میت پر رحمت فرمائے گا اور اُسے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ تو اسے بدعت کیوں کہا جاتا ہے؟

مولوی اشرف علی صاحب کی اسی تالیف حکایات الاولیاء میں سب سے پہلے جس بزرگ کی حکایات درج ہیں۔ وہ شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا۔ اور اس میں قرآن پاک اور کلمہ طیب بکثرت پڑھا گیا۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں فرمایا ہے۔

"روز سوم کثرت ہجوم مردم آں قدر بود کہ بیروں از حساب است۔ ہشتاد ویک ختم کلام اللہ بہ شمار آمد و زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حصر نیست"۔ تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر تھا۔ قرآن شریف کے اکیاسی ختم شمار میں آئے اس سے بھی زیادہ ہوئے۔ اور کلمہ شریف کا تو شمار ہی نہیں"۔

شاہ عبد العزیز صاحب کے اس ملفوظ سے شاہ ولی اللہ صاحب کا تیجہ ہونا ثابت ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے شاہ عبد العزیز صاحب کا ایک معمول لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

"شاہ عبد العزیز صاحب کا معمول تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبد الرحیم صاحب کے مزارات پر سال بھر میں ایک مرتبہ تشریف لے جاتے۔ آپ کے متعلقین بھی ساتھ جاتے۔ اور وہاں جا کر فاتحہ پڑھتے۔ فاتحہ کے بعد قرآن شریف یا مثنوی کا وعظ فرماتے۔ اور وعظ کے بعد چنے یا الائچی دانے یا اور کچھ تقسیم فرما دیتے تھے" (حکایات الاولیاء ص ۹۰ حکایت نمبر ۲۸)

معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبد الرحیم صاحب کا شاہ عبد العزیز صاحب ہر سال عرس کیا کرتے تھے جو کچھ عرس میں ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ شاہ صاحب کے معمول میں داخل تھا۔

دراصل یہ بزرگانِ دین قرآن امورِ مستحسنہ کے قائل تھے۔ یہ نیا گروپ جو پیدا ہوا ان کا وجود بجائے خود ایک ایسی بدعت ثابت ہوا جس نے ہر امرِ خیر کو بدعت کہنا شروع کر دیا۔

چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب اپنے والد صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔

والد صاحب شاہ ولایت صاحب کے عرس میں دیگ بھیجا کرتے تھے جب میری عملداری ہوئی تو میں نے موقوف کی کہ بدعتیوں کی پرورش ٹھیک نہیں۔

(ملفوظات حسن العزیز صفحہ ۱۱۳)

گویا مولوی صاحب کے والد صاحب جو کام کرتے رہے وہ ٹھیک نہ تھا۔ باپ عمر بھر غلطی ہی رہا۔ بیٹا آیا تو اس نے اس غلطی کو شاید دیگ کھانے والے اگر بدعتی تھے تو بھیجنے والا بھی تو بدعتی ہی تھا۔ اسی بدعتی نے مولوی اشرف علی کی بھی پرورش کی۔ دراصل یہ بھی ٹھیک نہ ہوا اس ایک کی پرورش نہ ہوتی۔ تو کیوں کی پرورش جاری رہتی ہے

ہائے بدبختی عشاق خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آجائے

حکایت ۱۴۴

رحمۃ للعالمین

سوال: لفظ رحمۃ للعالمین مخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں؟

جواب: لفظ رحمۃ للعالمین صفتِ خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔ بلکہ دیگر اولیاء انبیاء اور علماء ربانیین بھی موجبِ رحمتِ عالم ہوتے ہیں۔ اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے۔ تو جائز ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۲۳)

سبق

یہ فتویٰ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا ہے۔ جن کو دیوبندی حضرات قطب العالم اور امام ربانی مانتے ہیں۔ اور خود بھی اپنے آپ کو کسی پیغمبر سے کم نہیں سمجھتے۔

چنانچہ وہ اپنے متعلق اعلان کرتے ہیں۔

"سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔ اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت و نجات موقوف ہے۔ میرے اتباع پر" (تذکرۃ الرشید ص۱۷)

مرزا غلام احمد قادیانی کا بھی یہی دعویٰ تھا۔ چنانچہ اس کا یہ الہام پڑھیئے۔

"خدا تعالیٰ نے حضرت (مرزا) صاحب کو فرمایا کہ جس کو میرا محبوب بننا منظور ہو اس کو تیری اتباع کرنی اور تجھ پر ایمان لانا لازمی شرط ہے۔ ورنہ وہ میرا محبوب نہیں بن سکتا" (رسالہ احمدی نمبر ۵ سنہ ۱۹۱۹ء بحوالہ قادیانی مذہب ص۵۲۷)

دوسری جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

"میری اتباع کے بغیر کسی کو قرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا"

(اخبار الفضل قادیان مورخہ ۲ مئی سنہ ۱۹۳۳ء بحوالہ قادیانی مذہب ص۱۷۱)

حالانکہ قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے۔

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (پ ۳ ع ۱۲)

اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔"

اللہ تعالیٰ تو اپنے محبوب نبی آخر الزمان حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے۔ کہ اے محبوب ان لوگوں سے فرما دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو۔ تو میری اتباع کرو۔ جو تمہاری اتباع کرے گا۔ وہ میرا (خدا کا) محبوب بن جائے گا۔

مگر اس ارشادِ خداوندی کے مقابلہ میں ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی اٹھا۔ اور اپنا یہ الہام پیش کر دیا۔ کہ خدا یوں فرماتا ہے۔ کہ اے مرزا۔

"جس کو میرا محبوب بننا منظور ہو اس کو تیری اتباع کرنی شرط ہے۔ اور یہ کہ میری (مرزا کی) اتباع کے بغیر کسی کو قرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا"

دوسری طرف مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اٹھے۔ اور قسم کھا کر اپنا یہ اعلان شائع کر دیا کہ

سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بہ قسم کہتا ہوں.
کہ میں کچھ نہیں ہوں۔ مگر اس زمانہ میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔

ارشادِ خداوندی میں دو اہم باتوں کا ذکر ہے۔

۱۔ خدا سے تعلق پیدا کرنے کے لیے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہو۔

۲۔ خدا کا محبوب و مقرب بن جانے کے لیے بھی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہو۔

ان دونوں اہم باتوں کو ان دونوں صاحبوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ مرزا صاحب نے خدا کا محبوب و مقرب بن جانے کے لئے اپنا اتباع ضروری قرار دے دیا۔ اور مولوی رشید احمد صاحب نے خدا سے تعلق پیدا کر کے ہدایت و نجات حاصل کرنے کے لئے اپنا اتباع ضروری قرار دے دیا۔ گویا دونوں حضرات ارشادِ خداوندی کے مقابلہ میں ڈٹ گئے تھے۔

نام ہی کا فرق ہے تصویر ہے دونوں کی ایک

قرآن پاک کی آیت مذکورہ میں جو اتباع ہدایت و نجات اور اللہ کا محبوب بن جانے کی ضامن ہے۔ وہ صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ تو جو شخص اس مخصوص اتباع کو بھی اپنے لئے قرار دے لے۔ اور قسم کھا کر کہے۔ کہ "ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر" اس سے کیا بعید ہے۔ کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر خصوصیات اور دوسرے خصائص میں بھی دست اندازی کرنے لگے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ خاصہ "رحمۃ للعالمین" میں بھی انہوں نے یہی کر دار ادا کیا ہے۔ اور لکھ دیا ہے کہ یہ صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔ دوسروں کو بھی رحمۃ للعالمین کہہ سکتے ہیں۔

حالانکہ یہ صفت صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ اس مبارک

صفت سے صرف ایک ہی ذات کو موصوف فرمایا گیا۔ اور وہ ہے ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت سے کسی نبی کو بھی موصوف نہیں فرمایا گیا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرا کوئی بھی رحمۃ للعالمین نہیں ہو سکتا۔ یہ تاج رحمت صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو پہنایا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا بھی شمار کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۸۹/۲)

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں۔

رحمت را نسبت خاص است با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

(مدارج النبوۃ ص ۱۴۸)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا کی تفسیر میں رحمۃ للعالمین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بتا کر آپ کی فضیلت علیٰ سائر الانبیاء ثابت کی ہے۔ (تفسیر کبیر زیر تفسیر تلک الرسل)

امام عز الدین ابن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَمِنْهَا اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهٗ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃً للعالمین

یعنی آپ کے خصائص میں سے ایک خصوصیت آپ کی یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ (جواہر البحار ص ۱۸۹/۱ ج)

محدثین کرام نے حدیث معراج میں معراج کا واقعہ مفصل بیان فرماتے ہوئے گروہ انبیاء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خطبہ عالیہ درج کیا ہے جو آپ نے سارے نبیوں کے خطبات کے بعد دیا۔

شب معراج مسجد اقصیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سارے انبیاء کی امامت فرمائی۔ جماعت ختم ہوگئی۔ تو اس مقدس ہجوم میں سارے انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی شانیں بیان فرمائیں۔ اور سب کے بعد ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شان رفیع کا ذکر فرمایا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فیصلہ کا اعلان فرمایا۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ بِیَدِہٖ وَاَسْجَدَنِیْ مَلٰئِکَتَہٗ وَجَعَلَ الْاَنْبِیَاءَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔

سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے اپنے ید قدرت سے پیدا کیا اور اپنے فرشتوں سے مجھے سجدہ کروایا۔ اور نبیوں کو میری اولاد سے بنایا۔"

حضرت نوح علیہ السلام اٹھے۔ اور فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَجَابَ دَعْوَتِیْ فَنَجَّانِیْ مِنَ الْغَرَقِ بِالسَّفِیْنَۃِ۔

سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے میری دعا سنی اور کشتی کے ذریعے مجھے نجات دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھے۔ اور فرمایا۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا وَّاَعْطَانِیْ مُلْکًا عَظِیْمًا وَاصْطَفَانِیْ بِرِسَالَتِہٖ وَاَنْقَذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَجَعَلَھَا عَلَیَّ بَرْدًا وَّسَلَامًا۔

سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا۔ اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا۔ اور اپنی رسالت کے ساتھ مجھے چنا۔ اور مجھے آگ سے بچایا اور اس کو مجھ پر ٹھنڈا کر دیا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام اٹھے۔ اور فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَلَّمَنِیْ تَکْلِیْمًا وَّاصْطَفَانِیْ بِرِسَالَتِہٖ وَاَنْزَلَ عَلَیَّ التَّوْرَاۃَ۔

سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھ سے کلام فرمایا اور رسالت کے لئے مجھے چنا۔ اور مجھ پر تورات نازل کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام اٹھے اور فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیَّ الزَّبُوْرَ وَاَلَانَ لِیَ الْحَدِیْدَ۔

سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھ پر زبور نازل فرمائی اور میرے لئے لوہے کو نرم فرمادیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اٹھے اور فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَخَّرَ لِیَ الرِّیَاحَ وَالْجِنَّ وَالْاِنْسَ وَعَلَّمَنِیْ مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاَعْطَانِیْ مُلْکًا لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ۔

سب تعریف اس اللہ کے لیئے ہے۔ جس نے ہوا۔ جنوں اور انسانوں کو میرے لئے مسخر کردیا۔ اور مجھے پرندوں کی بولیوں کا علم دے دیا اور ایک بے مثل ملک مجھے عطا فرمایا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام اٹھے اور فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَلَّمَنِی التَّوْرَاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَجَعَلَنِیْ اُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِی الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ۔

سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے تورات وانجیل سکھائی۔ اور مجھے مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کردینے والا اور مردوں کو زندہ کردینے والا بنایا۔

جب سب یہ انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے خطبے پڑھ کر اپنے اپنے خصائص بیان کر چکے۔ تو سب سے بعد ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ آپ سب (انبیاء) تو اپنے رب کی حمد وثنا بیان کر چکے اب میں اپنے رب کی حمد وثنا کرتا ہوں۔ اور فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِیْ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَکَافَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ وَاَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْہِ تِبْیَانُ کُلِّ شَیْءٍ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ اُمَّۃً وَّسَطًا

وَجَعَلَ أُمَّتِي هُمُ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ۔ وَشَرَحَ لِي صَدْرِي وَوَضَعَ عَنِّي وِزْرِي وَرَفَعَ لِي ذِكْرِي وَجَعَلَنِي فَاتِحًا وَخَاتِمًا وَسَمَّانِي رَءُوفًا رَحِيمًا۔

سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے رحمۃ للعالمین یعنی سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ اور تمام آدمیوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ اور جس نے مجھ پر فرقان حمید قرآن مجید نازل فرمایا۔ ایسا قرآن جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ اور جس نے میری امت کو بہترین امت اور امت وسط بنایا۔ اور جس نے میری امت کو جنت میں داخل ہونے میں اول اور دنیا میں آنے میں آخر بنایا۔ اور جس نے میرے لیے میرے سینے کو کھول دیا۔ مجھ سے میرا بار اٹھا لیا اور میرے لیے میرے ذکر کو بلند فرمایا۔ اور مجھے سلسلہ انبیاء کا فاتح و خاتم بنایا۔ اور میرا نام رؤف و رحیم رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اٹھے۔ اور اپنا فیصلہ سنایا کہ

بِهٰذَا فَضَلَكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

انہی کمالات و خصائص کی وجہ سے محمد سب انبیاء سے بڑھ گئے۔

(مواہب لدنیہ ص ۱۸)

ملاحظہ فرمایئے سب انبیاء نے اپنے اپنے خصائص بیان فرمائے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصائص بیان فرمائے۔ اور سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وصف خاص رحمۃ للعالمین ہونا بیان فرمایا۔ اور اس کے بعد پھر دوسرے خصائص کا ذکر فرمایا۔ پس جس طرح حضور کے سوا کوئی اور سارے لوگوں کے لئے بشیر و نذیر نہیں۔ اور جس طرح قرآن بجز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی دوسرے پر نازل نہیں ہوا۔ اور جس طرح حضور کی امت کے سوا اور کوئی امت خیر امت نہیں۔ اور جس طرح حضور کے سوا اور کسی کا شرح صدر۔ وضع وزر۔ اور رفع ذکر نہیں فرمایا گیا۔ اور جس طرح حضور کے سوا اور کسی کو سلسلہ نبوت

کا فاتح اور خاتم نہیں بنایا گیا۔ اور جس طرح حضور کے سوا اور کسی کو رؤف و رحیم نہیں کہا گیا۔ اسی طرح رحمۃ للعالمین بھی بجز حضور کے اور کوئی نہیں۔

امت کے اس متفقہ فیصلہ کے خلاف سب سے پہلی جرأت یا تو مرزا غلام احمد قادیانی نے کی۔ اور اپنا یہ الہام شائع کیا۔ کہ خدا نے مجھ سے فرمایا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ حقیقۃ الوحی صہ ۸۲

یا مولوی رشید احمد صاحب نے یہ جرأت کی اور لکھ دیا۔

"رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء، انبیاء اور علماء ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں۔ اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے تو جائز ہے"

مرزا صاحب نے تو یہ جرأت اپنے لیے کی تاکہ وہ خود رحمۃ للعالمین بن جائیں۔ مگر مولوی رشید احمد صاحب نے یہ جرأت اپنے پیر حاجی امداد اللہ صاحب کے لیے کی۔ تاکہ انہیں رحمۃ للعالمین بنایا جائے۔ چنانچہ جب حضرت حاجی صاحب کی وفات ہوئی۔ اور مولوی رشید احمد صاحب کو پتا چلا۔ تو

مولانا (رشید احمد) کو دست لگ گئے کئی روز تک کھانا نہیں کھایا اس زمانہ میں لوگوں نے اکثر یہی کہتے سنا کہ ہائے رحمۃ للعالمین۔

(قصص الاکابر صہ ۶۶)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت (حاجی امداد اللہ صاحب) کی نسبت بار بار رحمۃ للعالمین فرماتے تھے۔ (قصص الاکابر صہ ۱۰۹)

گویا حاجی صاحب رحمۃ للعالمین تھے۔

حاجی صاحب کے اکثر مریدین اپنی جہالت و بے علمی کی وجہ سے انہیں عجیب و غریب القاب سے یاد کیا کرتے تھے چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب کہتے ہیں۔

"ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں القاب کی جگہ

یہ لکھا ربُّ المشرقین وربُّ المغربین۔ حضرت نے وہ خط حاضرین کو پڑھنے کے لیے دیا۔ اب جو دیکھتا ہے۔ ہنسی کی وجہ سے بیتاب ہو جاتا ہے۔ حضرت کو پڑھ کر کوئی سنا نہ سکتا تھا آخر وہ میرے پاس آیا۔ میں نے ہنسی ضبط کر کے حضرت کو سنایا۔ حضرت بڑے ہی حلیم تھے۔ سن کر فرمایا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ جہل بھی کیا بری چیز ہے۔ پھر اس شخص کی معذوری بیان فرما دی کہ بوجہ بے علمی کے ایسا ہوا۔ (قصص الاکابر ص)

حاجی صاحب جب بقید حیات تھے۔ تو انہوں نے اپنے لیے ربُّ المشرقین وربُّ المغربین کا لقب لکھنے والے کو جاہل اور بے علم قرار دیا۔ اور پہلے لاحول ولاقوۃ الا باللہ بھی پڑھا۔ مولوی رشید احمد صاحب نے ان کی وفات کے بعد انہیں رحمۃ للعالمین کا لقب دے دیا۔ اگر ان کی زندگی میں مولوی رشید احمد صاحب انہیں یہ لقب دیتے تو یقیناً حاجی صاحب پہلے لاحول پڑھتے۔ اور یہی کہتے کہ جہل بھی کیا بری چیز ہے بوجہ بے علمی کے ایسا ہوا مولوی اشرف علی صاحب بھی حاجی صاحب کے مرید ہیں۔ اور دیکھ رہے ہیں کہ پیر کو ربُّ المشرقین و ربُّ المغربین لکھا گیا۔ تو پیر نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا۔ اور لکھنے والے کو جاہل بنایا۔ مگر مولوی اشرف علی نے پیر سے کیا فیض پایا ہو کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے مولوی صاحب کو رسول اللہ کا درجہ دے دیا۔ اور اس نے مولوی صاحب کو لکھا۔ کہ میں خواب میں کلمہ پڑھتا ہوں۔ تو لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کی جگہ حضور کا نام لیتا ہوں۔ یعنی کلمہ اس طرح پڑھتا ہوں: الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ نیند سے بیدار ہوا۔ تو بیداری کے عالم میں درود شریف پڑھنے لگا۔ تو اس طرح اللھم صل علی سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنے مرید کا یہ کلمہ اور درود سن کر نہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا۔ اور نہ اُسے جاہل و بے علم قرار دیا۔ بلکہ اُسے لکھا۔

"اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔" (رسالہ الامداد ص ۳۵ بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ھ)

گویا اپنے مرید کی حوصلہ افزائی اور تائید کردی۔ اور اسے کلمہ و درود دائمی طرح پڑھتے رہنے کی تلقین کردی حاجی صاحب کو رب المشرقین ورب المغربین لکھنے پر سب ہنسی کی وجہ سے بیتاب ہو گئے حتیٰ کہ خود مولوی اشرف علی نے بھی اپنی ہنسی ضبط کر کے وہ خط سنایا۔ مگر جب اپنے لیے رسول اللہ کا لقب سنا۔ تو کوئی ہنسی نہیں آئی۔ اور لکھنے والے کی جہالت و گمراہی بلکہ کفر کا کوئی خیال نہیں آیا۔ بلکہ خوش ہو کر اُسے تسلی دے دی مولوی صاحب کی اس تسلی دہی پر دیوبندی حضرات کو ہنسنا نہیں بلکہ خوب رونا چاہیے۔ کہ حکیم الامت کے پاس ایک مریض آتا ہے جو ایک جان لیوا بدپرہیزی کا مرتکب ہے حکیم صاحب بجائے اس کے کہ اُسے اس بدپرہیزی کے نقصانات سے آگاہ کریں۔ اور سختی سے اُسے روکیں کہ وہ آئندہ ایسی جان لیوا بدپرہیزی سے باز رہے اسے تسلی دے دیتے ہیں کہ جس حکیم کے تم زیر علاج ہو۔ وہ بڑا ماہر حکیم اور واقفِ حکمت ہے۔

ظاہر ہے۔ کہ یہ حکیم اگر واقعی واقفِ حکمت ہوتا۔ تو اسے جان لیوا بدپرہیزی سے روکتا۔ اسی طرح مولوی اشرف علی صاحب اگر واقعی متبع سنت ہوتے۔ تو اپنے مرید کو ایمان لیوا کلمہ سے روکتے۔

مولوی رشید احمد صاحب نے بھی اپنے پیر سے کچھ فیض نہ پایا۔ پیر تو ایسے القاب پر لاحول پڑھتا اور ایسے القاب دینے والوں کو جاہل و بے عمل قرار دیتا ہے۔ مگر مرید ہیں۔ کہ پیر کو رسول اللہ بھی کہہ رہے ہیں۔ اور رحمۃ للعالمین بھی اور پیر ہیں کہ ان الفاظ کو دوسروں پر بول دینے کو جائز قرار دے رہے ہیں۔

ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ دیوبندی حضرات امت مرزائیہ کے خلاف کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اس لئے کہ ہر وہ قابل اعتراض بات جو مرزائیوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ خود دیوبندی حضرات میں بھی موجود ہے۔ دیکھئے مرزا غلام احمد نے کہا کہ

آنحضرت ہی خاتم الانبیاء ہیں اور اب کسی دوسرے کا نام نبی رکھا جائے
تو اس سے آنحضرت کی شان میں کوئی فرق بھی نہیں آتا۔

(قول مرزا اخبار الحکم قادیان ۱۷۔ اپریل ۱۹۰۳ء۔ بحوالہ قادیانی مذہب ص ۱۴۲)

کوئی دیوبندی اگر مرزا صاحب کے اس قول پر اعتراض کرے۔ تو اُسے امت مرزائیہ کی طرف سے یہ جواب ملے گا۔ کہ آپ کے مولانا محمد قاسم نے بھی تو تحذیر الناس میں یہی کچھ لکھا ہے کہ

بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (تحذیر الناس ص ۲۵)

مرزا محمود احمد پسر مرزا غلام احمد نے لکھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا پیدا نہ ہونا۔

یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی قدر کو ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ ایک نبی کیا میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے۔ (انوار خلافت ص ۶۲ بحوالہ قادیانی مذہب ص ۱۷۴)

کوئی دیوبندی اگر مرزا محمود کی اس تحریر پر اعتراض کرے۔ تو امت مرزائیہ کی طرف سے اُسے جواب ملے گا کہ اپنے مولوی اسمٰعیل کی کتاب تقویۃ الایمان بھی پڑھی ہے یا نہیں۔ جس میں یہ لکھا ہے کہ

اس شہنشاہ (خدا) کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبریل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر پیدا کر ڈالے۔ (تقویۃ الایمان ص ۳۵)

مرزا محمود نے بھی خدا کی قدرو شان بیان کی ہے۔ اور مولوی اسمٰعیل نے بھی خدا کی شان ہی بیان کی ہے۔ نظر بد دور۔ دونوں صاحبوں کی ایک ہی شان ہے۔

محمد اسمٰعیل قادیانی نے اپنے رسالہ درود شریف میں لکھا۔ کہ

حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) پر درود بھیجنا بھی اسی طرح ضروری ہے جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجنا ازبس ضروری ہے۔

(رسالہ درود شریف ص ۱۳۶ بحوالہ قادیانی مذہب ص ۲۰۱)

کوئی دیوبندی اگر اس تحریر پر اعتراض کرے تو امت مرزائیہ سے اُسے جواب ملے گا کہ

اپنے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب کے اس مرید کو یاد کیجئے۔ جس نے عالم بیداری میں یہ درود پڑھا تھا۔

اللھم صل علی سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی

(رسالہ الامداد صفحہ ۳۵)

اور مولانا اشرف علی یہ درود سن کر خوش ہوئے اور پڑھنے والے کو تسلی دی تھی۔

مرزائیوں نے لکھا کہ

حضرت مسیح موعود نام کام اور مقام کے اعتبار سے گویا آنحضرت صلعم کا ہی وجود ہیں۔ اور آپ میں اور آنحضرت صلعم میں ایک ذرہ بھر بھی فرق نہیں۔

(اخبار الفضل یکم جنوری ۱۹۱۶ء بحوالہ قادیانی مذہب صفحہ ۱۹۳)

کوئی دیوبندی اگر اس گستاخی پر اعتراض کرے۔ تو امت مرزائیہ سے اُسے یہ جواب ملے گا کہ اپنے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب کا بیان بھی تو پڑھو۔ وہ کہتے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ میں رسول رہے ہیں۔ (قصص الاکابر صفحہ ۸۷)

مولوی اشرف علی صاحب نے یہ تو اپنے پیر کے متعلق لکھا اور اپنے استاذ مولوی محمد یعقوب صاحب کے متعلق یہ لکھا کہ میں نے یہ بات خود مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے۔ فرماتے تھے۔

کہ جب میں نے حدیث شروع کی تو مجھے بداہتہً معلوم ہوا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متحد ہوں۔ (قصص الاکابر صفحہ ۸۷)

مرزا غلام احمد نے لکھا کہ

جو میری جماعت میں شامل ہوا در حقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱)

کوئی دیوبندی اگر اس جرأت پر اعتراض کرے۔ تو امت مرزائیہ سے اسے یہ جواب ملے گا۔ کہ اپنے مولوی اسمٰعیل کے پیر سید احمد بریلوی کے متعلق تم لوگوں نے جو لکھا ہے۔

وہ بھی تو پڑھو۔ تم نے لکھا ہے۔

آپ کے (سید احمد کے) بڑے خلیفوں میں مولوی عبدالحی اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید ہیں۔ یہ دونوں بزرگ بمنزلہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے آپ کے خلفاء راشدین سے تھے۔ (سوانح احمدی ص ۱۸۶)

مرزا بشیر احمد پسر مرزا غلام احمد قادیانی اپنے والد مرزا صاحب کے لباس کی سادگی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"کپڑوں کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کوٹ صدری ٹوپی عمامہ رات کو اتار کر تکیہ کے نیچے ہی رکھ لیتے اور رات بھر تمام کپڑے جنہیں محتاط لوگ شکن اور میل سے بچانے کو الگ جگہ کھونٹی پر ٹانگ دیتے تھے۔ وہ بستر پر سر اور جسم کے نیچے لے جاتے اور صبح کو ان کی حالت ایسی ہو جاتی۔ کہ اگر کوئی فیشن کا دلدادہ اور سلوٹ کا دشمن ان کو دیکھ لے تو سر پیٹ لے۔ (سیرۃ المہدی ص ۱۲۸/۲

بحوالہ قادیانی مذہب ص ۹۵)

کوئی دیوبندی اگر مرزا صاحب کی اس بدذوقی سادگی پر اعتراض کرے۔ تو اسے جواب ملے گا۔ اپنے حکیم الامت کا لباس بھی تو دیکھئے۔ اشرف السوانح کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ

جب شملہ جانا ہوا۔ اور حضرت والا وعظ فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حسب معمول کپڑے بالکل سادہ تھے لیکن صاف ستھرے۔ ایک تو تعلیم یافتہ نے منتظم جلسہ سے جو ایک ریاست کے کرنیل تھے اور ان کے دوست تھے۔ چپکے سے بطور طعن کے کہا۔ کہ تمہارے علماء کا لباس کیسا ہے۔ جیسے ابھی پاخانہ سے نکل کر آئے ہوں۔ (اشرف السوانح ص ۱۱۶/۱)

یہی سوانح نگار ایک دوسرا واقعہ لکھتا ہے کہ

سہارنپور کے اسٹیشن پر حضرت والا ریل گاڑی کے انتظار میں پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے ایک ڈلیا رکھی ہوئی تھی۔ جس میں کھیرے تھے۔ سہارنپور کے کھیرے مشہور ہیں کسی نے ہدیۃً دیئے تھے۔ ایک دیہاتی

ادھر سے گذرا تو کیا پوچھتا ہے۔ کہ بھیڑے کس بھاؤ دیئے۔ (اشرف السوانح ص۱۹۱)
گویا دیہاتی نے حضرت والا کا لباس دیکھ کر انہیں بھیڑے فروش سمجھ لیا۔

مرزا صاحب کو دستوں کی بیماری تھی۔ ان کو اکثر دست آتے رہتے تھے حتیٰ کہ ان کا انتقال بھی دست و قے سے ہوا۔ مرزا بشیر احمد پسر مرزا غلام احمد لکھتے ہیں۔ کہ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔
کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کو پہلا دست کھانا کھانے کے وقت آیا تھا۔ مگر اس کے بعد تھوڑی دیر تک ہم لوگ آپ کے پاؤں دباتے رہے اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے۔ اور میں بھی سو گئی۔ لیکن کچھ دیر کے بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالباً ایک دو دفعہ حاجت کے لیے آپ پاخانہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے زیادہ ضعف محسوس کیا تو آپ نے ہاتھ سے مجھے جگایا۔ × × × × × اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا × × × اس کے بعد ایک اور دست آیا = × سو لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ پشت کے بل چارپائی پر گر گئے۔ (سیرۃ المہدی ص۱۰۹ بحوالہ قادیانی مذہب ص۱۲۶)

اگر کوئی دیوبندی مرزائیوں سے کہے۔ کہ تمہارے مسیح موعود کو دست لگ جایا کرتے تھے۔ تو اس مرزائیہ کی طرف سے اسے جواب یہ ملے گا۔ کہ تمہارے قطب العالم کو بھی تو دست لگ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ حاجی صاحب کی وفات کی خبر پاکر
مولانا رشید احمد صاحب کو دست لگ گئے کئی روز تک کھانا نہیں کھایا۔

(قصص الاکابر ص۹۶)

تذکرۃ الرشید کے مولف مولوی عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مولوی رشید احمد صاحب حج سے واپسی پر جہاز پر سوار ہوئے تو آپ کو دست جاری ہوئے اور اتنی تعداد میں کہ گنتی دشوار ہو گئی۔

آپ کے ہمراہ ان کے ماموں زاد بھائی مولوی ابو النصر صاحب تھے۔ مولوی ابو النصر صاحب ان کے تیمار داری کرتے رہے۔ مولوی رشید احمد صاحب کو دستوں کے علاوہ خارش کی بھی بیماری تھی۔ مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ابو النصر نے میری ایسی خدمت

کی کہ

مثل مادر شفقہ اپنی گود میں لے کر پاخانہ پیشاب کراتے تھے۔ مولوی ابو النصر صاحب کے کپڑے ہمیشہ خارش کی پیپ اور لہو میں بھر جاتے اور اکثر پاخانہ پیشاب میں بھی لوث ہوتے تھے۔ لیکن مولوی صاحب مردانہ وار اپنے کپڑے اور بدن اور نیز حضرت قدس سرہ کا بدن اور کپڑے روزانہ دھوتے اور کچھ کراہت نہ کرتے۔ گویا پاخانہ کو صندل اور پیشاب کو گلاب بنالیا تھا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۰۹ ج ۱)

مرزا صاحب کو صرف دستوں کا عارضہ تھا۔ یہاں خارش بھی تھی۔ ایک اور بات میں بھی مرزائی یقیناً پیچھے رہ گئے۔ کسی مرزائی نے مرزا صاحب کے دستوں کو صندل اور پیشاب کو گلاب نہیں سمجھا۔ یہ شرف حضرت قطب العالم کے معتقدین ہی کو حاصل ہوا۔ کیا تماشہ ہے کہ شبرات کا حلوہ اور محرم کا شربت تو حرام۔ اور مولوی رشید احمد کا پاخانہ و پیشاب صندل و گلاب۔ طیب و طاہر کھانوں کو حرام کہنے والوں کو سزا یہ ملی۔ کہ پاخانہ و پیشاب کو صندل و گلاب سمجھو۔ اور صندل و گلاب کا کھانا پینا حلال و جائز ہے۔ دیوبندی حضرات کو یہ شعر پڑھنا چاہئے۔

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے

کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے

مرزا صاحب نے اپنا یہ الہام شائع کیا کہ خدا نے مجھ سے فرمایا ہے۔
وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (حقیقۃ الوحی ص ۸۲)

اور دعوی کیا۔ کہ میں رحمۃ للعالمین ہوں۔

کوئی دیوبندی اگر مرزا صاحب کے اس دعوی پر اعتراض کرے اور کہے کہ تمہارے مرزا صاحب نے یہ کیوں کہا کہ میں رحمۃ للعالمین ہوں۔ تو امت مرزائیہ سے اسے یہ جواب ملے گا۔ کہ تمہارے ہی قطب العالم مولوی رشید احمد کا یہ فتوی ہے۔ کہ رحمۃ للعالمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت خاصہ نہیں یہ لفظ دوسروں پر بھی بولنا جائز ہے لہذا اس فتوی کے مطابق ہمارے مرزا صاحب رحمۃ للعالمین ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مرزائیوں نے جتنا فائدہ دیوبندی علماء سے حاصل کیا ہے۔ اتنا

فائدہ وہ سرسید سے بھی حاصل نہیں کر سکے۔ البتہ مرزائیہ کو یہ حق حاصل ہے۔ کہ وہ دیوبندی علماء سے یوں کہے ۔

حیرت کدے ہیں خوشی کا گذر کہاں
تم آگئے تو رونق کاشانہ ہو گئی

خدا تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنا رب العالمین ہونا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے لئے فرمایا۔

الحمد للہ رب العالمین

اور اپنے محبوب کے لئے فرمایا۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔

خدا نے رب العالمین صرف اپنی ذات کو فرمایا ہے اور رحمۃ للعالمین صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے لہذا جو خدا کو رب العالمین مانتا ہے وہ کبھی کسی دوسرے کو رب العالمین ماننے کا نہ کہے گا۔ اسی طرح جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین مانتا ہے۔ وہ کبھی کسی دوسرے کو رحمۃ للعالمین ماننے کا نہ کہے گا۔ یہ حوصلہ مولوی رشید احمد صاحب ہی کا ہے۔ کہ جس کو چاہو رحمۃ للعالمین کہہ لو۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ اپنے لئے اعلان یہ کرتے ہیں۔ کہ

سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔

حالانکہ ان کا یہ اعلان بھی بجائے خود حق نہیں۔ حق تو وہ ہے جو حق تعالیٰ نے بیان فرمایا۔ کہ میں رب العالمین ہوں اور میرا محبوب رحمۃ للعالمین۔

اس اپنے اعلان سے مولوی رشید احمد صاحب کا مقصد یہ ہے کہ لوگ کہیں کہ مولوی صاحب ہمیشہ حق ہی بولتے ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے اور اگر ایسا کسی نے کہہ بھی دیا۔ تو تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ اس دنیا میں بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو قطعی جھوٹوں کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب ہی سے کسی نے سوال کیا ہے جس کا مولوی صاحب نے جواب دیا ہے۔ کہ

سوال: بعض شخص کہتے ہیں کہ فرعون جھوٹ نہ بولتا تھا۔ اس کی کیا اصل ہے

جواب: فرعون کا سب مذہب جھوٹا اور باطل انا ربکم الاعلیٰ خود کذب صریح ہے۔

(فتاوی رشیدیہ ص۱۱)

اس سوال سے معلوم ہوا۔ کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو فرعون کو جھوٹا نہیں سمجھتے۔ اور یہی سمجھتے ہیں۔ کہ اس کی زبان سے حق ہی نکلتا تھا۔ اور اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ حق وہی ہے جو ہماری زبان سے نکلتا ہے۔

فرعون کے جھوٹا ہونے کی دلیل مولوی رشید احمد صاحب نے یہ دی ہے کہ وہ انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا تھا۔ جو کذب صریح ہے۔ بالکل درست واقعی اس کا یہ دعویٰ کہ انا ربکم الاعلیٰ کذب صریح ہے۔ لیکن یہ تم کہتے ہیں۔ فرعون خود تو اپنے اس قول کو حق ہی سمجھتا تھا۔ اسی طرح آج بھی اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ حق وہی ہے جو میری زبان سے نکلتا ہے۔ تو وہ خود اپنے دعویٰ کو حق سمجھتا ہے۔ ہم یہی کہیں گے کہ یہ کذب صریح ہے۔

پیغمبر کی مبارک زبان کے سوا کسی دوسرے کی ایسی زبان ہو کہ حق وہی ہو جو اس زبان سے نکلے بالکل غلط اور کذب صریح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد سنیئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا۔ یاد کر لینے کی نیت سے لکھ لیتا تھا۔ قریش نے مجھے منع کیا کہ تم ہر بات جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو۔ حالانکہ کبھی غصہ کی حالت میں بھی آپ کے منہ سے کچھ نکل جاتا ہے۔ یہ سن کر میں لکھنے سے رک گیا۔ اور یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ تو حضور نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ۔

لکھا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس منہ سے جو بھی نکلے گا حق ہی ہو گا۔ (ابوداؤد مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۱۵۷ ج۲)

افسوس کہ مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے منہ کو اتنا چڑھایا۔ کہ اسے پیغمبر کے منہ کا درجہ دے دیا ہے

سنتا نہیں ہے بات کسی کی تو اے صنم
تجھ کو ترا غرور نہ جانوں کرے گا کیا

حکایت ۴۵

پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ

یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جس میت کے واسطے پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے وہ جنتی ہے۔ پس اگر دوسرے روز پڑھتے ہیں تو دوجا۔ اور تیسرے روز پڑھیں۔ تو تیجا علیٰ ہذا القیاس چوتھیا وغیرہ ہیں۔ اور اس کو علماء بدعت کہتے ہیں۔ پس اب میت کو ثواب کس طرح پہنچایا جاوے۔

(ج) جس وقت میت پر جمع ہوتے ہیں۔ اس کی تجہیز و تکفین کے واسطے وہاں جو لوگ کاروبار میں مشغول ہیں۔ وہ اپنے کاروبار میں رہیں۔ اور باقی کلمہ پڑھے جاویں جس قدر ہو جائے اور باقی مقدار کو اپنے اپنے گھر پڑھ دیویں۔ کوئی حاجت اجتماع کی بھی نہیں۔ حدیث میں ایک جلسہ میں پڑھنا یا جمع ہو کر پڑھنا تو نہیں ذکر ہوا۔ پڑھنا فرمایا ہے جس طرح ہو پڑھ دیوے۔

(تذکرۃ الرشید ص ۱۴۰)

سبق

اس سوال کے جواب میں مولوی صاحب بڑی مشکل میں پڑ گئے ہیں۔ دوجا۔ تیجا سے بچنے کی خاطر "پہلا" میں پھنس گئے ہیں۔ فرماتے ہیں جب لوگ تجہیز و تکفین کے لیے آئیں۔ جو لوگ کاروبار میں مشغول ہیں۔ وہ کاروبار میں رہیں۔

"اور باقی کلمہ پڑھے جاویں جس قدر ہو جائے اور باقی مقدار کو اپنے اپنے گھر پڑھ دیویں کوئی حاجت اجتماع کی بھی نہیں حدیث میں ایک جلسہ میں پڑھنا یا جمع ہو کر پڑھنا تو نہیں ذکر ہوا۔ پڑھنا فرمایا ہے۔ جس طرح ہو پڑھ دیوے"

گویا پہلے روز ہی پچھتر ہزار کلمہ طیبہ پڑھ دیوے۔ مولوی صاحب کی یہ اپنی ذاتی رائے ہے۔ ورنہ حدیث میں یہ بھی ہرگز ذکر نہیں ہوا کہ جو لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہیں وہ اپنے کام میں رہیں اور باقی کلمہ پڑھے جاویں جس قدر ہو جاوے اور باقی مقدار اپنے اپنے گھر پڑھ دیویں۔ حدیث میں صرف پڑھنا فرمایا ہے جس طرح ہو پڑھ دیوے۔ حدیث میں مطلق پڑھنے کا ارشاد ہو اور مولوی صاحب اس مطلق کو پہلے دن ہی مقید کر دیں۔ یہ اسی اصول

کے مطابق بدعت ہے۔ جس اصول پر وہ دوجا و تیجا کو بدعت کہتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ مولوی صاحب کے اس جواب کے مطابق ان کے معتقدین پہلے دن ہی پچھتر ہزار کلمہ طیبہ پڑھ لینا ضروری قرار دے لیں گے۔ ورنہ وہ دوجا تیجا میں پھنس جائیں گے۔ دوجا تیجا کے عامل تو ان دنوں کو ضروری ہرگز نہیں سمجھتے۔ مگر مولوی صاحب نے اپنے معتقدین کے لیے پہلا دن ضروری قرار دیا ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا ہے۔ کہ

حدیث میں ایک جلسہ میں پڑھنا یا جمع ہو کر پڑھنا تو ذکر نہیں ہوا پڑھنا فرمایا ہے جس طرح ہو پڑھ دیوے۔

حدیث میں اگر اس بات کا ذکر نہیں ہوا۔ تو یقیناً اس بات کا بھی ذکر نہیں ہوا۔ کہ ایک جلسہ میں پڑھنا یا جمع ہو کر پڑھنا ممنوع ہے۔ پڑھنا فرمایا ہے۔

جس طرح ہو پڑھ دیوے۔

اگر پہلے دن ہو سکے پہلے دن پڑھ دیوے۔ دوسرے دن ہو سکے دوسرے دن پڑھ دیوے تیسرے دن ہو سکے تیسرے دن پڑھ دیوے۔ یہ جملہ "جس طرح ہو پڑھ دیوے" صاف ظاہر کر رہا ہے۔ کہ ایک ہی آدمی سے ہو سکے تو ایک آدمی ہی پڑھ دیوے۔ ایک جلسہ میں پڑھنا ہو سکے تو ایک جلسہ میں پڑھ دیوے۔ اور اگر جمع ہو کر پڑھنا ہو سکے۔ تو جمع ہو کر پڑھ دیویں۔ "جس طرح ہو پڑھ دیوے" کا یہی معنی ہے۔

حدیث میں پچھتر ہزار کی تعداد آئی ہے۔ اور اتنی بڑی تعداد کو پڑھتے ہوئے یاد رکھنا بھی ایک اہم امر ہے۔ مولوی صاحب نے یہ تو کہہ دیا کہ پہلے دن فارغ لوگ کلمہ پڑھتے رہیں جس قدر بھی ہو جائے۔ اور باقی مقدار کو اپنے اپنے گھر پڑھ دیویں۔ یہ کیسے معلوم ہو کہ فارغ لوگوں نے کس قدر کلمہ طیبہ پڑھا۔ اور باقی مقدار کتنی ہے۔ جسے اپنے اپنے گھر پورا کرنا ہے۔ مولوی صاحب نے اس کا حل نہیں بتایا۔

پچھتر ہزار کلمہ طیبہ پڑھنے کی روایت کے علاوہ ایک دوسری روایت ایک لاکھ پانچ ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنے کی بھی ہے جسے مولانا محمد قاسم نے تحذیر الناس کے صفحہ ۳۴ پر درج کیا ہے۔ اس باب میں مختلف روایات ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں کلمہ طیبہ پڑھنے کے

شمار کے لیئے کوئی ذریعہ چاہیئے۔ اگر اس قدر کنکریاں۔ گٹھلیاں۔ یا اتنے منکوں کی تسبیحاں جمع کی جائیں۔ تو اس میں بڑی دقت ہے۔ کہ گھر میں ماتم ہو جائے۔ اور گھر والے لاکھ کنکریاں۔ یا لاکھ گٹھلیاں جمع کرتے پھریں۔ اس لیئے ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیئے ساڑھے بارہ سیر چنے منتخب کر لیئے گئے۔ کیونکہ اتنے چنے ایک لاکھ ہو جاتے ہیں۔ تین دن تعزیت کے ہوتے ہیں لوگ تعزیت کے لیئے آتے ہیں۔ آنے والے بجائے اس کے کہ دنیا کی باتوں میں مشغول ہوں۔ ان چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھتے رہیں۔ تیسرے دن تک سارے چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھا جا سکے گا۔ اور آسانی سے اس روایت پر عمل ہو جائے گا۔ جو میت کے لیئے بخشش کا سبب بن جائے گا۔

چنوں کے انتخاب میں ایک فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ بعد پڑھنے کے انہیں ابال کر حاضرین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس طرح ان سے شمار بھی ہو گیا۔ اور صدقہ بھی ہو گیا۔ اگر ابالے نہ جاتے۔ تو انہیں پھینک دیا جاتا۔ یا گھوڑے کی خوراک بنتے۔ اس طرح ان کی بے حرمتی ہوتی۔ یہ سارے قواعد و ضوابط مصلحت کی خاطر ہیں۔ کوئی انہیں فرض و واجب یا ضروری نہیں سمجھتا۔ ہاں مولوی رشید احمد صاحب کے فتویٰ کے مطابق پہلے ہی دن پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھنا ضروری ہو گیا ہے اور وہ بھی بغیر کسی قاعدہ و ضابطہ کے۔ جو مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ پہلے ہی دن فارغ لوگ یا پچھتر ہزار کنکریاں جمع کریں۔ یا گٹھلیاں۔ یا پھر قلم دوات لے کر کلمہ پڑھتے جائیں اور لکھتے جائیں۔ کہ کہاں تک پڑھا گیا اور کتنا باقی ہے مولوی رشید احمد صاحب کا یہ پچھتر ہزاری فتویٰ ان کے معتقدین کے لیئے بھی ناقابل عمل ہے۔ اور وہ ضرور کہیں گے۔ ؏

کہیں باز آیا محبت سے اٹھا لو پاندان اپنا

حکایت ۳۶

مالک و مختار

حضرت مولانا (رشید احمد) کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ آپ کا نام بھی مشتبہ اور قابل اخذ مجرموں کی فہرست میں درج ہو چکا ہے۔ اور آپ کی گرفتاری و تلاش میں دوڑ آیا جا سکتی ہے۔ مگر آپ کو وہ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے۔ اور سمجھے ہوئے تھے۔

کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا۔ تو سرکار (انگریز) مالک ہے اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔

(تذکرۃ الرشید ص ۸۰ ج ۱)

سبق

سب سے پہلے یہ دیکھئے۔ کہ مولانا رشید احمد کو دیوبندی حضرات نے درجہ کیا دے رکھا ہے اور ان کے القاب کیا کیا ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے۔

قدوۃ العلماء زبدۃ الفقہاء فخر المحدثین قطب العالم	تذکرۃ الرشید کا ٹائٹل
بخاری وقت۔ بو حنیفہ عصر	تذکرۃ الرشید ص ۹۲ ج ۱
بشکل انسان فرشتہ	تذکرۃ الرشید ص ۹۹ ج ۲
یوسف ثانی	تذکرۃ الرشید ص ۲۲ ج ۱
امام ربانی۔ مخدوم العالم مقتدائے اہل اسلام	تذکرۃ الرشید ص ۳۰۵ ج ۲
مستجاب الدعوات معاذ و ملاذ خلق اللہ	صفحہ مذکورہ
ولی دعوث وسیلہ حاجات برایا	صفحہ مذکورہ
قطب الارشاد	تذکرۃ الرشید ص ۳۰۶ ج ۲
حجۃ اللہ فی الارض	صفحہ مذکورہ
عالم باللہ مخدوم العالم	تذکرۃ الرشید ص ۳۰۷ ج ۲
قطب صمدانی	تذکرۃ الرشید ص ۳۷ ج ۱
قطب وقت شیخ زمن	تذکرۃ الرشید ص ۴۱ ج ۱
نائب رسول گنگوہی محدث	تذکرۃ الرشید ص ۹۷ ج ۱
دین و دنیا کا آقا	تذکرۃ الرشید ص ۸۳ ج ۱
قطب الہند۔ مجدد وقت علمائے زمانہ کے سرتاج علامہ	تذکرۃ الرشید ص ۹۳ ج ۱
مخدوم المطاع الجلیل	تذکرۃ الرشید ص ۱۱۴ ج ۱
مخدوم و مطاع نیاز منداں	تذکرۃ الرشید ص ۱۱۵ ج ۱

دستگیر درماندگان رہنمائے راہ گم گشتگان — تذکرۃ الرشید صـ ۱۲۳

مولانا۔ مقتدانا سیدنا — تذکرۃ الرشید صـ ۱۲۹

آں غواص بحر طریقت آں صدف لآلی طریقت وشریعت عالم وعامل محدث وفقیہ کامل زین عصرہ فخر دہرہ قطب الارشاد سالک مناہج الرشاد مرشد رشید ذی رائے سدید حجۃ اللہ فی الارض مقبول بارگاہ احد — تذکرۃ الرشید صـ ۲

اسی طرح کے القاب سے کتاب تذکرۃ الرشید بھری پڑی ہے۔ ہم نے چند ایک القاب درج کئے ہیں۔ انہی کو جمع کرکے سوری صاحب کا نام لکھا جائے تو یوں لکھا جائے گا۔

قدوۃ العلماء زبدۃ الفقہاء فخر المحدثین قطب العالم بخاری وقت ابو حنیفہ عصر۔ ابو یوسف ثانی بشکل انسان فرشتہ امام ربانی قطب صمدانی مخدوم العالم مقتدائے اہل اسلام مستجاب الدعوات معاذ وملاذ خلق اللہ۔ ولی وغوث وسیلہ حاجات برای قطب الارشاد حجۃ اللہ فی الارض عالم بالامین مخدوم العالم۔ قطب وقت شیخ زمن نائب رسول گنگوہی محدث۔ دنیا ودین کا آقا۔ قطب الہند۔ مجدد وقت علمائے زمانہ کے سرتاج علامہ مخدوم المطاع الجلیل۔ مخدوم و مطاع بنیازمنداں۔ دستگیر درماندگان رہنمائے رہ گم گشتگان۔ آں غواص بحر طریقت آں صدف لآلی طریقت وشریعت۔ عالم وعامل۔ محدث وفقیہ کامل۔ زین عصرہ فخر دہرہ قطب الارشاد سالک مناہج الرشاد۔ مرشد رشید۔ ذی رائے سدید مقبول بارگاہ احد۔
مولانا ومقتدانا وسیدنا رشید احمد صاحب۔

نام صرف رشید احمد۔ اور القاب ہیں کہ شب ہجراں سے بھی زیادہ طویل۔ ان القاب کا چوتھائی حصہ بھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب لکھ دیئے جائیں تو یہ لوگ شرک کے تیر برسانے لگتے ہیں۔ اور ان کے مولانا اسماعیل سید ھاسنانے لگتے ہیں۔

"کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو سو ان میں بھی اختصار ہی کرو۔ اور اس میدان میں منہ زور گھوڑے کی طرح مت دوڑو۔"

تقویۃ الایمان صـ ۷۱

دیو بندی حضرات سے اپیل ہے۔ کہ وہ ٹھنڈے دل سے مولانا رشید احمد کے القاب ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کہ ان کی تعریف کے میدان میں منہ زور گھوڑے کی طرح کون دوڑ رہا ہے۔ کتنا ظلم ہے کہ مولانا رشید احمد کے لیے اس قدر القاب۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو یوں کہ

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" تقویۃ الایمان ص ۴۴

یہ مولانا اسماعیل نے لکھا ہے۔ صرف محمد لکھا۔ حتیٰ کہ ساتھ درود شریف صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں لکھا اور دیوبند میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت القاب ملتے مذکور ہیں۔ یہ لوگ سن بھی نہیں سکتے۔ اگر سن لیں تو تنگ ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ع

اے کہئے تجھ کو تپ سقر تیرے دل میں کس سے بخار ہے

ان لوگوں کی بیباکی دیکھئے۔ کہ گنگوہی صاحب کو یوسف ثانی لکھ کر انہیں یوسف علیہ السلام کی طرح ثابت کیا۔ اور معاذ اللہ ذخلق اللہ لکھ کر انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال پر بٹھانے کی جرأت کر ڈالی کیونکہ معاذ اللہ خلق اللہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ الغرض مولانا رشید احمد کو اتنا چڑھایا کہ آسمان پر لا بٹھایا۔ دوسری طرف دستگیر درماندگان نے اپنے آپ کو اتنا گرایا کہ انگریزی حکومت کو اپنی سرکار مان لیا امام ابو حنیفہ تو عزم کا کوہ وقار بن کر حاکم وقت کے سامنے ڈٹ گئے تھے ایک یہ ابو حنیفہ عصر ہیں جو موت کا خطرہ بھانپ کر کتنی لجاجت سے اقرار کر رہے ہیں کہ

"میں حقیقت میں انگریزی سرکار کا فرماں بردار رہا ہوں۔ اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے۔ اسے اختیار ہے جو چاہے کرے"

یہ ہے تقویۃ الایمان کے ماننے والوں کی دینوی سزا۔ کہ

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

اس بات کے ماننے والے کو کافر و مشرک انگریز کو مالک بھی ماننا پڑا۔ اور مختار بھی گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نہ کسی چیز کے مالک ہیں نہ مختار۔ اور انگریز مولانا رشید احمد کی جان کا مالک بھی ہے اور اسے یہ اختیار بھی ہے۔ کہ چاہے تو مولانا کو مار ڈالے۔

بقول تقویۃ الایمان۔

"رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا" تقویۃ الایمان ص ۲۲

مگر انگریز کے چاہنے سے مولوی صاحب مر بھی سکتے ہیں۔

مولانا رشید احمد نے خود لکھا ہے کہ

سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔

(تذکرۃ الرشید ص ۱۷)

اور یہاں زبان سے یہ نکلا ہے۔ کہ میں حقیقت میں انگریز سرکار کا وفادار ہوں۔ اور انگریز سرکار مالک بھی ہے مختار بھی۔ وہ چاہے تو مولانا کو جان سے مار بھی سکتی ہے۔ گویا یہی حق ہے کہ مولانا رشید احمد انگریزوں کے فرمانبردار تھے اور وفادار۔ اور انگریز ان کے مالک تھے اور مختار۔

اپنا اپنی قسمت ہے۔ کوئی انگریز کو مالک کہہ رہا ہے۔ اور کوئی خوش قسمت یوں فرما رہا ہے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

کوئی انگریز کو اپنا آقا مان رہا ہے۔ اور کوئی خوش نصیب یوں فرما رہا ہے۔

جس کی مرضی خدا نہ ٹالے
میرا ہے وہ نامدار آقا

ہے ملک خدا پہ جس کا قبضہ
میرا ہے وہ کامگار آقا

مولانا رشید احمد کے القاب میں سے ایک لقب آپ کا "مخدوم العالم" بھی ہے۔ مگر انگریز شاید "عالم" سے خارج تھے۔ جو ان کے خادم نہ بن سکے بلکہ خود مولانا کو ان کا فرمانبردار بننا پڑا۔

ایک لقب آپ کا "انسان کی شکل میں فرشتہ" بھی ہے۔ حالانکہ فرشتے

لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔

جو اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔

کے مطابق اللہ کے فرمانبردار رہتے ہیں۔ مگر اس فرشتے نے انگریز کی فرمانبرداری کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا الغرض مولانا رشید احمد انگریز کے فرمانبردار اور وفادار رہے۔ اور مولانا کے فرمانبردار دیوبندی حضرات بھی انگریزوں کے فرمانبردار اور وفادار رہے اور ہیں۔ اور یہ پروپیگنڈا کہ دیوبندی حضرات نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔ اسی طرح غلط اور جھوٹ ہے۔ جس طرح یہ کہنا۔ کہ سنیوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد نہیں کیا۔ الحمدللہ سنیوں میں کوئی ایسا نہیں۔ جس نے یوں کہا ہو۔ کہ میں حقیقت میں سرکار (انگریز) کا فرمانبردار رہا ہوں۔ اور کوئی ایسا نہیں۔ جو مولانا رشید احمد کا فرمانبردار ہو یعنی جب ان کا فرمانبردار نہیں۔ تو انگریز کو وہ کیسے سرکار مان لیتا۔ اور اسے مالک و مختار کہتا۔

مولانا رشید احمد اور ان کے فرمانبردار انگریزوں کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑے چنانچہ جب مسلمان انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو دیوبندی حضرات نے ان مجاہدین کو باغی کہا۔ ملاحظہ فرمایئے۔ تذکرۃ الرشید صفحہ ۷۴ پر لکھا ہے۔

بعض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحمدل گورنمنٹ (برطانیہ) کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔

اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رکھئے۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی سرکار برطانیہ کا فرمانبردار اور وفادار رہا ہے۔ اس نے فخر کے ساتھ لکھا تھا۔ کہ

مجھے اس گورنمنٹ (برطانیہ) کی پر امن سلطنت اور ظل حمایت میں دل خوش ہے۔ (براہین احمدیہ صفحہ ۲۳۱)

"تذکرۃ الرشید میں" امن و عافیت کا زمانہ" لکھا ہے۔ اور براہین احمدیہ میں "پر امن سلطنت" لکھا ہے گویا منزل دو اور بات ایک

مرزا صاحب نے پھر اعلان کیا۔ کہ

میں گورنمنٹ برطانیہ کا سچا خیر خواہ ہوں (تبلیغ رسالت صفحہ ۱۹۶)

مولانا رشید احمد صاحب نے کہا کہ "میں حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں" اور مرزا غلام احمد نے کہا "میں گورنمنٹ برطانیہ کا سچا خیر خواہ ہوں" منہ دو اور بات ایک۔ شاید اسی لئے مرزا صاحب کو مولانا رشید احمد سے عقیدت بھی رہی ہے۔ چنانچہ مولف تذکرۃ الرشید لکھتا ہے۔ کہ

مرزا غلام احمد قادیانی جس زمانہ میں براہین احمدیہ لکھ رہے تھے اور ان کے فضل وکمال کا اخبارات میں چرچا اور شہرہ تھا۔ حالانکہ اس وقت تک ان کو حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد) سے عقیدت بھی تھی۔ اس طرف کے جانے والوں سے دریافت کیا کرتے تھے۔ کہ حضرت مولانا اچھی طرح ہیں؟ اور دہلی سے گنگوہ کتنے فاصلہ پر ہے راستہ کیسا ہے؟ غرض حاضری کا خیال بھی معلوم ہوتا تھا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۲۸ ج ۲)

مرزا صاحب نے انگریزوں کی خاطر مسلمانوں سے ٹکر لی اور انہیں جہاد سے روکا۔ مولانا رشید احمد نے بھی انگریزوں کی خاطر مجاہدین کے ساتھ جنگ کی اور ان کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ چنانچہ مولف تذکرۃ الرشید لکھتا ہے کہ

ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا۔ کہ حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلحضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب ونیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے۔ کہ بندوقچیوں (انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے والوں) سے مقابلہ ہو گیا یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا۔ اور سرکار پر جان نثاری کے لیے تیار ہو گیا۔ اللہ رے شجاعت وجوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے۔ وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے۔ گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱)

ناظرین کرام! اس واقعہ کو پڑھ کر کون کہہ سکتا ہے۔ کہ دیوبندی علماء و اکابر کے بزرگوں نے انگریز کے خلاف جہاد کیا۔ جب کہ یہ حضرات انگریز کا پیر جمانے کی خاطر اس کی حمایت میں مجاہدین کے سامنے اٹل پہاڑ کی طرح پیر جما کر ڈٹ گئے۔ اور سرکار برطانیہ پر جان نثاری کے لئے تیار ہو گئے۔ افسوس کہ اس پروپیگنڈہ سے آج دنیا میں سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر دکھایا جا رہا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

حکایت ۴۷

حلوہ۔ ٹٹو۔ اور لوٹا

ایک طالب علم تھے ولی محمد بیچارے بہت مسکین اور پارسا شخص تھے۔ جو تھوڑا سا خرچ ان کے گھر سے آیا کرتا۔ بس اسی میں گذر کیا کرتے تھے۔ کیسی ہی ضرورت ہو کبھی دوست یا ہم جماعت تک سے ذکر نہ کرتے تھے۔ ایک بار مکان سے خرچ آنے میں دیر ہوگی۔ اور ان کو ایک یا دو فاقہ کی نوبت پہنچی۔ مگر انہوں نے کسی سے ذکر کیا نہ کسی صورت یہ حال بظاہر ہوا۔ اسی حالت میں صبح کے وقت بغل میں کتاب دبائے پڑھنے کے واسطے حضرت (مولانا رشید احمد) کی خدمت میں آ رہے تھے۔ کہ راستے میں حلوائی کی دکان پر گرم گرم حلوہ بک رہا تھا یہ کچھ دیر وہاں کھڑے رہے کہ کچھ پاس ہو تو کھائیں۔ مگر پیسہ بھی نہ تھا اس لئے صبر کر کے چلے گئے اور خانقاہ میں پہنچے۔ حضرت گویا ان کے منتظر ہی بیٹھے تھے۔ سلام کا جواب دیتے ہی فرمایا۔ مولوی ولی محمد! آج تو حلوہ کھانے کو ہمارا جی چاہتا ہے۔ لو یہ چار آنے لے جاؤ۔ اور جس دکان سے تم کو پسند ہو۔ وہیں سے لاؤ۔ غرض مولوی ولی محمد اسی دکان سے حلوہ خرید کر لے گئے۔ اور حضرت کے سامنے رکھ دیا حضرت نے ارشاد فرمایا۔ میاں ولی محمد میری خوشی یہ ہے کہ اس حلوہ کو تم ہی کھالو۔ تو مولوی ولی محمد صاحب اس قصہ کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ کہ حضرت کے سامنے جاتے مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قلب کے وساوس اختیار میں نہیں اور حضرت ان پر مطلع ہو جاتے ہیں۔

(تذکرۃ الرشید صـ ۳۲)

سبق

اس حکایت میں بتایا گیا ہے۔ کہ مولوی ولی محمد کے دل کا خیال وارادہ اور حلوہ کھانے کی نیت سب مولانا رشید احمد پر روشن تھی۔ ولی محمد کے آتے ہی سلام کا جواب دینے کے بعد پہلی بات یہی فرمائی۔ کہ مولوی ولی محمد آج تو حلوہ کھانے کو ہمارا بھی جی چاہتا ہے۔ لو یہ چار آنے لے جاؤ اور جس دکان سے تم کو پسند ہو وہیں سے لائیو۔

حکایت نگار لکھتا ہے۔

حضرت گویا ان کے منتظر ہی بیٹھے تھے۔

یعنی مولوی ولی محمد کی حلوہ کھانے کی نیت آپ کو معلوم ہو چکی تھی۔ اور آپ یہ بھی دیکھ چکے تھے۔ کہ وہ کس دکان پر کھڑا للچا رہا ہے۔ اسی لئے فرمایا۔

جس دکان سے تم کو پسند ہو وہیں سے لائیو۔

چنانچہ ولی محمد چار آنہ کا حلوہ لایا۔ اور حضرت کے سامنے رکھ دیا۔ اور حضرت نے اپنے قول سابق

مولوی ولی محمد آج تو حلوہ کھانے کو ہمارا بھی جی چاہتا ہے۔

کی تکذیب کر کے فرمایا کہ ہم نہیں کھائیں گے تم ہی کھالو۔

ولی محمد حلوہ کھا کر پھر حضرت کے سامنے جانے سے ڈرنے لگا کہ دل کے وساوس پر اختیار نہیں۔ خدا جانے کس کس چیز کی خواہش پیدا ہو۔ اور حضرت کو ان وساوس و خواہشات کا علم ہو جائے اور مجھے شرمندہ ہونا پڑے۔

یہ علم ان حضرت کا بتایا جا رہا ہے۔ جنہوں نے براہین قاطعہ پر تقریظ لکھ کر اس بات کی بھی تصدیق کی جو براہین قاطعہ کے ص۵۱ پر لکھی گئی ہے کہ

حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو معاذ اللہ ایک دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ ہو۔ اور مولانا رشید احمد کو خانقاہ سے حلوائی کی دکان تک کی بیچ کی حائل کئی دیواروں کے پیچھے کا بھی علم ہو جائے۔ کہ ولی محمد اس دکان پر کھڑا ہے۔ اور ولی محمد کے دل کے اندر کی نیت کا بھی

علم ہو جائے۔ کہ حلوہ کھانے کی نیت سے کھڑا ہے

تذکرۃ الرشید میں رجسٹی کرامات کے زیرِ عنوان مولانا کی اس قسم کی اور بھی بہت سی کرامات لکھی ہیں۔ چنانچہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ

مولانا علی رضا صاحب حضرت کے شاگرد ہیں۔ فرماتے ہیں۔ کہ زمانہ طالب علمی میں مجھے ایسا مرض لاحق ہوا کہ وضو قائم نہ رہتا تھا۔ بعض نماز کے لئے تو کئی کئی بار وضو کرنا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ فجر کی نماز کو بندہ سویرے مسجد میں آ گیا۔ سردی کا موسم تھا۔ اور اس دن اتفاق سے جاڑہ بھی زیادہ تھا بار بار وضو کرنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی جی چاہتا تھا کسی طرح جلد نماز سے فراغت ہو جائے۔ تقدیری بات کہ حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد) نے اس دن معمول سے بھی کچھ زیادہ دیر لگائی میں کئی مرتبہ سخت سردی میں وضو کرنے سے بہت پریشان ہوا۔ اور وسوسہ گذرا۔ کہ ایسی بھی کیا حنفیت ہے حضرت ابھی اسفار ہی کے منتظر ہیں۔ اور ہم وضو کرتے کرتے مرے جاتے ہیں۔ لحظہ دو لحظہ کے بعد ہی حضرت تشریف لائے۔ اور جماعت کھڑی ہو گئی۔ فراغت کے بعد حسبِ معمول دیگر اشخاص کے ہمراہ میں بھی حضرت کے پیچھے پیچھے حجرہ شریف تک گیا۔ جب سب لوگ لوٹ گئے۔ اور حضرت نے دروازہ بند کرنا چاہا تو مجھے پاس بلا کر ارشاد فرمایا۔ کہ بھائی یہاں کے لوگ نماز فجر کے واسطے تاخیر کر کے آتے ہیں۔ اس وجہ سے میں بھی دیر کر کے آتا ہوں۔ یہ فرما کر حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اور میں ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ (تذکرۃ الرشید صـ۲۲۴)

گویا مولانا کو اس کے وسوسہ کا علم ہو گیا۔ اور اس کے وسوسہ کو دور کرتے ہوئے مولانا نے اپنی حنفیت کا پردہ بھی فاش کر دیا۔ علی رضا بچارہ اپنی سادگی سے مولانا کے دیر سے آنے کو مولانا کی حنفیت پر پختگی سمجھتا رہا۔ مگر مولانا نے اس کی وجہ یہ بتائی۔ کہ چونکہ لوگ دیر سے آتے ہیں۔ اس لیے میں بھی دیر سے آتا ہوں۔ یعنی میں حنفیت کا تابع نہیں لوگوں کا تابع ہوں۔ اور سنیئے۔

منشی نثار علی اور گوہر خاں ملازم پلٹن ۲۵ رخصت لے کر بارادۂ بیعت لکھنؤ
سے گنگوہ روانہ ہونے تیار ہوئے۔ روانگی پر سواری تک آ کھڑی ہوئی۔ اتفاق سے
کسی حاکم کی آمد کا تار آیا۔ اور عین وقت پر ان کو افسر کے حکم سے رکنا پڑا۔ دس
دن کے بعد فارغ ہو کر گنگوہ پہنچے تو حضرت نے صاف ارشاد فرمایا۔ کہ تم دونوں
صاحب فلاں روز روانہ ہونا چاہتے تھے۔ مگر روک لئے گئے تھے اور جب
کھانا دستر خوان پر آیا۔ تو فرمانے لگے۔ کہ آپ کے ساتھ دو ٹٹو بھی تو ہیں۔ آخر
وہ بھی میرے مہمان ہیں اول ان کو گھاس دانہ پہنچنا چاہیئے۔ حالانکہ دونوں
کے ٹٹوؤں پر سوار ہو کر آنے کی اطلاع آپ کو کسی آدمی نے نہیں دی تھی۔

(تذکرۃ الرشید ص ۲۲۴)

اور سنیئے۔

ایک بار حضرت کے ایک خادم نے حاضر آستانہ ہو کر مصافحہ کیا آپ حجرہ میں تھے
ان کے بیٹھتے ہی حضرت نے فرمایا پہلے اپنا اسباب لا کر سامنے کے حجرہ میں
رکھ دو۔ ایک خادم نے عرض کیا بھی کہ اسباب میں لے آیا ہوں آپ نے فرمایا
نہیں بھائی اپنا اسباب آپ ہی خوب دیکھا جاتا ہے۔ اس اشارہ پر وہ اٹھے
اور خادم کا لایا ہوا اسباب دیکھا۔ تو لوٹا نہیں تھا۔ سواری واپسی کی تھی مگر
اتنا غنیمت تھا کہ دوسری جگہ جا ٹھہری تھی ابھی کوئی نہ تھی۔ آخر بدقت اگلے دن
لوٹا دستیاب ہوا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۲۵)

ان حکایات میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ حضرت کی نگاہ علم گنگوہ سے لکھنؤ تک جا پہنچتی تھی۔
لوٹے اور ٹٹوؤں تک کی آپ کو خبر ہو جایا کرتی تھی اور ٹٹو بھی آپ کی مہمانی کا شرف حاصل کیا
کرتے تھے۔

ایک واقعہ اور پڑھیئے۔

حافظ عبدالحفیظ صاحب میرٹھی تاجر بمبئی فرماتے ہیں کہ میں اپنی اہلیہ کو بمبئی لے
جانا چاہتا تھا۔ گنگوہ حاضر ہوا۔ تو مشورۃً حضرت سے قصد ظاہر کیا۔ بیساختہ آپ

نے فرمایا۔ کیا مرنے کے واسطے لئے جاتے ہو؟ یہ بیچارے کیا سمجھتے۔ کہ مطلب کیا ہے؟ دوبارہ پھر عرض کیا۔ کہ حضرت وہاں مجھے تکلیف بہت ہوتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اچھا لے جاؤ۔ مگر عید تک گھر پہنچا دینا۔ غرض وہاں سے رخصت ہو کر اور اہلیہ کو لے کر بمبئی پہنچے۔ چونکہ حضرت کا ارشاد یاد تھا اس لئے عید سے پہلے میرٹھ پہنچا دیا چند ہی روز بعد دفعۃً مبتلائے مرض ہوئی اور دارِ فانی سے رحلت کر گئی۔ اس وقت خیال ہوا۔ کہ چند روز تساہل کرتا۔ تو یہ سانحہ یہاں بمبئی ہی میں پیش آتا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۲۷)

اس واقعہ سے یہ بات ظاہر ہوئی۔ کہ مولانا کو حافظ عبد الحفیظ کی اہلیہ کا عید سے پہلے مر جانے کا علم تھا۔ اسی لئے بے ساختہ فرمایا۔ کہ کیا مارنے کے واسطے لئے جاتے ہو۔ یعنی اس نے تو مر جانا ہے۔ تم وہاں اسے مارنے کے واسطے لئے جاتے ہو۔ حکایت نگار لکھتا ہے کہ "یہ بیچارے کیا سمجھتے کہ مطلب کیا ہے"۔ یعنی حضرت تو اس کے مر جانے کی خبر دے رہے ہیں۔ اور یہ بیچارہ سمجھ ہی نہیں سکا۔ پھر حضرت نے اجازت دے دی تو یہ بھی فرمایا۔ کہ عید تک اسے گھر پہنچا دینا۔ گویا آپ کو یہ بھی علم تھا کہ یہ گھر آ کر مرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اور سنیئے۔

ایک مرتبہ دو شخص اجنبی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام و مصافحہ کے بعد بیعت کی تمنا ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا۔ دو رکعت پڑھو حضرت کے اس ارشاد پر تھوڑی دیر تو دونوں صاحب گردن جھکائے بیٹھے رہے پھر چپکے ہی اٹھ کر چل دیئے۔ جب دروازہ سے باہر ہوتے۔ تب حضرت نے فرمایا "دونوں شیعہ تھے میرا امتحان لینے آئے تھے"۔ حاضرین میں سے بعض آدمی اس کی تحقیق کو ان کے پیچھے گئے۔ اور معلوم کیا۔ تو واقع میں رافضی تھے۔

(تذکرۃ الرشید ص ۲۲۷/۲)

یہ دونوں رافضی تھے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظمت پر ان کا ایمان نہ تھا۔ اور دونوں سناتی بن کر حضرت کا امتحان لینے کے لیے آئے تھے۔ مگر حضرت کو ان کے ایمان کا بھی

علم ہو گیا۔ اور نفاق کا بھی اب آئیے دیوبندی علماء کے مقتدا و پیشوا مولانا اسمٰعیل دہلوی کی جانب اور دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں۔

مولانا نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان کی فصل ثانی میں شرک فی العلم کا بیان کیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ کن کن باتوں سے شرک فی العلم ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے۔ کہ

اسی طرح جو کچھ مادہ کے پیٹ میں ہے اس کو بھی کوئی نہیں جان سکتا کہ ایک ہے یا دو۔ نر ہے یا مادہ کامل ہے یا ناقص خوبصورت ہے یا بدصورت حالانکہ حکیم لوگ ان سب چیزوں کے اسباب لکھتے ہیں۔ پر کسی کا حال بالخصوص نہیں جانتے۔ تو اور چیزیں کہ آدمی میں چھپی ہیں جیسے خیالات۔ اور ارادے اور نیتیں اور ایمان اور نفاق تو وہ کیوں کر جان سکیں اور اسی طرح جب کوئی اپنا حال نہیں جانتا کہ کل کو کیا کرے گا تو اور کسی کا کیونکر جان سکے۔ اور جب اپنے مرنے کی جگہ نہیں جانتا تو اور کسی کے مرنے کی جگہ یا وقت کیوں کر جان سکے۔ (تقویۃ الایمان ص ۲۶)

مولانا اسماعیل کے اس وعظ میں حسب ذیل باتیں شرک فی العلم ہیں۔

۱۔ کسی کے لئے یہ کہنا کہ اسے علم ہے کہ مادہ کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ۔
۲۔ یہ کہنا کہ وہ دوسروں کے خیالات۔ ارادے اور نیتیں جان لیتا ہے۔
۳۔ یہ کہنا کہ وہ دوسروں کے ایمان اور نفاق کو جان لیتا ہے۔
۴۔ یہ کہنا کہ وہ دوسروں کے مرنے کا وقت یا جگہ جان لیتا ہے۔

مولانا اسماعیل نے ان سب باتوں کو شرک قرار دیا ہے۔

مولانا رشید احمد کی مندرجہ بالا کرامات پڑھئے تو نمبر ۱ سے نمبر ۴ تک شرک کی سب باتیں مولانا کی کرامات میں موجود ہیں۔

نمبر ۲ میں یہ ہے کہ کسی کو دوسروں کے خیالات ارادوں اور نیتوں کا جان لینے والا ماننا شرک ہے۔ اور مولانا رشید احمد کے لیے یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ وہ مولوی مراد محمد کے دل کا خیال اور حلوہ کھانے کی نیت کو جان گئے۔ مولانا علی رضا کے دل میں فجر کی نماز کے

وقت جو وسوسہ پیدا ہوا۔ اُسے بھی جان گئے۔ منشی نثار علی اور گوہر جان لکھنؤ سے گنگوہ بیعت کے ارادہ سے روانہ ہونے والے تھے۔ اس ارادہ کو بھی جان گئے۔ حتیٰ کہ ان ٹٹوؤں کو بھی جان گئے جن پر وہ دونوں سوار ہو کر آئے تھے۔

نمبر ۳ میں یہ ہے کہ کسی کے لئے یہ کہنا کہ وہ دوسروں کے ایمان و نفاق کو جان لیتا ہے یہ بھی شرک ہے۔ اور مولانا رشید احمد کے لئے یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ دو اجنبی آدمیوں کے ایمان و نفاق کو وہ جان گئے۔ اور بتایا کہ یہ دونوں شیعہ ہیں ان کا ایمان اہلسنت کے ایمان جیسا نہیں۔ اور یہ منافق بن کر میرا امتحان لینے آئے تھے۔ گویا ان کا نفاق بھی جان لیا۔

نمبر ۴ میں یہ ہے کہ کسی کے لئے یہ کہنا کہ وہ دوسروں کے مرنے کی جگہ یا وقت جان لیتا ہے۔ یہ بھی شرک ہے۔ اور مولانا رشید احمد کے لیے یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ انہوں نے حافظ عبد الحفیظ کی اہلیہ کے مرنے کا وقت عید سے پہلے ابھی جان لیا۔ اور جگہ (مسیر محلہ) ابھی جان لی۔

رہ گیا نمبر ۱۔ تو اس کے متعلق مولانا رشید احمد کی کوئی کرامت میں نے نہیں پڑھی۔ ممکن ہے ہو۔ ہاں دیگر دیوبندی علماء میں یہ بات بھی ثابت کی گئی ہے جسے ہم اگلی حکایات میں بیان کریں گے۔ نمبر ۲ سے نمبر ۴ تک تو سارا شرک مولانا رشید احمد میں ثابت ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے حضرت اگر بات بات پر مسلمانوں پہ شرک کے فتوے جڑیں۔ تو اذا مثل یترشح بما فیہ کے مطابق برتن سے وہی کچھ چھلکے گا۔ جو اس میں ہوگا۔

نہ خوف آہ بتوں کو نہ ڈر ہے نالوں کا
بڑا کلیجہ ہے ان دل دکھانے والوں کا

حکایت ۴۸

لڑکا ہو گا یا لڑکی

رائے عبد الرحمان خاں صاحب پنجلاسہ (پنجاب) میں حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور بڑے زبردست صاحب کشف و حالات تھے۔ کشف کی یہ حالت تھی۔ کہ کوئی لڑکا لڑکی کے لیے تعویذ مانگتا تو بے تکلف فرماتے جا تیرے لڑکا ہوگا

یاڑلی ہو گی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیسے آپ بتاتے ہیں۔ فرمایا کہ کیا کروں بے محابا مولوی کی صورت سامنے آجاتی ہے۔ (حکایات اولیاء صفحہ ۳۰ حکایت نمبر ۳۴ ۲۵)

سبق

یہ حکایت مولانا رشید احمد سے متعلق تو نہیں تاہم مولانا اشرف علی جو انہیں دستگیر درماندگاں رہنمائے راہ گم گشتگاں سمجھتے تھے (تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۲۴) ان کی لکھی ہوئی یہ حکایت ہے۔ پچھلی حکایت میں آپ نے پڑھا۔ کہ مولانا اسماعیل نے تقویۃ الایمان میں لکھا ہے۔ کہ یہ کہنا۔ کہ کسی کو یہ علم ہے۔ کہ مادہ کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ یہ شرک ہے۔ مولانا رشید احمد لکھ چکے ہیں۔ کہ تقویۃ الایمان میں قرآن و حدیث کا پورا مطلب ہے۔ تو قرآن و حدیث کے مطابق مولانا اشرف علی مشرک ثابت ہو گئے۔ اس لیے کہ انہوں نے راؤ عبدالرحمان خاں کو مافی الارحام کا عالم لکھا ہے۔

یہ حقیقت ہے۔ کہ تقویۃ الایمان کے فتووں کی زد میں خود دیوبندی علماء بھی ہیں۔ پچھلی حکایت میں تقویۃ الایمان نے مولانا رشید احمد پر شرک کی بوچھاڑ کی۔ تو اس حکایت میں مولانا اشرف علی بھی محفوظ نہ رہے۔ اور مشرک ثابت ہو گئے ہمیں مشرک کہنے والوں کو پہلے اپنی طرف دیکھنا چاہیے۔ ہم اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ یا اولیاء کرام کی بلند و بالا شانیں بیان کریں۔ تو یہی مولانا رشید احمد و مولانا اشرف علی شرک و بدعت کے تیر برسانے لگتے ہیں۔ اور خود اپنی اور اپنے اکابر کی جو چاہیں شان بیان کریں۔ انہیں کوئی کچھ نہ کہے۔ مگر قدرت نے انہیں دھکیل کر تقویۃ الایمان کی تیر اندازی کے سامنے لا کھڑا کر دیا ہے آپ نے دیکھا۔ کہ تقویۃ الایمانی شرک کے تیر کس طرح ان پر بھی برس رہے ہیں۔

ان اللہ والوں کی اتنی بلند و بالا شانیں ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ خود دیوبندی علماء سے بھی ان کا اظہار فرما رہا ہے۔ چنانچہ مولانا اشرف علی لکھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب جب بطن مادر میں تھے تو ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب ایک دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پہ حاضر ہوئے۔ اور مراقب ہوئے۔ اور اک بہت تیز تھا خواجہ صاحب نے فرمایا کہ

تمہاری زوجہ حاملہ ہے۔ اور اس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اقرار و تسلیم فرمایا۔ اور آکر بھول گئے۔ ایک روز شاہ صاحب کی زوجہ نماز میں مصروف تھیں۔ جب انہوں نے دعا مانگی۔ تو ان کے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ نمودار ہو گئے۔ وہ ڈر گئیں۔ اور گھبرا کر شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے۔ فرمایا ڈرو نہیں۔ تمہارے پیٹ میں ولی اللہ ہے پس اسی لئے اصل نام تو قطب الدین احمد رکھا گیا۔ اور اکثر تحریرات میں اس نام کو حضرت شاہ صاحب لکھتے بھی تھے۔ اور مشہور ولی اللہ ہوا۔

(حکایات اولیاء ص ۲۷ حکایت ۳)

یہ ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایک ولی کی شان۔ کہ مزار میں لیٹے ہیں اور جانتے ہیں۔ کہ شاہ عبد الرحیم کی زوجہ حاملہ ہے۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ پیٹ میں نر ہے نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی کہ وہ قطب الاقطاب۔ اور پھر اس کا نام بھی تجویز فرما دیا۔ ادھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت دیکھئے۔ کہ شکم مادر میں ہیں۔ اور والدہ ماجدہ کے ہاتھوں میں اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ ظاہر فرما دیے۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایئے۔ کہ جن کے ایک غلام کے علم کی یہ شان ہے۔ خود اس آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا کیا عالم ہو گا۔ اور اندازہ کیجئے اس کی بے خبری کا جس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ لکھ دیا کہ

حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔

خوب فرمایا اعلیحضرت بریلوی رحمۃ اللہ تعالے علیہ نے ؎

ارے کھائے تجھ کو تپ سقر تیرے دل میں کس سے بخار ہے

حکایت ۲۹

بارش کا علم

حافظ لیاقت علی نے اپنا قصہ سنایا

کہ حضرت مولانا رشید احمد سے ایک بار میں رخصت ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا

اب نہ جاؤ راستہ میں بارش میں بھیگ جاؤ گے۔ پریشان ہو گے چونکہ اس وقت آسمان بالکل صاف تھا اور آفتاب نکلا ہوا تھا۔ مجھے بارش کا وسوسہ بھی نہیں گذرا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آسمان پر ابر کا نشان بھی نہیں ہے آپ نے پھر یہی فرمایا کہ راستہ میں بارش میں بھیگو گے۔ پریشان ہو گے۔ میں نے پھر عرض کیا حضرت ابھی تو بارش کا کوئی بھی سامان نہیں اور مجھے بوجہ ملازمت آج ہی وطن پہنچنا ضروری ہے میرے اصرار پر حضرت نے اجازت دے دی۔ اور میں گنگوہ سے باہر نکلا۔ دو تین کوس چلا ہوں گا کہ دفعتہً ابر نمودار ہوا۔ اور چاروں طرف گھٹا چھا گئی۔ اس زور کی بارش ہوئی کہ پاؤں اٹھانا اور ایک قدم چلنا مشکل پڑ گیا۔

سر سے لے کر پاؤں تک خوب نہایا۔ اور بدقت خدا خدا کر کے نانوتہ پہنچا وہیں رات کو ٹھہرنا پڑا۔ اور بڑی تکلیف اٹھا کر اگلے دن دیوبند پہنچا۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۲۲)

سبق

کتاب براہین قاطعہ کے متعلق مولف تذکرۃ الرشید لکھتا ہے۔

براہین قاطعہ حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد) کے حکم سے لکھی گئی اور آپ نے اس کو من اولہ الی آخرہ بغور ملاحظہ فرما کر تقریظ تحریر فرمائی اس کو بھی من وجہ حضرت کی تصنیف میں شمار کر سکتے ہیں۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۳۱)

گویا یہ کتاب مولانا ہی کی تصنیف ہے۔ اس میں مولانا نے ایک بے اصل اور غلط روایت کا سہارا لے کر لکھ دیا کہ

حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں (براہین قاطعہ صفحہ ۵۱)

اور اس غلط روایت کو حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا۔ جب کہ حضرت شیخ محقق اس روایت کو بے اصل اور غیر صحیح لکھ رہے ہیں دیکھئے۔ (مدارج النبوۃ صفحہ ۰)

مولانا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو یہ لکھا کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ اور اوپر کی حکایت میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مولانا کو آسمان تک کی باتوں کا علم تھا۔ اور انہیں علم تھا کہ بارش کب ہوگی۔ چنانچہ حافظ لیاقت علی کو بار بار یہ فرمایا کہ راستہ میں بارش میں بھیگ

جاؤ گے۔ پریشان ہو گے" گویا آپ کو اپنے علم پر کامل یقین تھا۔ کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ اور حکایت کے مطابق ایسا ہو کر رہا۔

مولانا اسمٰعیل نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان کی فصل ثانی فی رد الاشراک فی العلم میں یہ لکھا ہے۔ کہ جس طرح اور کئی باتوں کا علم صرف خدا ہی کو ہے۔

اسی طرح مینہ برسنے کے وقت کی خبر کسی کو نہیں۔ (تقویۃ الایمان صفحہ ۲۶)

گویا جو یہ کہے کہ فلاں وقت بارش ہو گی۔ وہ مشرک ہے۔ مولانا رشید احمد نے حافظ لیاقت علی سے یہ کہہ کر

راستہ میں بارش میں بھیگ جاؤ گے پریشان ہو گے۔

اپنے اس علم کا اظہار کیا۔ کہ تمہارے دو تین کوس چلنے کے بعد بارش ہو گی جس میں تم بھیگ جاؤ گے۔ چنانچہ بارش ہو گئی بھی۔ اب اگر حافظ لیاقت علی کی بیان کردہ مولانا رشید احمد کی کرامت درست مانی جائے۔ تو حافظ صاحب مولانا رشید احمد سمیت تقویۃ الایمان کے فتویٰ شرک کے مطابق مشرک ثابت ہوتے ہیں۔ اور اگر انہیں مشرک بنانا منظور نہیں۔ تو تقویۃ الایمان کے فتویٰ کو مردود قرار دینا پڑے گا۔ حالانکہ مولانا رشید احمد اسی تقویۃ الایمان کو نہایت عمدہ اور قرآن و حدیث کے مطابق قرار دے چکے ہیں۔ چنانچہ اپنے فتاویٰ رشیدیہ کے صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں۔

کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ اور سچی کتاب اور موجب قوت و اصلاح ایمان کی ہے اور قرآن و حدیث کا مطلب پورا اس میں ہے۔

اگر یہ درست ہے۔ تو پھر تقویۃ الایمان ہی کے فتویٰ کے مطابق حافظ لیاقت علی اور مولانا رشید احمد دونوں نہایت عمدہ اور سچے مشرک ہیں۔ اور موجب ضعف و افساد ایمان کے ہیں اور شرک کا پورا مواد ان میں ہے۔

چوٹ کھانا دل حزیں نہ کہیں
درد رہ جائے گا کہیں نہ کہیں

حکایت نمبر ۵۰

کہہ دوں؟

ایک دفعہ حضرت گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔ فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا۔ فرمائیے۔ پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ تو فرمایا کہ

تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔

پھر اور جوش آیا۔ فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمائیے۔ فرمایا کہ اتنے سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش پیدا ہوا۔ فرمایا کہ کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ مگر خاموش ہو گئے۔

(حکایات اولیاء ص ۳۴۱ حکایت نمبر ۳۰۷)

سبق

کہہ دوں؟ کہہ دوں؟ کی تکرار عجیب بہار دے رہی ہے۔ سامعین کا جذبہ شوق ابھارنے کے لئے اچھا نسخہ ہے کہہ دوں۔ کہہ دوں کہہ کر کہا یہ ہے کہ

"تین سال تک حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔"

یہ چہرہ جیتا جاگتا چہرہ تھا۔ جو سنتا بھی تھا اور جواب بھی دیتا تھا۔ مولانا صاحب نے کوئی کام کرنا چاہا۔ تو پہلے چہرے سے پوچھ لیا اس نے سن لیا۔ اور کام کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ جو آپ نے میلاد شریف قیام وسلام۔ فاتحہ وعرس اور دیگر امور مستحسنہ کے خلاف شرک و بدعت کے فتوے دئیے ہیں۔ غالباً یہ ان تین سالوں کے عرصہ کی باتیں نہیں ہیں۔ ورنہ اگر یہ حاجی صاحب کے چہرے سے پوچھتے۔ کہ محفل میلاد کو بدعت لکھوں یا نہ؟ تو حاجی صاحب فرماتے۔

"یہ بدعت نہیں ہے (ہفت مسئلہ ص ۹) فقیر کا مشرب یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ برکات کا ذریعہ سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں (ہفت مسئلہ ص ۱۵)"

اور اگر پوچھتے ۔ کہ قیام کو ناجائز لکھوں یا نہ؟ تو حاجی صاحب کا چہرہ فرماتا ۔ میں تو قیام میں لطف اور لذت پاتا ہوں (ہفت مسئلہ ص ۱۵)

اور اگر حاجی صاحب کے چہرہ سے پوچھتے کہ عرس کو ناجائز لکھوں یا نہ؟ تو جواب یہ ملتا ۔ کہ ۔

لفظ عرس اس حدیث سے لیا گیا ہے نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ ۔ یعنی مرنے کے بعد صالح بندے سے کہا جاتا ہے "سو جا دلہن کی نیند" اللہ کے مقبول بندوں کے حق میں موت محبوب حقیقی سے ملنے کا نام ہے ۔ اور اسی وجہ سے ان کی موت وصال کہی جاتی ہے ۔ یعنی ملاپ ۔ اب جو محبوب حقیقی سے جا ملے اس سے بڑھ کر کیا شادی ہو سکتی ہے عرس کی رسم جاری کرنے کا یہ مقصد تھا ۔ کہ مرنے والوں کی روحوں کو ایصال ثواب کرنا ایک پسندیدہ فعل ہے ۔ اس سلسلہ میں جن بزرگوں سے ہم نے فیوض و برکات حاصل کیے ہیں ان کا ہمارے اوپر سب سے زیادہ حق ہے پھر اپنے پیر بھائیوں سے ملنا محبت کو بڑھاتا ہے اور باعث برکت بھی ہے ۔ اس کے ساتھ طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں دقت نہیں ہوتی ۔ کیونکہ بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں ۔ ان میں جن سے عقیدت ہو ان کے مرید ہو سکتے ہیں اس طرح سے سلسلہ کے سب لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جاتے ہیں ایک دوسرے سے ملاقات ہو جاتی ہے ۔ اور صاحب مزار کی روح کو قرآن کی تلاوت اور کھانا تقسیم کرنے کا ثواب بھی پہنچایا جاتا ہے ۔ اس مصلحت سے ایک خاص تاریخ مقرر کی جاتی ہے ۔ (ہفت مسئلہ ص ۲۵)

اور اگر یہ حاجی صاحب کے چہرہ سے پوچھتے ۔ کہ فاتحہ مروجہ کو بدعت و ناجائز لکھوں یا نہ؟ تو جواب ملتا ۔ کہ

یہ فاتحہ کی شکل جس کا اس زمانہ میں رواج ہے کس طرح وجود میں آئی تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکینوں کو کھلا دیا '

میں نیت کی کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچ جائے۔ بعد کے لوگوں میں کسی کو خیال ہوا۔ کہ جیسے نماز میں گو دل سے نیت کرنا کافی ہے۔ عوام کے لئے دل اور زبان کی موافقت کے لحاظ سے زبان سے بھی کہنا اچھی بات ہے۔ اسی طرح اگر یہاں بھی زبان سے کہہ دیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا۔ کہ اگر وہ کھانا سامنے ہو۔ جس کی طرف اس دعا میں اشارہ کیا جا رہا ہے۔ تو نیت میں یکسوئی زیادہ ہوگی۔ تو کھانا سامنے رکھا جانے لگا کسی کو یہ خیال ہوا۔ کہ یہ دعا ہے۔ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جائے۔ تو دعا قبول ہونے کی زیادہ امید ہے اور اس کا ثواب بھی پہنچ جائے گا۔ کہ جمع بین العبادتین ہے یعنی دو عبادتیں جمع ہو جائیں گی۔ ع

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار

قرآن شریف کی بعض سورتیں جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں۔ پڑھی جانے لگیں۔ کسی کو خیال ہوا کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ ہاتھ اٹھانے کا بھی دستور ہو گیا کسی نے خیال کیا۔ کہ کھانے کے ساتھ جو مسکین کو کھلایا جانے لگا۔ پانی دینا بھی بڑا ثواب کا کام ہے۔ تو کھانے کے ساتھ پانی بھی رکھا جانے لگا۔ اسی طرح فاتحہ کی خاص شکل پیدا ہو گئی۔ اب رہا تاریخ مقرر کرنا تو یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے مگر جو کام کسی خاص وقت میں کیا جاتا ہے۔ وہ اس وقت یاد بھی آجاتا ہے۔ اور ضرور انجام پاتا ہے۔ نہیں تو سالہا سال گذر جاتے ہیں۔ کبھی اس کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس قسم کی مصلحتیں ہر بات میں ہیں۔ جن کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ محض بطور نمونے کے تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ اور باقی ذہین آدمی خود بخود غور کر کے سمجھ سکتا ہے۔ "قطع نظر ان مصلحتوں کے ان باتوں میں بعض روحانی اسرار بھی ہیں۔ بہر حال اگر ایسی مصلحتیں ایک خاص شکل اختیار کرنے کا باعث ہوں۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔"

(ہفت مسئلہ ص ۱۹)

یہ ہیں حاجی صاحب کے ارشادات۔ اور مولانا رشید احمد صاحب کا فتویٰ یہ ہے۔ کہ مجالس مروجہ زمانہ ہذا میلاد و عرس و سوئم چہلم بالکل ہی ترک کرنا چاہیئے۔ کہ اکثر معاصی و بدعات سے خالی نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ رشیدیہ صـ ۱۲۱)

معلوم ہوا۔ کہ یہ فتویٰ ان دنوں دیا گیا۔ اُن دنوں حضرت امداد کا چہرہ مولانا کے قلب میں نہیں تھا۔ یا پھر یہ فتویٰ دینے کے باعث حضرت امداد ناراض ہو کر ان کے قلب سے تشریف لے گئے۔ ورنہ جہاں تین سال رہے تھے وہاں اور بھی رہتے تو کیا حرج تھا۔

مولانا نے پھر جوش میں آکر کہا۔ کہدوں، تو کہا یہ کہ

اتنے سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے۔ اور میں نے کوئی بات بغیر آپ سے پوچھے نہیں کی۔

گویا حاجی صاحب کے چلے جانے کے بعد ان کے قلب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اور مولانا ہر بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر کرتے رہے۔ غالباً یہ زمانہ بھی وہ ہو گا۔ جس زمانہ میں حضور تشریف فرما رہے۔ ورنہ براہین قاطعہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر لکھوائی ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو مولانا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہوتا کہ حضور! میں آپ کے علم کے متعلق یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ کہ شیطان اور ملک الموت کا علم محیط زمین تھا۔ اور آپ کا علم محیط زمین نہیں۔ شیطان و ملک الموت کا محیط زمین علم نص سے ثابت ہے۔ اور آپ کا محیط زمین علم نص سے ثابت نہیں۔ اُن کا ایسا علم ماننا عین توحید ہے۔ اور آپ کے لئے ایسا علم ماننا شرک ہے۔ اور یہ بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ملک الموت سے اگرچہ آپ افضل ہیں۔ مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا علم بھی اس کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ (براہین قاطعہ صـ ۵۱-۵۲)

حضور میں یہ بھی لکھوانے لگا ہوں۔ کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔

(براہین قاطعہ صـ ۵۱)

ٹھنڈے دل سے دیکھئے۔ کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جاہلیت کی اجازت دیا؟ بالفرض [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم مولانا کے قلب میں تشریف فرما تھے ہی۔ تو یہ گستاخی

سن کر آپ واپس تشریف لے گئے۔ اور انہیں محروم فرما گئے۔ اب مولانا کے پاس گیارہ گیا۔ چنانچہ تیسری مرتبہ پھر فرمایا۔ کہہ دوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمایئے۔ مگر خاموش ہو گئے۔

خاموش تو ہونا ہی تھا۔ کہ پیر طا۔ اسے ناراض کر دیا۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ ان کی گستاخی کر کے انہیں بھی ناراض کر دیا۔ اب آپ کی نظر غالباً خدا پر تھی۔ کہ کتنے کراتے سال میرے قلب میں خدا جلوہ گر رہا۔ اور میں ہر بات اس سے پوچھ کر تا رہا۔

اگر مولانا ایسا کہتے۔ تو یہاں بھی یہ مشکل پیش آتی کہ مولانا خدا سے پوچھتے۔ کہ الٰہی میں یہ کہنے لگا ہوں۔ کہ جھوٹ بولنے پر بھی تو قادر ہے۔ مگر اس کا وقوع ہرگز نہیں ہوتا۔ یعنی تو جھوٹ بول تو سکتا ہے۔ مگر بولتا ہرگز نہیں۔ ظاہر ہے وہ خدا لئے غیور و قہار اس جرأت پر مولانا کو گرفت میں لے آتا۔ اس لئے مولانا نے خاموشی ہی بہتر سمجھی۔

لطیفہ: ایک سنی عالم اور دیوبندی مولوی کا اسی مسئلہ امکان کذب پر جھگڑا ہو رہا تھا۔ دیوبندی مولوی نے کہا کہ ہم کب کہتے ہیں۔ کہ خدا جھوٹ بولتا ہے ہرگز نہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ خدا جھوٹ بول سکتا مگر بولتا نہیں۔ سنی عالم نے کہا۔ تو میں آپ سے کہتا ہوں۔ کہ آپ گوہ کھا سکتے ہیں مگر کھاتے نہیں۔ کیا اس میں آپ کی کوئی توہین تو نہیں ہوئی؟ وہ بھی ایسا خاموش ہو گیا۔ جیسے مولانا رشید احمد خاموش ہو گئے تھے ؎

بے خبر بے علم اس نکتے کو پا سکتا نہیں
کذب تحتِ قدرتِ اللہ آ سکتا نہیں

حکایت ۱۵

بھیرویں

اس مرتبہ سفرِ حج میں حاجی ظہور احمد صاحب انبہوی کے خسر منشی تجمل حسین صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ سفر میں حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد) قدس سرہ جب آخر شب کو بیدار ہوتے اور نفلوں کی نیت باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ تو میں بھی آپ کی اقتداء کی نیت کر کے پیچھے کھڑا ہو جایا کرتا تھا۔ جس خشوع و خضوع و پر اثر لہجہ میں آپ قرآن مجید پڑھا کرتے۔ اس کی حقیقت الفاظ میں نہیں کہی جا سکتی ... جان تھی کہ نکلی جاتی تھی۔ اور دل تھا کہ سینہ کے اندر تڑپتا ... جب ...

جاتا تھا۔ ایک مرتبہ آخر میری زبان سے نکل گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت تہجد میں آپ قرآن مجید کیا پڑھتے ہیں۔ چھری لے کر کھڑے ہو جایا کرتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مسکرائے اور فرمایا کہ ہمارے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب اپنا قصہ بیان فرماتے تھے۔ کہ دہلی کی سکونت کے زمانہ میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز میں نے پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد ایک شخص جو نہ مجھ سے واقف تھا اور نہ میں اس سے۔ جب چلنے لگے۔ تو یوں کہتے جاتے تھے۔ واہ رے قرآن پڑھنے والے خدا تیری عمر دراز کرے۔ تو نے تو آج بھیڑیں ختم کر دیں (تذکرۃ الرشید ص ۲۴۴)

سبق

"چھری لے کر کھڑے ہو جایا کرتے ہیں" کا جملہ بڑا موزوں ہے۔ اس لحاظ سے۔ کہ امام ربانی مقتدا ور ہنما ہیں مولانا اشرف علی صاحب کے۔ اور مولانا اشرف علی فرمایا کرتے تھے کہ بچپن میں

میں نے قصائی کا دودھ پیا ہے (اشرف السوانح ص ۲۴ج ۱)

اور ایک دفعہ فرمایا۔

"لوگ تو کہتے ہوں گے کس قصائی سے پالا پڑا۔ اور میں کہتا ہوں کہ کن بیلوں سے پالا پڑا۔ الافاضات الیومیہ ص ۳۶۲"

"کن بیلوں سے پالا پڑا" گویا میں بیلوں کا قصائی یعنی بڑا قصائی ہوں۔

حکایت نگار نے امام ربانی کے قرآن پڑھنے کی جو تاثیر بیان کی ہے۔ اس کی وجہ حضرت کی خوش آوازی و خوش الحانی بیان کی گئی ہے چنانچہ حکایت نگار ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے۔

آپ اگرچہ کسی قدر تیز اور چلتا ہوا رواں پڑھتے تھے تاہم طبعی و خلقی خوش الحانی کی یہ کیفیت ہوتی تھی۔ کہ گویا تمام بدن میں سے روح سمٹ کر کانوں میں آگئی ہے۔ آپ آواز میں تصنع سے نہایت درجہ احتیاط اور احتراز فرماتے تھے۔ اور جب قرأت تمام ہوتی تھی تو دل بہ چاہتا تھا۔ کہ اور بھی پڑھتے خوش الحان دیکھے اور مختلف خوش آوازیں سنی ہیں مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ایسی

خوش آواز نہ ہند میں سنی نہ عرب میں۔ (تذکرۃ الرشید ص۵۴ ج۲)

گویا ایسی خوش آواز نہ ہند میں نورجہاں تھی اور نہ عرب میں ام کلثوم۔ حضرت کی خوش آوازی پر زور دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ اصل خوبی قرآن پاک کے حروف کو صحیح مخارج سے ادا کر کے ترتیل و تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے میں ہے مگر اس بات کا کہیں ذکر نہیں۔ کوئی شخص قرآن کو ترتیل و تجوید کے بغیر لاکھ خوش آوازی سے پڑھے۔ کوئی فائدہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِقْرَءُ الْقُرْآنَ بِلُحُونِ الْعَرَبِ (مشکوٰۃ شریف ص۱۹۳)

قرآن کو عربی لہجہ میں پڑھو۔

امام ربانی خوش آوازی سے تو پڑھتے رہے۔ مگر لہجہ ان کا کیا تھا؟ اس کی طرف امام ربانی نے خود اشارہ فرما دیا ہے۔ کہ

ہمارے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب اپنا قصہ بیان فرماتے تھے کہ دہلی کی سکونت کے زمانہ میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز میں نے پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد ایک شخص جو نہ مجھ سے واقف تھا۔ اور نہ میں ان سے۔ جب چلنے لگے تو یوں کہتے جاتے تھے۔ واہ رے قرآن پڑھنے والے خدا تیری عمر دراز کرے تو نے تو آج بھیرویں ختم کر دی۔

یہ ہمارے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کا جملہ بتا رہا ہے۔ کہ حضرت امام ربانی کی ان سے خاص نسبت تھی اپنی قرأت کی تعریف سن کر اور سنا کر ان کا تجربہ واقعہ بیان فرمایا۔ گویا یہ فرمایا کہ ہم بھی انہی سے مستفید ہیں۔ ان کی قرأت بھی سن کر لوگ ان ... متاثر ہوتے ... یہ دعائیں دیتے جاتے تھے کہ

واہ رے قرآن پڑھنے والے تو نے آج بھیرویں ختم کر دی۔

اسی طرح آج میری قرأت پر بھی تم خوش ہو رہے ہو۔

امام ربانی کے ممدوح حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے قرآن کو بھیرویں میں پڑھا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا وَاِیَّاکُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۸۳)

قرآن کو عربی لہجوں اور آوازوں میں پڑھو اور اہل عشق کے لہجوں سے بچو۔

حضرت شاہ عبدالغنی نے عشقیہ لہجہ بھیرویں میں قرآن پڑھا۔ اور امام ربانی اپنی قرأت کی تعریف سن کر ان کا یہ واقعہ سناتے ہیں۔ گویا فرماتے ہیں کہ ہم کیا کسی سے کچھ کم ہیں۔

یہ لوگ علماء اہلسنت پر طعن کیا کرتے ہیں۔ کہ یہ سنی علماء اپنے وعظوں میں شعر پڑھتے ہیں۔ قرآن تو پڑھتے ہی نہیں پڑھیں بھی تو شعروں کے انداز میں پڑھتے ہیں یہ حضرات ذرا اپنے اکابر علماء کو بھی دیکھیں اور ان کا قرآن پڑھنا بھی سنیں۔ جو عشقیہ لہجوں بھیرویں وغیرہ میں پڑھتے رہے۔

امام ربانی کی قرأت کی تاثیر کا ایک اور رخ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

ایک شب آپ نے تراویح شروع کیں میں بھی جماعت میں شریک تھا قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اس رکوع پر پہنچے جس میں خوف وخشیت دلایا گیا تھا۔ جماعت میں حالانکہ نصف سے کم عربی زبان کے سمجھنے والے تھے۔ اور باقی سب ناواقف مگر آپ کے اس رکوع کی قرأت پر خوف کا اثر سب پر پڑ رہا تھا۔ کوئی روتا تھا۔ اور کسی کے بدن پر لرزہ۔ کوئی بیقرار۔ اور کوئی تھر تھر کانپ رہا تھا اس رکوع کے بعد جب آپ نے دوسرا رکوع شروع کیا تو اس میں رحمت خداوندی کا بیان تھا۔ اس وقت دفعۃً تمام جماعت پر سرور طاری ہو گیا۔ اور پہلی حالت یکلخت منقلب ہو گئی۔ فرحت وانبساط کے ساتھ یہاں تک کہ بعض مقتدی ہنسی منضبط نہ کر سکے اور قہقہہ جاری ہو گیا۔ (تذکرۃ الرشید ص۱۹۸)

ملاحظہ فرمایئے۔ امام ربانی کی قرأت کی تاثیر۔ کوئی لرزہ براندام ہے۔ تو کوئی بے قرار تھر تھر کانپ رہا ہے۔ جونہی آپ نے دوسرا رکوع شروع کیا تو معاملہ برعکس ہو گیا۔ لوگ اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ اور قہقہے جاری ہو گئے۔ نماز میں کوئی نمازی قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ تو وضو سمیت نماز فاسد ہو جاتی ہے چنانچہ درمختار میں ہے۔

وقہقہۃ ھی ما یسمعہ جیرانہ (درمختار ص۱۹)

یعنی ایسا قہقہہ جو ساتھ والا نمازی سن لے۔ وضو توڑ دیتا ہے۔ وضو ٹوٹا۔ تو نماز بھی ٹوٹی۔ نہ وضو رہا نہ نماز۔ کیا فیض ہے حضرت امام ربانی کا ماہ رمضان شریف میں کہ نماز تراویح میں لوگوں کو اس قدر ہنسا رہے ہیں۔ کہ لوگ قہقہے مار مار کر ہنس رہے ہیں۔ اور اپنے وضو و نمازیں برباد کر رہے ہیں۔

مولانا اشرف علی لکھتے ہیں۔ کہ

حضرت مولانا گنگوہی بڑے ظریف تھے ایسی بات چپکے سے فرما دیتے تھے کہ سننے والوں کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ جاتے تھے۔ لیکن خود بالکل نہیں ہنستے تھے۔ اور لوگ تو ہنس رہے ہیں۔ اور آپ تسبیح لیے اللہ اللہ کر رہے ہیں۔

(قصص الاکابر ص ۱۲۳)

غالباً جماعت کراتے ہوئے بھی آپ نے کوئی لطیفہ سنا دیا ہوگا۔ جو نمازیوں کے قہقہے جاری ہو گئے۔ اور کوئی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ یہ آپ کی ظرافت کا کمال تھا اور ظریفانہ شگفتگی تھی کہ کوئی ایسا شوشہ چھوڑ دیتے۔ کہ لوگ ہنس ہنس کر دوہرے ہو جاتے۔ اور خود بالکل نہیں ہنستے تھے۔ لوگ ہنس رہے ہیں۔ اور آپ تسبیح پر اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ یہ بات کچھ سمجھ میں آنے والی نہیں۔ کہ ادھر ایک ایسا شوشہ چھوڑا۔ کہ لوگوں کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ رہے ہیں۔ اور ادھر آپ تسبیح پر اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ اللہ اللہ کرنے والے لطیفے تو نہیں سنایا کرتے۔ اور لوگوں کے پیٹ میں بل پیدا نہیں کیا کرتے۔ وہ تو لوگوں کے بل نکالا کرتے ہیں۔ مگر ان حضرات کا عالم ہی نرالا ہے۔ کہ امام ربانی ادھر عوام کو اتنا ہنسا رہے ہیں۔ کہ ان کے پیٹ میں بل پڑ رہے ہیں۔ اور ادھر امام بن کر نمازیوں کو اتنا ہنسا رہے ہیں۔ کہ ان کے وضو اور نمازیں برباد ہو رہی ہیں۔ خدا ایسے اماموں سے محفوظ ہی رکھے۔ آمین۔

اپنی توبہ دعا بھی رب انام سے
محفوظ رکھ الٰہی تو ایسے امام سے

حکایت ۵۲

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

حاجی صاحب (دوست محمد خاں بھوگامی) مرحوم کی اہلیہ ایک بار سخت علیل ہوئیں۔ فم معدہ میں ایسی شدت سے درد ہوتا تھا کہ تڑپتی اور لوٹتی تھیں۔ آخر غش آجاتا اور بے ہوش ہو کر دم رک رک جاتا تھا۔ اس درد کے متواتر دورے تقریباً دو ماہ تک ہوتے رہے۔ آخر ایک دورہ ایسا سخت پڑا۔ کہ ہتیلی بند ہو گئی۔ ہاتھ پاؤں کی نبضیں چھوٹ گئیں۔ غشی طاری ہو گئی۔ اور جسم ٹھنڈا پڑ گیا حاجی صاحب کو اہلیہ کے ساتھ محبت زیادہ تھی بے قرار ہو گئے۔ پاس آکر دیکھا۔ تو حالت غیر تھی۔ صرف سینہ میں سانس چلتا محسوس ہوتا تھا۔ زندگی سے مایوس ہو گئے۔ رونے لگے۔ اور سرہانے بیٹھ کر یاسین شریف پڑھنی شروع کر دی۔ چند لمحے گزرے تھے۔ کہ دفعۃً مریضہ نے آنکھ کھولی اور ایک لمبا سانس لے کر پھر آنکھ بند کر لی۔ سب نے سمجھ لیا۔ کہ اب وقت اخیر ہے۔ حاجی دولت محمد خان اس حسرتناک نظارہ کو دیکھ نہ سکے۔ بے اختیار وہاں سے اٹھے اور مراقب ہو کر حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد) کی طرف متوجہ ہوئے کہ وقت آگیا ہو۔ تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے۔ تو یہ تکلیف جو متواتر تین دن سے ہو رہی ہے۔ رفع ہو جائے مراقبہ کرتا تھا۔ کہ مریضہ نے آنکھیں کھول دیں۔ اور باتیں کرنا شروع کر دیں۔ نبضیں ٹھکانے آگئیں۔ اور افاقہ ہو گیا دو تین دن میں قوت بھی آگئی۔ اور بالکل تندرست ہو گئیں۔ اس کے بعد کبھی درد نہیں اٹھا۔ حاجی صاحب مرحوم فرماتے تھے۔ کہ جس وقت میں مراقب ہوا۔ حضرت کو اپنے سامنے پایا۔ اور پھر تو یہ حال ہوا۔ کہ جس طرف نگاہ کرتا حضرت امام ربانی کو ہیئت اصلیہ میں موجود دیکھتا تھا۔ تین شبانہ روز یہی حالت رہی۔ جب مریضہ بالکل تندرست ہو گئی۔ اس وقت یہ حالت بھی رفع ہو گئی۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۳۰)

سبق

حاجی صاحب کی اہلیہ اس شدید بیماری میں موت کے کنارے جا پہنچیں۔ حتیٰ کہ ہتیلی بند ہو گئی۔ نبضیں چھوٹ گئیں۔ حاجی صاحب نے یٰسین شریف بھی پڑھ دی۔ ایسی پریشانی اور بے بسی کے وقت چاہیے تو یہ تھا۔ کہ حاجی صاحب کو خدا یاد آتا۔ اس کی بارگاہ میں

گڑ گڑاتے اور دعا کرے۔ مگر ساری حکایت کا ایک ایک لفظ پڑھ جائیے۔ اور دیکھئے خدا کا کہیں نام تک نہیں۔ اور کہیں یہ ذکر نہیں۔ کہ حاجی صاحب نے خدا سے دعا کی ہو۔ اور خدا سے شفا طلب کی ہو۔ اگر ذکر ہے تو یہ کہ حاجی صاحب بے اختیار وہاں سے اٹھے۔

اور مراقب ہو کر حضرت امام ربانی (مولانا رشید احمد) کی طرف متوجہ ہوئے۔ کہ وقت آ گیا ہو۔ تو خاتمہ بالخیر ہو۔ اور زندگی باقی ہے۔ اور یہ تکلیف جو متواتر تین دن سے ہو رہی ہے رفع ہو جائے۔

گویا اللہ سے نہیں بلکہ مولانا رشید احمد سے درخواست کی۔ کہ ان کی اہلیہ کی تکلیف رفع ہو جائے۔ چنانچہ مولانا سے یہ درخواست کرتے ہیں۔

مریضہ نے آنکھیں کھول دیں۔ اور باتیں کرنی شروع کر دیں نبضیں اپنے ٹھکانے آ گئیں۔ اور افاقہ ہو گیا دو تین دن میں قوت بھی آ گئی اور بالکل تندرست ہو گئیں۔

حاجی صاحب نے یہ بھی فرمایا۔ کہ جس وقت میں مراقب ہوا۔

حضرت کو اپنے سامنے پایا اور پھر تو یہ حال ہوا۔ کہ جس طرف نگاہ کرتا حضرت امام ربانی کو ہیئت اصلیہ میں موجود دیکھتا تھا۔

حاجی صاحب اپنے قصبہ بھوگام میں ہیں۔ اور مولانا رشید احمد اپنے قصبہ گنگوہ میں۔ مگر ان کے مراقب ہوتے ہی مولانا صاحب فوراً حاضر ہو گئے۔ اور ایسے حاضر ہوئے۔ کہ پھر جانے کا نام ہی نہیں لیا۔ اور پھر تو یہ حال ہوا کہ حاجی صاحب جدھر دیکھتے ہیں۔ ادھر مولانا صاحب ہی نظر آتے ہیں۔ مولانا صاحب حاضر ہو گئے۔ اور حاجی صاحب ناظر۔ یہ حاضر و ناظر کا چکر تین شبانہ روز جاری رہا۔ حتیٰ کہ مریضہ بالکل تندرست ہو گئی۔

مولانا صاحب حاضر جو ہوئے۔ تو یہ نہیں کہ حاجی صاحب کو مولانا کا کوئی عکس و فوٹو نظر آیا۔ بلکہ مولانا بنفس نفیس اپنی ہیئت اصلیہ میں آ موجود ہوئے۔ اور تین دن تک برابر تشریف فرما رہے۔ اور مریضہ کو بالکل تندرست کر کے واپس گئے۔ گویا مولانا صاحب دافع البلاء والمرض بن کر آئے۔

اس موقعہ پر ہم دیوبندی حضرات کو مولانا اسمٰعیل کا وہ وعظ یاد دلاتے ہیں۔ جو انہوں نے

تقویۃ الایمان میں شرک فی التصرف کی برائی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ پہلے تو یہ فرمایا۔ کہ خدا کے سوا۔

اور کسی سے مرادیں مانگنی محض خبط ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۳۲)

پھر اس کے بعد فرمایا۔ کہ کسی مشکل میں بندہ متوجہ ہو۔ تو کس طرف ہو؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں سے بہت نزدیک ہے جو ادنیٰ بندہ اپنے دل سے اس کی طرف متوجہ ہووے تو وہیں اس کو اپنے منہ کے آگے پاوے۔ (تقویۃ الایمان ص ۳۹)

مولانا اسمٰعیل تو یہ فرمائیں۔ کہ اللہ اپنے بندوں سے بہت نزدیک ہے۔ مشکل میں بندہ اس کی طرف متوجہ ہو۔ اور کسی سے مراد مانگنی محض خبط ہے۔ مگر مولانا رشید احمد کا معتقد دوست محمد خاں مشکل کے وقت مولانا رشید احمد کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اپنی دلی مراد اہلیہ کی شفا مولانا سے مانگی مولانا اسمٰعیل کے وعظ کے مطابق کیا مولانا رشید احمد اور ان کا دوست۔ دوست محمد خاں دونوں شرک فی التصرف کے مرتکب نہ ہوئے ہونگے اور ضرور ہوئے۔ حکایت نگار مولانا رشید احمد کی کرامت و عظمت بیان کرنے کے خبط میں اپنے مولانا اسماعیل کا تقویۃ الایمانی وعظ بھول ہی گیا۔

اس حکایت سے یہ ثابت ہوا۔ کہ تقویۃ الایمان کے سارے وعظ سنیوں کے لیے ہیں۔ خود یہ حضرات جو چاہیں بنیں اور جسے چاہیں جس مسند پر چاہیں بٹھا دیں۔ ان کے لئے سب جائز ہے۔ یہ شرک و بدعت کے فتوے تو سنیوں کے لیے مخصوص رہیں ہے

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

حکایت ۵۲

دلوں کے ارادے تمہاری نظر میں

ایک شخص پنجاب کے باشندے نہایت دیندار اور صالح تھے۔ ان کو بیعت کا خیال ہوا۔ اور کئی دن متفکر رہے۔ کہ کدھر جاؤں اور کہاں بیعت کروں۔ ایک شب اسی سوچ میں سو گئے۔ دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اور حضرت

ن سے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ تم مولوی رشید احمد گنگوہی سے بیعت کر لو۔ ان سے بہتر اس
وقت کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ حضرت امام ربانی کا نام انہوں نے سنا تھا۔
اس لیے فوراً گنگوہ کا ارادہ کر دیا۔ مگر بیچارے فقیر آدمی تھے۔ مسافت تھی دور دراز اور پاس
خرچ تھا نہیں۔ اس لئے خاموش ہو کر بیٹھ رہے دوسری شب پھر فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی
زیارت سے مشرف ہوئے۔ کہ حضرت دریافت فرماتے ہیں۔ کہ تم گئے نہیں۔ خواب ہی نہیں
انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس خرچ نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا خرچ تم کو
مل جائے گا تم چلے جاؤ۔ یہ سن کر آنکھ کھل گئی۔ حیران تھے کہ کیا کروں سوائے اس کے کہ نہیں سکتا
قرض کی ہمت نہیں۔ اور پاس پیسہ نہیں۔ اسی حیرت میں تھے کہ صبح ہو گئی۔ ایک شخص اجنبی آئے۔
اور سفر خرچ کی مقدار ان کے حوالے کر کے چل دیئے۔ چونکہ گھر والوں کو بھی خرچ کی ضرورت تھی۔
اس لئے اس رقم میں سے کچھ خرچ انہوں نے گھر میں دے دیا۔ باقی رقم کو دیکھا تو سفر کے لئے
ناکافی تھی۔ اس دن بھی نہ چل سکے تیسری شب پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خواب میں دیکھا۔
اور حضرت نے فرمایا جاؤ چلے جاؤ راستہ میں اور مل جائے گا۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ صبح
کو روانگی کا تہیہ کر دیا۔ اور توکلا علی اللہ نکل کھڑے ہوئے۔ گنگوہ کے قریب پہنچے تو خرچ ختم ہو
گیا راستہ ہی میں ایک شخص ملے۔ اور حسب مقدار دے کر چلے گئے۔ چنانچہ اس کو لے کر
گنگوہ حاضر ہوئے اور حضرت سے بیعت ہو کر ذکر شغل کیا۔ (تذکرۃ الرشید ص ۳۱۴/۲)
یہ حکایت سنائی جا رہی ہے مولانا رشید احمد کی عظمت شان بیان کرنے کے لیے۔
حالانکہ ایسی حکایات سے مولوی صاحب کی تکذیب اور دیوبندی مسلک کی تردید ثابت ہو
رہی ہے۔ براہین قاطعہ جو مولوی صاحب کے حکم سے لکھی گئی اور جسے مولوی صاحب نے
من اولہ الی آخرہ بغور ملاحظہ فرما کر تقریظ تحریر فرمائی (تذکرۃ الرشید ص ۳۲۱/۲)
اس میں لکھا گیا۔ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو
دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (براہین قاطعہ ص ۵۱)
اور ظلم یہ کیا گیا۔ کہ اسے حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ
کی طرف منسوب کر کے یہ لکھا گیا۔ کہ شیخ عبدالحق صاحب یہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔ کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت کے متعلق یہ لکھا ہے کہ

"ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ" اس بات کی کوئی اصل نہیں اور یہ روایت صحیح نہیں۔ (مدارج النبوۃ ص۷)

اس حکایت سے ثابت یہ ہو رہا ہے کہ اس پنجابی باشندے کو بیعت کا خیال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے خیال کا بھی علم ہو گیا۔ اور خواب میں تشریف لا کر اس کو ہدایت فرمائی۔ کہ مولوی رشید احمد سے بیعت کر لو۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اگر کوئی دل میں کوئی خیال یا ارادہ کرے اس کے ارادہ و خیال کو جان لیتے ہیں۔ اور رہنمائی کے لیے تشریف لے آتے ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب کے امر سے لکھی ہوئی کتاب میں دیوبندی مسلک ثابت کرنے کے لیے یہ لکھا کہ

حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔

اس حکایت سے اس کی تکذیب اور دیوبندی مسلک کی تردید ہو گئی۔

تقویۃ الایمان میں لکھا ہے کہ

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

اس حکایت سے اس کا بھی رد ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فقیر اور مفلس آدمی کو جس کے پاس سفر خرچ نہ تھا خواب میں فرمایا۔ کہ خرچ تم کو مل جائے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اجنبی شخص کے ذریعہ اُسے خرچ عطا فرما دیا۔ دوبارہ اُسے ضرورت پڑی۔ تو دوبارہ اسے خرچ عطا فرمایا۔ جو کسی چیز کا مختار نہ ہو۔ وہ کب ایسا کر سکتا ہے حکایت نویس نے مولانا رشید احمد کی عظمت شان ظاہر کرنے کی خاطر تین بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں تشریف لانا بیان کر کے مولوی رشید احمد صاحب کی عظمت شان کیا بیان کی۔ حضور کے علم و اختیار کا بلا ارادہ بیان کر دیا۔

پہلی مرتبہ خواب دیکھنے کے بعد بھی جب وہ شخص نہ گیا۔ تو حضور کو اس کا بھی علم ہو گیا کہ آج نہیں گیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری مرتبہ تشریف لائے۔ دوسرے روز

بھی نہ گیا۔ تو حضور کو اس کا بھی علم ہو گیا۔ اس نے خرچ نہ ہونے کی بات کی۔ تو حضور نے اُسے خرچ بھی پہنچا دیا۔ یہ سب باتیں دیوبندی مسلک کے خلاف ہیں۔ مگر خدا نے انہی سے مولوی رشید احمد کی شان ظاہر کرنے کے بہانے لکھوا دیں۔ مگر

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

حکایت ۵۴

ایک پنجابی مجذوب

(مولانا رشید احمد نے) ایک روز فرمایا۔ قصبہ لوہاری میں تین جگہ حضرت میانجو نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے۔ وہاں ایک مجذوب پنجابی رہتے تھے اور اتفاقاً اس جگہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولائتی شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے۔ وہ مجذوب اکثر حاجی صاحب شہید کے خدام سے یوں کہا کرتے تھے کہ "او تمہارا حاجی بڑا بزرگ ہے" حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ جب بغرض زیارت حرمین شریفین عرب کو گئے۔ تو ایک دن جہاز میں حضرت کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا۔ ذرا سی دیر گزری تھی۔ کہ ایک ہاتھ سمندر میں سے لوٹا تھامے ہوئے نکلا اور لوٹا حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ میں پکڑا کر غائب ہو گیا۔ ادھر لوہاری میں ان مجذوب صاحب نے حضرت کے خدام سے فرمایا۔ کہ "تمہارے حاجی کے ہاتھ میں سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا تھا میں نے ان کو لوٹا پکڑا دیا" حضرت کے خدام نے سمجھا کہ بڑ ہانک رہے ہیں۔ جب حضرت حاجی صاحب حج سے فارغ ہو کر واپس ہوئے۔ اور لوہاری میں تشریف لائے تو کسی کو مجذوب کی یہ بات یاد آ گئی انہوں نے حضرت سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا سچ ہے بیشک یہ واقعہ جہاز میں پیش آیا۔ مگر اس وقت وہ ہاتھ میری شناخت میں نہیں آیا۔ کہ کس کا ہے۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۵۹)

سبق

یہ واقعہ خود مولانا رشید احمد صاحب کا بیان کردہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا واقعہ بھی پڑھ لیجئے۔ حج کو جاتے ہوئے جس جہاز میں مولانا رشید احمد سوار تھے۔ وہ جہاز طوفان میں گھر گیا۔ سب لوگ گھبرا اٹھے۔ مگر مولانا رشید احمد بڑے اطمینان سے کہنے لگے۔

بھی کوئی مرے گا تو ہے نہیں ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جا رہے ہیں خود نہیں جا رہے۔

اس کے آگے لکھا ہے۔ کہ

حکیم ضیاء الدین صاحب یا کسی دوسرے شخص نے عالم رویا یا عالم واقعہ میں دیکھا تھا۔ کہ متلاطم سمندر میں ایک جانب اعلحضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب اور دوسری جانب حضرت حافظ ضامن صاحب جہاز کو کندھے پر رکھے ہوئے آگے کو دھکیلتے اور موجوں کے تھپیڑوں سے اس کی حفاظت فرماتے جا رہے ہیں۔ اور کہتے ہیں گھبراؤ نہیں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲ ج ۲)

ان دونوں واقعات میں اس امر کا اقرار اور ثبوت ہے۔ کہ مشکل کے وقت اللہ کے مقبول بندے چاہے کہیں بھی ہوں مدد کے واسطے پہنچ جاتے ہیں۔ کہاں ہندوستان کا ایک قصبہ لوہاری۔ اور کہاں حاجی عبد الرحیم شہید کا جہاز عرب کے سمندر میں جہاز میں حاجی صاحب کے ہاتھ سے ادھر لٹا گرا۔ ادھر لوہاری کے پنجابی مجذوب کو خبر ہو گئی۔ اور وہ آن کی آن میں عرب کے سمندر میں پہنچا۔ اور لوٹا گرتے ہی اپنے ہاتھ میں تھام کر حاجی صاحب کو پہنچا دیا۔ اور کہاں مولانا رشید احمد کا جہاز طوفان کی زد میں۔ اور کہاں حاجی صاحب و حافظ ضامن صاحب۔ جنہیں جہاز کی اس مشکل کی خبر ہو گئی۔ اور دونوں نے پل بھر میں سمندر میں پہنچ کر جہاز کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا۔ اور طوفان کی زد سے نکال کر سب کی مشکل آسان کر دی۔ ان واقعات کو پڑھیئے۔ پھر مولانا رشید احمد کی ممدوح کتاب تقویۃ الایمان کا یہ اقتباس بھی پڑھیئے۔ کہ

مشکل میں دستگیری کرنی برے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے۔

(تقویۃ الایمان)

کتاب تقویۃ الایمان دیوبندی حضرات کی بنیادی اور پسندیدہ کتاب ہے۔ چنانچہ مولانا رشید احمد لکھتے ہیں۔

کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ اور سچی کتاب اور موجب قوت و اصلاح

ایمان ہے اور قرآن و حدیث کا پورا مطلب اس میں ہے۔

(تذکرۃ الرشید ص ۸۳)

یہ کتاب جو کچھ کہہ رہی ہے۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو تذکرۃ الرشید کے دونوں واقعات من گھڑت ہیں۔ اور اگر یہ واقعات درست ہیں تو تقویۃ الایمان میں جو کچھ لکھا گیا ہے بالکل غلط ہے۔ اب یہ فیصلہ خود دیوبندی حضرات ہی کریں۔

ناکامئ عشق یا کامیابی
دونوں کا حاصل خانہ خرابی

حکایت ۵۵

اللہ رے تعلیم!

ایک بار بھرے مجمع میں حضرت (مولانا رشید احمد) کی کسی تقریر پر ایک نو عمر دیہاتی بے تکلف پوچھ بیٹھا۔ کہ حضرت جی! عورت کی شرمگاہ کیسی ہوتی ہے۔ اللہ رے تعلیم! سب حاضرین نے گردنیں جھکا لیں۔ مگر آپ مطلق چیں بہ جبیں نہ ہوئے بلکہ بے ساختہ فرمایا جیسے گیہوں کا دانہ۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲ ج ۲)

تبلیغ

مولانا کی تقریر بھی غالباً اسی موضوع "مخصوص" پر ہو رہی ہوگی۔ جس پر ایک نو عمر دیہاتی کو یہ سوال کرنا پڑا۔ مولانا کا بے ساختہ جواب دینا بتا رہا ہے کہ موضوعِ مخصوص پر آپ کا علم کامل تھا کچھ سوچنا نہیں پڑا۔ فوراً جواب دے دیا۔ اور دیہاتی کے فہم کے مطابق تشفی بخش جواب دیا۔

مؤلف تذکرہ کا مولانا کا جواب درج کرنے سے پہلے "اللہ رے تعلیم" لکھنا ظاہر کر رہا ہے۔ کہ آپ مرد و عورت کے باہمی اختلاط ہی کے موضوع پر تقریر فرما رہے تھے۔ آپ نے مرد و عورت کے متعلق سارا نقشہ تو تفصیل سے بیان کر دیا تھا صرف عورت کے متعلق ایک نقشہ بیان کرنا رہ گیا تھا۔ اگر یہ نقشہ بھی بیان نہ کر دیا جاتا تو تعلیم نامکمل رہ جاتی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کا حلقہ تعلیم بڑا وسیع تھا۔ جس بات کی تعلیم بازارِ حسن سے بھی میسر نہ ہو سکے۔ حضرت کے حلقہ وعظ و تقریر سے وہ میسر ہو جاتی تھی۔

واقعی اللہ رے تعلیم

مکتبِ تعلیم اللہ نے انہیں ایسا دیا
کتنے مشکل مسئلہ کو پل میں حل فرما دیا

حکایت نمبر ۵۶

شجرہ نسب

حضرت (مولانا رشید احمد) رحمۃ اللہ علیہ ماں اور باپ دونوں سلسلوں سے شریف النسب یعنی نجیب الطرفین شیخ زادہ انصاری اور ایوبی النسل تھے چنانچہ باپ کی جانب سے خاندانی سلسلہ جس کو حضرت نے خود بیان فرمایا تھا۔ اس طرح ہے۔

مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت اللہ صاحب بن قاضی پیر بخش بن قاضی غلام حسن بن قاضی غلام علی بن قاضی علی اکبر بن قاضی محمد اسلم الانصاری الایوبی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اور ماں کی جانب سے سلسلہ نسب جس کو حضرت کے ماموں محمد شفیع صاحب نے خاندانی شجرہ محفوظ سے نقل کرایا یوں ہے۔ "مولانا رشید احمد صاحب بن ساۃ کریم النساء بنت فرید بخش بن غلام قادر الی آخرہ۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۳)

سبق

مولانا اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں شرک کی باتوں کی فہرست میں یہ بھی لکھا ہے کہ اپنی اولاد کا نام عبدالنبی امام بخش پیر بخش رکھے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۳)

اس فہرست کے آخر میں لکھا ہے کہ

سو ان سب باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۴)

مولانا رشید احمد کے باپ کی طرف سے سلسلہ نسب میں دادا کا نام پیر بخش ہے اور یہ نام شرک ہے اگر کہا جائے کہ دادا نے یہ نام خود نہیں رکھا تھا۔ تو پھر پر دادا غلام حسن مشرک ثابت ہوتے ہیں جنہوں نے یہ نام رکھا۔ ماں کی جانب سے سلسلہ نسب میں نانا کا نام فرید بخش ہے۔ یہ نام بھی شرک ہے۔ بہرحال دونوں سلسلوں میں شرک موجود ہیں۔ ان مشرکوں کے

باعث دونوں سلسلے ان دونوں مشرکوں پر منقطع ہو گئے۔ اور حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچ ہی نہ سکے۔ لہٰذا مولانا ان دونوں سلسلوں سے شریف النسب یعنی نجیب الطرفین ثابت نہ ہوئے۔ نجیب الطرفین بننے کے لیے ضروری ہے۔ کہ تقویۃ الایمان سے بیزاری کا اظہار کیا جائے۔ ورنہ شریف النسب نجیب الطرفین لکھنے سے اجتناب کیا جائے ؎

غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلے و فرقت لیلے

حکایت ع۵۷

مولوی اشرف علی صاحب کا میلاد نامہ

(مولوی اشرف علی صاحب کے) والد ماجد کو مرض خارشت ہو گیا تھا۔ اور اس قدر شدید ہو گیا تھا کہ کسی دوا سے فائدہ نہ ہوتا تھا کسی ڈاکٹر نے کہا کہ اس مرض کی ایک دوا اکسیر ہے۔ مگر وہ قاطع النسل ہے۔ چونکہ والد صاحب مرض سے بہت تنگ آ گئے تھے اس لیے انہوں نے اس دوا کا استعمال یہ کہہ کر لیا کہ بلا سے اولاد نہ ہو بقاء نوعی سے بقاء شخصی مقدم ہے۔ والدہ صاحبہ کو جب یہ معلوم ہوا تو بہت پریشان ہوئیں۔ کیوں کہ اس وقت تک کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ شدہ شدہ یہ خبر نانی صاحب کو بھی پہنچ گئی۔ ان کو بھی بڑی پریشانی ہوئی۔ انہوں نے حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مجذوب پانی پتی سے جو اتفاق سے نانا صاحب کے تعلقات سابقہ کی وجہ سے تشریف لائے ہوئے تھے شکایت کی کہ حضرت میری اس لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے۔ حافظ صاحب نے بطریق معما فرمایا کہ عمر و علی کی کشاکشی میں مر جاتے ہیں۔ اب کی بار علی کی سپرد کر دینا زندہ رہے گا۔ اس مجذوبانہ معما کو کوئی نہ سمجھا۔ لیکن والدہ صاحبہ نے اپنی فہم خداداد اور نور فراست سے اس کو حل کیا۔ اور فرمایا۔ کہ حافظ کا یہ مطلب ہے۔ کہ لڑکوں کے باپ فاروقی ہیں۔ اور ماں علوی۔ اور اب تک جو نام رکھے گئے۔ وہ باپ کے نام پر رکھے گئے۔ یعنی فضل حق وغیرہ۔ اب کی بار جو لڑکا ہو۔ اس کا نام ننھیال کے ناموں کے مطابق رکھا جائے۔ جس کے آخر میں علی ہو۔ حافظ صاحب یہ سن کر ہنسے اور فرمایا کہ واقعی میرا یہی مطلب ہے۔ یہ لڑکی بڑی عقلمند معلوم ہوتی ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ ان شاء اللہ

اس کے دو لڑکے ہوں گے۔ اور زندہ رہیں گے ایک کا نام اشرف علی خاں رکھنا دوسرے کا نام اکبر علی خاں نام رکھتے وقت خاں اپنی طرف سے جوش میں آکر بڑھا دیا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا پٹھان ہوں گے؟ فرمایا نہیں۔ اشرف علی اور اکبر علی نام رکھنا۔ یہ بھی فرمایا۔ کہ دونوں صاحب نصیب ہوں گے۔ یہ بھی فرمایا ایک میرا ہوگا وہ مولوی ہوگا اور حافظ ہوگا اور دوسرا دنیا دار ہوگا۔ چنانچہ یہ سب پیشگوئیاں حرف بحرف راست نکلیں۔ (مولوی اشرف علی صاحب کا خود نوشت میلاد نامہ) (اشرف السوانح صفحہ ۱۷ تا ۲۵)

سبق

یہ "میلاد نامہ اشرف" اور میلاد نامہ اکبر" مولوی اشرف علی صاحب کا اپنا لکھا ہوا ہے۔ اس اپنے میلاد نامہ میں مولوی صاحب نے اپنی ولادت کا پورا قصہ سنایا ہے۔ اپنی ولادت کی بشارت و پیشگوئی بیان کی ہے۔ اور یہ کہ استقرار حمل سے بھی پہلے آپ کا نام رکھا جا چکا تھا۔ اپنی ولادت کے ضمن میں آپ نے اپنے والد۔ والدہ۔ نانا۔ نانی اور اس مجذوب بزرگ کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کی پیشگوئی کے مطابق آپ پیدا ہوئے۔ اسی ضمن میں قاطع النسل دوا کھلانے والے کسی ڈاکٹر کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ اس ڈاکٹر نے "والد صاحب" کو جو دوا کھلا دی تھی اس کا برا اثر ایک بزرگ کی نظر کرم سے زائل ہوا۔ اگر وہ بزرگ تشریف نہ لائے ہوتے۔ تو حضرت والا کی بھی تشریف آوری نہ ہوتی۔ اس بزرگ کی ہدایت کے مطابق حضرت والا حضرت علی کی سپرد ہو گئے تو بچ گئے ورنہ یہ بھی سپردِ خدا ہو جاتے۔

حضرت والا نے اس مجذوب بزرگ کے علم کی اتنی وسعت بیان کی ہے کہ انہیں نہ صرف ما فی الارحام ہی کا علم تھا بلکہ حضرت والا اور ان کے بھائی صاحب دونوں خدا کے علم ہی میں تھے کہ ان کی نظر وہاں بھی جا پہنچی۔ اور بتا دیا۔ کہ دو لڑکے ہوں گے۔ اور زندہ رہیں گے۔ ایک مولوی ہوگا دوسرا دنیا دار۔

"چنانچہ یہ سب پیشگوئیاں حرف بحرف راست نکلیں"

حضرت والا کی اپنی تحریر کے مطابق خود حضرت والا کا وجود ہی بزرگوں کے فیض و تصرف اور ان کے مطلع علی الغیوب ہونے کی ایک ٹھوس دلیل ہے رہے کسی دیوبندی

میں یہ جرأت کہ وہ اس دلیل کو توڑ سکے؟

سوانح نگار خواجہ عزیز الحسن نے حضرتِ والا کی ولادت ہی کے ذکر پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ان کے ایام رضاعت و بچپن کے حالات بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"چونکہ حضرت والا کے چھوٹے بھائی حضرت والا کے تولد کے تقریباً چودہ ماہ بعد ہی پیدا ہو گئے تھے۔ اور دودھ دو بچوں کے لیے کافی نہ ہوتا تھا۔ اس لئے حضرت والا کے لئے ایک انّا یعنی دودھ پلائی مقرر کی گئی تھی وہ ضلع میرٹھ کے کسی دیہات کی تھیں اور قوم کی قصائی تھیں۔ چنانچہ حضرت والا مزاح میں اکثر فرمایا کرتے ہیں۔ کہ میں نے قصائن کا دودھ پیا ہے۔ اس لئے بھی میرے مزاج میں حدت ہے۔ مگر الحمد للہ شدت نہیں۔ (اشرف السوانح صفحہ ۳۷ ج ۱)

ماشاء اللہ ایک قصائن کے دودھ سے آپ کی نشوونما ہوئی۔ مگر ایک بات تعجب خیز ہے۔ کہ آپ کو دادھیال کی طرف سے نسبت فاروقی اور ننھیال کی طرف سے نسبت علوی حاصل تھی۔ اور فاروق اعظم و حضرت علی رضی اللہ عنہما تو اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے مصداق تھے۔ اس لحاظ سے تو حضرت والا میں شدت ہونی چاہیے تھی۔ مگر ایک قصائن کا دودھ اس شدت پر غالب آگیا۔ اور اب فرما رہے ہیں کہ "الحمد للہ شدت نہیں" سوانح نگار نے حضرت والا کے بچپن کے حالات کے سلسلہ میں حضرتِ والا کا یہ اپنا بیان درج کیا ہے۔ کہ

"ایک بار زمانہ طالب علمی میں میری زبان سے حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کے متعلق نسبی سہو گفتگو میں یہ نکل گیا۔ کہ مولانا پڑھے ہوئے نہیں۔ واقعی مولانا نے ظاہری علم نہیں پڑھا تھا۔ گو بڑے مدبر اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ یہ سن کر والد صاحب کو غصہ آگیا۔ اور بہت خفا ہوئے کہ بزرگوں کی شان میں کہیں ایسے الفاظ کہا کرتے ہیں۔ اس قدر خفا ہوئے کہ مارنے کو مجھے کو مارا نہیں۔ (اشرف السوانح صفحہ ۳۹ ج ۱)

حضرت والا نے طالب علمی کے زمانہ ہی سے اہل علم کے علم کی تنقیص کا شغل اختیار فرما لیا تھا۔ مولانا کو مولانا کہہ کر بھی کہہ دیا کہ وہ پڑھے ہوئے نہ تھے۔ چونکہ والد صاحب کی

نظر میں یہ الفاظ بزرگوں کی شان کے خلاف تھے۔ اس لیے وہ اب خوردار کو مارنے کے لئے اٹھے والد صاحب کو کیا خبر تھی۔ کہ یہ برخوردار بڑا ہو کر سارے بزرگوں سے پیشوا و آقا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کی بھی تخفیف و تنقیص کرے گا۔ اور یوں لکھے گا۔

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے حفظ ایمان ص۸

اس عبارت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو زید و عمر۔ صبی و مجنون اور سارے جانوروں کے علم سے تشبیہ دے کر بتایا ہے کہ اس میں حضور کے علم کی کیا تخصیص ہے؟

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ دیکھ کر ان کے والد صاحب کی طرح اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ خفا ہوئے۔ اور انہیں توبہ کی ہدایت کی۔ مگر حضرت والا کی زبان سے جو طالب علمی کے زمانے سے ایسے الفاظ نکالنے کی عادی ہو چکی تھی۔ جو الفاظ نکل گئے نکل گئے۔ اب حضرت والا ان سے رجوع ہرگز نہ کریں گے۔ اپنی اس ضد کا اعتراف انہوں نے خود کیا ہے۔ مگر ـــ

"خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں۔ گفتہ آید در حدیث دیگراں"

کے مطابق اس طرح کیا ہے کہ

اہل علم میں یہ غلطی شل وبا عام کے سرایت کئے ہوئے ہے۔ کہ اپنی غلطی کے سقراور خطا کے معترف نہیں ہوتے۔ لا ادری ولا اعلم کا نام نہیں جانتے جو منہ سے نکل گیا وہ کا لحجر ہوگیا۔ زمین پھٹ جائے آسمان پھٹ جائے مگر مولوی صاحب اپنے قول سے رجوع نہیں کرتے۔

(ملفوظات ہفت اختر ص۵۵)

"حفظ الایمان" کی مذکورہ بالا عبارت کے متعلق لاکھ کوشش کی گئی کہ مولوی صاحب اس سے رجوع کرلیں۔ مگر سب نے دیکھا کہ

زمین ہٹ جائے آسمان پھٹ جائے گر مولوی صاحب اپنے قول سے رجوع نہیں کرتے۔

مولوی صاحب کے میلاد نامہ میں سوانح نگار خواجہ عزیز الحسن حضرت والا کے بچپن کے متعلق لکھتے ہیں۔

حضرت والا کی ذہانت بچپن کی شوخیوں میں بھی نمایاں تھیں۔ نئی نئی جدتیں سوجھتی تھیں۔ خود فرماتے تھے۔ کہ ایک دفعہ مجھے کیا شرارت سوجھی کہ برسات کا زمانہ تھا مگر ایسا کہ کبھی برس گیا کبھی کھل گیا۔ مگر چارپائیاں باہر ہی بچھتی تھیں۔ جب برسنے لگا۔ چارپائیاں اندر کریں۔ جب کھل گیا باہر بچھالیں۔ والدہ صاحبہ کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ بس والد صاحب اور ہم دونوں بھائی ہی مکان میں رہتے تھے۔ تینوں کی چارپائیاں ملی ہوئی بچھتی تھیں ایک دن میں نے چپکے سے تینوں چارپائیوں کے پائے رسی سے آپس میں خوب کس کر باندھ دیئے۔ اب رات کو جو مینہ برسنا شروع ہوا۔ تو والد صاحب جدھر سے بھی گھسیٹتے ہیں۔ تینوں کی تینوں چارپائیاں ایک ساتھ گھسٹتی چلی آتی ہیں رسیاں کھولتے ہیں تو کھلتی نہیں۔ کیونکہ خوب کس کے باندھی گئی تھیں۔ کاٹنا چاہا تو چاقو نہیں ملتا غرض بڑی پریشانی ہوئی۔ اور بڑی مشکل سے پائے کھل سکے اور چارپائیاں اندر لے جائی جاسکیں اس میں اتنی دیر لگی کہ خوب بھیگ گئے والد صاحب بڑے خفا ہوئے کہ یہ کیا نامعقول حرکت تھی۔ اشرف السوانح ص ۳۹/۱

یہ تو تھی حضرت والا کی اپنے والد صاحب سے نامعقول حرکت۔ اب جو انہوں نے اپنے ایک نابینا استاد سے حرکت کی وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ایک نابینا حافظ تھے جن کو کلام مجید بہت پختہ یاد تھا۔ اور اس کا ان کو ناز بھی تھا۔ ان کو حضرت والا قبل بلوغ نوافل میں کلام مجید سنایا کرتے تھے ایک بار رمضان شریف میں دن کو ان سے کلام مجید کا دور کر رہے تھے۔ حضرت والا نے دور کے وقت ان کو متنبہ کر دیا کہ حافظ جی میں آج تم کو دھوکا دوں گا۔ اور یہ بھی بتائے دیتا ہوں۔

کہ فلاں آیت میں دھوکا دوں گا۔ حافظ جی نے کہا کہ میاں جاؤ بھی تم مجھے کیا دھوکا دے سکتے ہو۔ بڑے بڑے حافظ تو مجھے دھوکا دے بھی نہ سکے۔ حضرت والا جب سانے کھڑے ہوئے اور اس آیت پر پہنچے۔ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ تو بہت ترتیل کے ساتھ پڑھا۔ جیسا کہ رکوع کرنے کے قریب حضرت والا کا معمول ہے۔ اس کے بعد اس کے آگے جب اَللّٰهُ يَعْلَمُ پڑھنے لگے تو لفظ اللہ کو اس طرح بڑھا کر پڑھا۔ کہ جیسے رکوع میں جا رہے ہوں۔ اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے والے ہوں۔ بس حافظ جی یہ سمجھ کر کہ رکوع میں جا رہے ہیں فوراً رکوع میں چلے گئے۔ ادھر حضرت والا نے آگے قرأت شروع کر دی يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ جب ادھر حافظ جی تو رکوع میں پہنچے اور ادھر قرأت شروع ہو گئی۔ فوراً ہی حافظ جی سیدھے کھڑے ہو گئے۔ اس پر حضرت والا کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ اور قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ اور ہنسی سے اس قدر مغلوب ہوئے۔ کہ نماز توڑ کر الگ ہو گئے۔ (اشرف السوانح ص ۲۲ ج ۲)

ایک نابینا حافظ صاحب جن سے حضرت والا قرآن مجید کا دور کرتے اور قرآن پاک یاد کرتے تھے۔ ان سے علی الاعلان فرماتے ہیں کہ

حافظ جی! میں آج تم کو دھوکا دوں گا۔

کسی تعظیمی لفظ سے خطاب اس لئے نہ کیا کہ دھوکا دینے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ ایک نابینا بچارے کو واقعی دھوکا دے کر اس فن میں اپنی مہارت کا مظاہرہ فرما دیا۔ اور اپنے اس مظاہرہ پر نماز ہی میں قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور نماز بھی توڑ دی۔ ظاہر ہے۔ کہ امام کی نماز ٹوٹ جائے تو مقتدیوں کی بھی یقیناً ٹوٹ جاتی ہے۔ گویا حضرت والا نے "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے۔" کے مطابق اپنے ساتھ مقتدیوں کی نمازیں بھی برباد کر دیں۔

کیا فرماتے ہیں علماء دیوبند کہ ایک امام جو اپنے مقتدیوں کو دھوکا دینے کا ایک منصوبہ بنا کر مصلے پر جا کھڑا ہو۔ اور نماز پڑھاتے ہوئے اپنا دھیان اسی منصوبہ کی طرف لگائے رکھے۔ جب دھوکا دینے کا وقت آ جائے تو جھٹ اپنے منصوبہ کے مطابق دھوکا دے دے۔

اور اپنی کامیابی پر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور نماز توڑ کر الگ ہو جائے۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے۔

یہ ہے جناب مولوی اشرف علی صاحب کا میلاد نامہ۔ سنی حضرات تو محافل میلاد شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف کا ذکر کیا کرتے ہیں جسے بدعت بتایا جاتا ہے۔ یہ مولوی اشرف علی صاحب کا اپنا ذکر میلاد ہے۔ دیوبندی حضرات اشرف السوانح سے پڑھ کر اسے بیان کریں اور ثواب دارین حاصل کریں۔

قطرۂ خونِ جگر سے کی تواضع عشق کی
سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھ دیا

حکایت ۵۵ — لڑکپن میں حضرت والا کی حرکتیں

ایک مرتبہ میرٹھ میں ایسا ہوا کہ بارش کے ایام تھے۔ مگر کبھی کبھی ترشح بھی ہوتا تھا سب باہر صحن میں لیٹا کرتے تھے۔ والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ ہم لوگ (مولانا اشرف علی اور منشی اکبر علی) والد صاحب کے پاس رہتے تھے۔ تین چارپائیاں برابر بچھی ہوئی تھیں۔ والد صاحب اور ہم دونوں بھائیوں کی۔ میں نے (مولانا اشرف علی نے) رسی لے کر سب کے پائے ملا کر خوب کس کر باندھ دیئے۔ اور پڑ کر سو گئے۔ پھر والد صاحب بھی آکر لیٹ گئے۔ اتفاق سے بارش آئی تو والد صاحب اٹھے۔ اور ہم کو بھی اٹھایا۔ بچپن کی نیند تھی۔ ہوں ہوں کر کے پھر رہ گئے۔ والد صاحب جھلائے۔ نہیں اٹھتے تو پڑا رہنے دو۔ اور اپنی چارپائی گھسیٹی۔ اب وہاں تینوں چارپائیاں ایک ساتھ چلی آرہی ہیں۔ بے حد غصے ہوئے۔ اور فرمایا کہ ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ اب سب بھیگ رہے ہیں۔ چاقو ڈھونڈا۔ اتفاق سے جلدی میں رسی کاٹنے کے لیے چاقو بھی نہ ملا آخر خود ہی باورچی خانہ سے چاقو ڈھونڈ کر لائے اور ان رسیوں کو کاٹا۔ تب وہاں سے چارپائیاں اٹھ سکیں مجھے یاد نہیں کہ اس حرکت پر کوئی چپت لگایا نہیں۔

(الافاضات الیومیہ صـ ۲۷ ج ۴)

سبق

یہ ہے دیوبندی حضرات کے مجدد ملت اور حکیم الامت کی حکمت۔ کہ بارش کے امکان کے پیش نظر اپنی دونوں چارپائیوں کے پائے والد صاحب کی چارپائی کے پائے سے باندھ دیئے۔ تاکہ بارش آجائے تو ہمیں اٹھ کر اپنی چارپائیوں کو اندر لے جانا نہ پڑے بلکہ یہ خدمت والد صاحب انجام دیں۔ یہ پھول پھول کریں اور وہ آہ آہ کریں قرآن پاک کی تعلیم ہے وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا کہ ماں باپ سے نیکی کرو۔ سب سے پہلی نیکی حضرت والا نے اپنے والد سے یہ کی۔ کہ چارپائیوں کو ایک دوسری سے باندھ کر ریل گاڑی تیار کر لی۔ اور انجن کا کام والد صاحب سے لیا۔ والدہ صاحبہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ورنہ اس ریل گاڑی میں ایک زنانہ ڈبہ بھی ہوتا۔ اور والد صاحب انجن بن کر پوری ٹرین کو چلاتے۔

کیا کسی بھی مجدد ملت نے اپنے لڑکپن میں اپنے والد سے ایسی حرکت کی۔ یہ دیوبندی حضرات کے ہی مجدد ہیں جنہوں نے والدین کے ساتھ نیکی کی تجدید نہیں کی۔ بلکہ اس باب میں تجدد سے کام لے کر ایک ایسی بات نکالی جس کے باعث آج نہیں تو کل چپت ضرور لگے گا۔

حضرت والا فرماتے ہیں۔ کہ یاد نہیں کہ اس حرکت پر
کوئی چپت لگا یا نہیں؟
چپت لگا تو ضرور ہو گا۔ مگر حضرت والا نے یاد اس لئے نہیں رکھا۔ کہ ابھی آپ نے اور بہت سی ایسی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بری حرکتیں کرنا تھیں۔

چنانچہ آپ اپنی ایک اور بری حرکت کا ان الفاظ ذکر کرتے ہیں۔ کہ
ایک مرتبہ میرٹھ میں میاں الٰہی بخش صاحب مرحوم کی کوٹھی میں جو مسجد ہے سب نمازیوں کے جوتے جمع کر کے اس کے شامیانہ پر پھینک دیئے۔ نمازیوں میں غل مچا کہ جوتے کیا ہوئے۔ ایک شخص نے کہا وہ یہ لٹک رہے ہیں۔

(الافاضات الیومیہ ج ۴ ص ۲۷۲)

یہ جو مسجدوں میں کئی بار نمازیوں کے جوتے گم ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے حضرت والا

کی ہی روح بعض لوگوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور ایسے لوگ نمازیوں کے جوتے لے اڑتے ہیں۔

"کسی کی پگڑی اچھالنا" تو ایک پرانا محاورہ تھا۔ تھانوی مجدد ملت نے "جوتے اچھالنا" ایک نیا محاورہ پیدا کر دیا۔ دیوبندی ملت ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے کی جگہ ایک دوسرے کے جوتے اچھالا کرے۔ تاکہ آپس میں جوتا جلدی چل سکے پائیدار جوتا ہوگا تو بہت چلے گا۔ جوتے میں دال بھی بٹ سکتی ہے۔

حضرت والا کی تیسری حرکت بھی ملاحظہ فرمایئے۔ دیوبندی حضرات غور سے پڑھیں۔ اور عبرت حاصل کریں فرماتے ہیں۔ کہ

ایک صاحب تھے میری سوتیلی والدہ کے بھائی۔ بہت ہی نیک اور سادہ آدمی تھے۔ والد صاحب نے ان کو ٹھیکہ کے کام پر رکھ چھوڑا تھا۔ ایک مرتبہ کسرت سے گرمی میں بھوکے پیاسے پریشان گھر آئے اور کھانا نکال کر کھانے میں مشغول ہو گئے۔ میں سامنے بازار سے۔ میں نے سڑک پر سے ایک کتے کا پلہ چھوٹا سا پکڑ کر گھر لا کر ان کی دال کی رکابی میں رکھ دیا۔ بیچارے روٹی چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کچھ نہیں کہا (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۲۶۳)

آخر مجدد ہی تو تھے۔ جدت پیدا نہ کریں۔ تو مجدد کس کام کے۔ دال کی رکابی میں گوشت خرید کر اپنے ماموں جان کے لئے گوشت کی فکر پیدا ہوئی تو دو تین پاؤ گوشت کا پلہ مسلم رکابی میں ڈال دیا تاکہ ماموں جان یہ نہ کہہ سکیں کہ بہن کے گھر گئے تو نری دال ملی۔ ماموں جان نے جا اپنے مجدد بھانجے کی اس ماموں نوازی کی قدر نہ کی اور روٹی چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ تو یہ ان کی اپنی مرضی تھی۔ بھانجے نے تو حق خدمت میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔ پلہ مسلم لائے تھے۔ ہاں اگر کتے کے پلہ کی جگہ کوا پکڑ کر رکابی میں ڈال دیتے۔ تو ممکن ہے مولانا رشید احمد گنگوہی کے روحانی تصرف سے ماموں جان روٹی چھوڑ کر کھڑے نہ ہو جاتے بلکہ اسے تناول فرما کر ثواب بھی حاصل کرتے۔

حکیم الامت مجدد ملت کی چوتھی حرکت پڑھیئے۔ بالخصوص دیوبندی حضرات اپنے

اپنے شانوں پر ضبط کر کے حضرت والا کی یہ حرکت پڑھیں۔ فرمایا۔

میں ایک روز پیشاب کر رہا تھا بھائی صاحب نے آ کر میرے سر پر پیشاب کرنا شروع کر دیا ایک روز ایسا ہوا کہ بھائی پیشاب کر رہے تھے۔ میں نے ان کے سر پر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے اس وقت والد صاحب تشریف لے آئے۔ فرمایا یہ کیا حرکت ہے میں نے عرض کیا کہ ایک روز انہوں نے میرے سر پر پیشاب کیا تھا۔ بھائی نے اس کا بالکل انکار کر دیا۔ مختصر سی پٹائی ہوئی۔ اس لیے کہ میرا تو دعویٰ ہی دعویٰ رہ گیا تھا۔ ثبوت کچھ نہ تھا۔ اور میرے فعل کا مشاہدہ تھا۔ غرض جو کسی کو نہ سوجھتی تھی وہ ہم دونوں بھائیوں کو سوجھتی تھی۔ (الافاضات الیومیہ صـ ۲۷۳ ج ۴)

کیسی پاکیزہ حرکت ہے۔ کہ ایک دوسرے کے سر کو پلید کر دیا۔ پیشاب اگر مایوکل لحمہ کا ہوتا تو بھی نجاست میں تخفیف کا امکان تھا۔ مگر یہاں تو دونوں کا پیشاب مالا یوکل لحمہ کا پیشاب تھا۔ جو نجاست غلیظہ کا حکم رکھتا ہے آپ نے یہ غلیظ حرکت غالباً اس کتے کے پلے سے سیکھی ہو گی جسے پکڑ کر آپ نے ماموں جان کی رکابی میں ڈال دیا تھا۔ اس پلے کو اپنے بھائیوں میں کھیلتے ہوئے آپ نے دیکھا ہو گا کہ ایک دوسرے کے سر پر پیشاب کر رہے ہیں۔ اس غلیظ حرکت پر آپ کی جو پٹائی ہوئی وہ اس لیے کہ آپ حرکت کرتے ہوئے عین وقت پہ پکڑے گئے۔ ورنہ اپنے بھائی کی طرح آپ بھی جھوٹ بول کر انکار کر دیتے۔

حضرت والا اپنی ان بری حرکتوں پہ فخر سے کہتے ہیں۔ کہ ہم ایسی حرکتیں کرتے تھے۔ مگر ہمیں کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔ (الافاضات الیومیہ صـ ۲۷۳ ج ۴)

شہر کی دیواروں پر آپ نے اکثر یہ لکھا ہوا دیکھا ہو گا۔

یہاں پیشاب کرنا منع ہے۔

وہاں اگر کوئی انسان پیشاب کر دے تو پکڑا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی جانور پیشاب کر دے تو اُسے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ حضرت والا فرماتے ہیں۔

جو کسی کو نہ سوجھتی تھی وہ ہم دونوں بھائیوں کو سوجھتی تھی۔

اور ہم نے یہ دیکھا ہے۔ کہ جو حضرتِ والا کو سوجھتی تھی۔ وہ ان کے بھائی کو بھی نہ سوجھتی تھی۔ حضرتِ والا کو کتابیں لکھنے و بیچنے کی سوجھی۔ ایک تو ان سے روپیہ خوب کمایا۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔ کہ مجھے ایک صاحب نے لکھا کہ

خدا کا خوف کرو اس قدر دین فروش مت بنو کتابیں چھاپ چھاپ کر اتنا تو روپیہ کمایا ہے اور پھر بھی قناعت نہیں (الافاضات الیومیہ ص ۵۲ ج ۴)

اور پھر ان کتابوں میں ایسی ایسی باتیں لکھنا سوجھیں۔ کہ ان سے مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیا۔ اور ایسا لڑایا۔ کہ آج تک ان کی سوجھ کی بدولت ایک دوسرے پر شرک و کفر کے فتوے لگ رہے ہیں۔

حضرتِ والا ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

اور جگہ ولایت قطبیت غوثیت ابدالیت تقسیم ہوتی ہے میرے یہاں انسانیت آدمیت سکھائی جاتی ہے اگر ولی بزرگ بننا قطب بننا غوث بننا ہو تو اور جگہ جاؤ۔ انسان بننا ہو آدمی بننا ہو۔ یہاں پر آؤ۔ (الافاضات الیومیہ ص ۵۹ ج ۴)

اس ارشاد کے مطابق جو بھی حضرتِ والا کے یہاں جائے گا حضرتِ والا اسے آدمیت اور انسانیت سکھائیں گے اور انسان بنائیں گے۔ اور وہی انسانیت سکھائیں گے جو خود آپ میں ہے۔ اور اسی قسم کا انسان بنائیں گے جیسے آپ خود ہیں۔ اور آپ کی انسانیت یہ ہے کہ شروع بارش کے دن ہوں۔ تو باپ کو تنگ کیا جائے۔ سالوں جان کے کھانے میں کتے کا پلہ ڈال دیا جائے۔ اور بھائی کے سر پر پیشاب کر دیا جائے۔ گویا آپ اپنے یہاں آنے والے کو نہ ولی بنائیں گے نہ قطب نہ غوث نہ ابدال۔ بلکہ ایک نادر انسان بنائیں گے۔ جس سے ہر شریف آدمی پناہ مانگنے لگے۔

حضرتِ والا نے اگر لڑکپن میں یہ بُری حرکتیں کی تھیں۔ تو مسندِ ارشاد پر بیٹھ کر اپنے معتقدین اور مستورات کے بیان کرنے کی کیا حاجت تھی معلوم ہوتا ہے۔ حضرتِ والا کو بزرگی کے عالم میں بھی اپنی لڑکپن کی حرکتوں کو یاد کر کے لطف آتا تھا۔ یہ ملفوظ نمبر ۳۲۴ پورے ایک صفحہ پر پھیلا ہوا ہے۔ اور سارے ملفوظ میں حضرتِ والا نے یہی اپنی لڑکپن کی حرکتیں بیان

کی ہیں۔ تاکہ سامعین انسان بن سکیں۔

اللہ والوں کی محفل میں عاقبت سنوارنے کی تلقین ہوتی ہے دینی آداب سکھائے جاتے ہیں۔ اور یہاں نمازیوں کے جوتے اچھالنے پاکیزہ کھانے میں کتا ڈال دینے اور ایک دوسرے کے سر پر پیشاب کر دینے کی کہانیاں سنائی جا رہی ہیں۔ کیا اچھا طریق ہے انسان بنانے کا۔

فرض کیجئے ایک سنجیدہ محفل دینی ماحول کی مجلس جمی ہو۔ اور اس میں حضرت والا اپنا یہی ملفوظ سنانا شروع کر دیں کہ میں۔

لڑکپن میں چارپائیوں کی ٹرین بنا کر اپنے والد صاحب سے چلوایا کرتا تھا۔

نمازیوں کے جوتے جمع کر کے غائب کر دیا کرتا تھا۔

ماموں جان کے کھانے میں کتہ ڈال دیا کرتا تھا۔

بھائی کے سر پر پیشاب کر دیا کرتا تھا۔

سوچیے کہ اس دینی محفل کے حاضرین نے کیا اثر لیا ہوگا۔ اور وہ کیوں نہ یہ شعر پڑھ کر اٹھ گئے ہوں گے ؎

کیا یہی ہیں مولوی اشرف علی
گر ولی این است لعنت بر ولی

حکایت ۵۹

نوچندی کے میلہ میں

(جناب مولوی اشرف علی صاحب نے) فرمایا۔ کہ میں ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں میرٹھ میں نوچندی دیکھنے گیا۔ شیخ الہٰی بخش صاحب کے یہاں والد صاحب ملازم تھے۔ میاں الہٰی بخش صاحب کے برادر زادہ شیخ غلام محی الدین نے مجھ سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب نوچندی میں جانا کیسا ہے؟ میں نے کہا جو مقتدا بننے والا ہو۔ اس کو جانا جائز ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ کسی کو منع کرے گا اور اس وقت اس پر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا کیا خرابی ہے تو اپنی آنکھ سے دیکھی ہوئی خرابیوں کو بے دھڑک بیان کر تو سکے گا۔

وہ بہت ہنسے کہ بھائی مولوی لوگ اگر گناہ بھی کریں۔ تو اس کو دین بنا لیتے ہیں۔ فرمایا کہ لڑکپن میں ذہن بہت چلتا تھا گو کبھی ٹیڑھا بھی چلتا تھا جیسا اس واقعہ میں نفس کی شوخی تھی۔ اب ایسی باتوں سے نفرت معلوم ہوتی ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص ۲۴۲)

سبق

حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب کو معلوم تھا کہ وہ مقتدا بننے والے ہیں۔ اور ان کے نزدیک مقتدا بننے والا پہلے ہر برے کام کا خود ارتکاب کرے تاکہ وہ اس کی برائیوں کو خود دیکھ کر دوسروں کو بتا سکے کہ وہاں یہ یہ کچھ ہوتا ہے۔ حضرت والا کے اس خود ساختہ اصول سے مقتدا بننے والوں کے لئے ہر برائی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور اور ایسا مقتدا خدا تعالیٰ کے ارشاد لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا مصداق بن جاتا ہے۔

حضرت والا نے اپنے اس اصول پر عمل کرتے ہوئے کیا کیا دیکھا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم ان کے ملفوظات سے کچھ کچھ معلوم بھی ہوا۔ چنانچہ حضرت والا نے ایک مقام پر اپنے آپ کو سچا اور صحیح پیر اور دوسرے مشائخ کو رسمی اور دکان دار پیر ثابت کرنے کے لئے ان کی خرابیاں کو بے دھڑک بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

میں تو جب تک کھونا کھرا دیکھ لوں اس وقت تک پاس کو بھی نہیں گذرنے دیتا کوئی دکان تھوڑا ہی جمانا ہے میں تو ایک مثال دیا کرتا ہوں۔ گو بظاہر ہے تو ذرا فحش مگر ہے منطبق۔ وہ یہ کہ رنڈی اور گھرستن میں ایک بڑا فرق یہ ہوتا ہے۔ کہ رنڈی تو ہر قسم کی تدابیر اپنی طرف مائل کرنے کی کرے گی۔ بناؤ سنگار کرے گی۔ چہرہ پر پوڈر ملے گی۔ کپڑے صاف ستھرے پہنے گی۔ غرض کہ دل لبھانے کی ہر تدبیر کرے گی۔ اور گھرستن خدمت کرے گی ذلت اٹھائے گی۔ مگر زیادہ دبایا جائے گا صاف کہہ دیگی کہ میں بھی برادری کی ہوں۔ کسی بات میں تم سے کم نہیں ہوں۔ آجکل کے بہت سے رسمی پیروں نے رنڈیوں کا سا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے۔ ہر قسم کی تدابیر لوگوں کے پھنسانے کی کرتے ہیں۔ اغراض بھی پیر جی اور رنڈی میں مشترک ہیں۔ وہی چھپٹنا اور اینٹھنا

یہ بھی دونوں میں مشترک ہیں اسی فرق کی بنا پر کہتا ہوں۔ کہ رنڈی کو دس پانچ روپیہ دے کر جب چاہو راضی کر لو۔ اور کسی کی لڑکی تو اس طریق سے لو معتد بہ روپیہ الگ صرف ہوتا ہے سخت سخت شرائط الگ پورے کرنے پڑتے ہیں تب بھی ناک سیدھی ہو جاوے غنیمت سمجھا جاتا ہے

(الافاضات الیومیہ صفحہ ۲ ج ۵)

حضرت والا نے یہ مثال دیتے ہوئے بے فحش بتایا ہے۔ مگر اپنے مضمون پر منطبق پا کر اسے بیان کر دیا ہے۔ حالانکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ فحش گوئی شانِ مومن کے خلاف ہے (مشکوٰۃ شریف) حضرت والا کو یہ دیکھنا چاہیئے تھا۔ کہ اس فحش مثال کا بیان ان کی شان کے مطابق ہے یا نہیں؟ مگر انہوں نے اپنے مضمون کے مطابق پا کر اسے بیان کر دیا۔

یہ مثال دے کر حضرت والا نے دوسرے ہر پیر کو رنڈی قرار دیا ہے۔ اور خود کو گھرستن۔ جو جو خرابیاں رنڈیوں میں ہوتی ہیں حضرت والا نے دھڑک بیان کر دی ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ

رنڈی کو تو دس پانچ روپیہ دے کر جب چاہے راضی کر لو۔

یہ بات بھی حضرت والا سے معلوم ہو گیا۔ مقتدا بننے والے کا پہلے ان مراحل سے گزرنا مقتدیوں کے لیے معلومات میں اضافہ کا باعث بن گیا۔

حضرت والا کا یہ فرمانا ہی کہ

کوئی دکان تھوڑا ہی جانا ہے۔

دراصل اپنی دکان کی نمائش ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس امر کا اعلان بھی ہے کہ دوسری دکانوں سے جو مال ملتا ہے پائیدار نہیں۔ دس پانچ روپیہ میں جو مال ملے گا۔ وہ کس کام کا؟ میری دکان میں کیا ہے۔؟ سنیئے۔

میں نہ بزرگی تقسیم کرتا ہوں نہ کرامت نہ قطبیت نہ غوثیت اگر کسی کو ان کی ضرورت ہو تو کہیں اور جائے میں تو صرف انسان بناتا ہوں اگر انسان بننا ہو

یہاں پر آؤ۔ (الافاضات الیومیہ ص ۳۵ ج ۵)

گویا۔ بزرگی۔ کرامت غوثیت قطبیت دس دس پانچ روپے کی چیزیں ہیں۔ انسانیت مہنگی ہے۔ اور وہ میری دکان سے دستیاب ہے۔ معقد بہ روپیہ خرچ کیجئے۔ اور مال حاصل کیجئے۔

حضرت والا کے اس پراپیگنڈے سے آپ کی دکان خوب چمک اٹھی۔ چنانچہ مولف حیات اشرف کہتا ہے کہ

اس دکانِ معرفت پر خریدارانِ علم و عرفان کا وہ ہجوم ہوا۔ جو حضرت سلطان الاولیا قدس سرہ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعد تاریخ ہند میں شاید اپنی نظیر آپ تھا (حیات اشرف ص ۹۳)

دوسری جگہ لکھا ہے۔

ہندوستان کے اکثر چھوٹے بڑے شہروں اور ریاستوں کے دار الخلافوں میں آپ کے وعظ ہوئے۔ اور ہر جگہ ان کی برکت سے دکاندار مشائخوں کے بازار سرد ہو گئے ان کے گاہک کم ہو گئے۔ (حیات اشرف ص ۱۹۹)

دیکھئے ہر جگہ دکان ہی دکان کی رٹ ہے۔ دوسروں کو دکاندار مشائخ کہنے والا خود بھی ایک دکان دار ہی ثابت ہو رہا ہے۔ اور کس فخر سے لکھا جا رہا ہے۔ کہ ہمارے گاہک زیادہ اوران کے گاہک کم ہو گئے۔

حضرت والا کی دکان سے جو حاصل ہوتا ہے۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت والا کا ایک گاہک حضرت والا کو لکھتا ہے۔

حضور کی تصانیف سے یہ اثر ہوا ہے کہ بڑے بڑے علماء و مشائخ بدعتی بداخلاق نظر آتے ہیں۔ (حسن العزیز ص ۷۹)

الغرض حضرت والا کا ایک فحش مثال دے کر دوسروں کو رنڈی اور خود کو گھرستن قرار دینا دراصل اپنی دکان چمکانے سے سوا اور کچھ نہیں۔

رہا یہ کہ یہ واقعہ حضرت والا کے لڑکپن کے ذہن کا ٹیڑھا پن تھا۔ اب انہیں ایسی باتوں سے نفرت معلوم ہوتی ہے ہماری گذارش ہے کہ جسے واقعی مقتدا بننا ہو۔ اس کے

بچپن کا ذہن بھی پاکیزہ اور کجی سے پاک ہوتا ہے۔ ورنہ بچپن کے ذہن کا ٹیڑھا پن اس شعر کا
مصداق بن جاتا ہے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

چنانچہ حضرت والا اپنی بزرگی کے دور میں بھی وہی ٹیڑھے طور طریقوں سے استدلال فرماتے رہے۔ اور اپنی بات ذہن نشین کرنے کے لیے وہی بچپن کے نفس کی شوخی بروئے کار لا کر اپنے پرانے ذہن کی کج روائیوں کا یوں مظاہرہ فرماتے رہے۔ کہ ایک شریف آدمی اس کی تاب بھی نہ لا سکے۔

آج کل کے عقل پرست لوگ دین کے احکام میں خواہ مخواہ اپنی ناقص عقل کو لا کر دینی احکام پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ ایسوں کو ان کی بے عقلی سے روکنا ضروری ہے مگر کسی ڈھنگ سے۔ مگر حضرت والا نے جو ان کا رد فرمایا ہے۔ وہ اسی پرانے ذہن کی کجی اور نفس کی شوخی کا مظہر ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

آجکل کے عقلاء عقل کو احکام میں بھی دخیل بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عقل احکام کی کسوٹی ہے۔ ایسے ہی عقل پرست کی ایک حکایت ہے۔ کہ اپنی ماں سے منہ کالا کیا کرتا تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ جب میں سارا ہی اس کے اندر تھا تو اگر میرا ایک جزو اس کے اندر چلا گیا تو کیا حرج اور کیا گناہ ہے۔ ایک شخص گوہ کھایا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ جب میرے ہی اندر تھا تو پھر اگر میرے اندر چلا گیا تو کیا حرج ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص ۲۴۳)

؎ وہی شباب کی باتیں وہی شباب کا رنگ
تمہیں ریاض بڑھاپے میں بھی جوان دیکھا

حکایت ۶۰

شاہانہ چہرہ اور نورانی صورت

دیوبند کے بڑے جلسے میں وعظ میں بیٹھا ایک شخص جو غالباً سرحدی تھا۔ اور خود احقر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ بڑے مزے سے لے لے کر یہ کہہ رہا تھا کہ "ارے مولوی تجھے اللہ سلامت رکھے ہم تو بس اتنی دور سے یہ تیری صورت ہی دیکھنے آئے تھے۔ اس قسم کے صدہا واقعات حضرت والا (مولوی اشرف علی صاحب) کی محبوبیت عامہ کے ہیں کہاں تک بیان کئے جائیں۔ حضرت والا سفر میں جس طرف نکل جاتے تھے۔ سب کی نظریں بے اختیار اٹھ جاتی تھیں خواہ وہ مسلمان ہو یا ہندو انگریز ہوں یا پارسی۔ متقی ہوں یا فساق و فجار۔ حضرت والا کا شاندار سراپا دیکھ کر بعض کابلیوں نے اپنی وحشی اردو میں کہا۔ کہ مولانا صاحب آپ تو کابلی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا۔ کہ میں خود تو کابلی نہیں مگر ہاں میرے اجداد ضرور کابلی تھے۔ اور یہ ایک ناقابل انکار مشاہدہ ہے۔ کہ حضرت والا کا شاہانہ چہرہ مبارک اور نورانی صورت مقدس ہزاروں کے مجمع میں بھی حضرت والا ہی کو ممتاز بنا کر رکھتی ہے۔ میرے ایک خواجہ تاش دوست نے حضرت والا کی شان میں بحالت خواب ایک شعر تصنیف کیا تھا۔ اور وہ ان کو بیداری میں بھی یاد رہا میں تو اس شعر کو الہامی شعر سمجھتا ہوں۔ کیوں کہ حضرت والا پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

کب کوئی ثانی ہے تیرا لاجواب ایسا تو ہو
چن لیا لاکھوں میں تجھ کو انتخاب ایسا تو ہو

ایک مشہور صاحب فضل و کمال تو تعلیم یافتہ فلسفی نے بھی ایک بار حضرت والا کی شان میں حالی مرحوم کا یہ مصرع لکھا ؎

عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں

اب اس داستان جمال و کمال کو حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر ختم کر کے اصل مقصود کی طرف عود کرتا ہوں ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

(اشرف السوانح ص ۱۵۵-۱۵۶ ج ۱)

سبق

ملاحظہ فرمایئے حضرت والا مولوی اشرف علی صاحب کے حسن و جمال کی داستاں اور ان کے نعت خواں۔ یقین کیجئے۔ کہ اس قسم کی تعریف و نعت خوانی اگر محبوب کبریا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی جائے۔ جو واقعی بے مثل و بے نظیر حسن و جمال کے مالک ہیں۔ اور جن کے حسن و جمال کی مثال ممکن ہی نہیں۔ تو جھٹ یہ لوگ یہ وعظ شروع کردیں گے کہ۔

"کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو سو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔" (تقویۃ الایمان)

مگر حضرت والا مولوی اشرف علی صاحب کے لئے اختصار تو بجائے خود ہر طرف افراط بھی روا ہے۔ ذرا دیکھئے۔ مولوی اشرف علی صاحب کی صورت کو نہیں بلکہ اس صورتِ حال کو کہ مکہ دیوبند کا حج اجلاسہ ہو رہا ہے۔ اور ایک پٹھان آتا ہے دور سے دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ صرف مولوی اشرف علی کی صورت دیکھنے آتا ہے۔ اور حضرت والا کو دیکھ کر کسی تعظیمی لہجہ میں مخاطب نہیں کرتا۔ بلکہ ہنستے ہنستے کہ "ارے مولوی" کہہ کر اپنے آنے کا مقصد بیان کرتا ہے۔ حضرت والا کی محبوبیت عامہ اتنی وسیع ہے مگر چند واقعات بیان کر دینے کے باوجود ختم ہی ہونے میں نہیں آتے۔ آپ جب کہیں نکل جاتے ہیں۔ تو کیا مسلمان کیا ہندو۔ کیا انگریز کیا پارسی۔ کیا اچھے اور کیا برے ہر کسی کو حضرتِ والا نظر آتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ اور نقشہ یہ بن جاتا ہے ؎

رخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر یوں وہ کہتے ہیں
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

حضرت کا شاہانہ چہرہ اور نورانی صورت ہزاروں میں بھی الگ ہی نظر آتی ہے۔ حضرت والا کا ثانی ہے نہ کوئی جواب۔ لاکھوں میں سے آپ ہی چنے گئے ہیں۔ اور

بھی لاکھوں ہوں گے۔ مگر حضرت والا کہاں؟ بڑے حسین دیکھے لیکن حضرت والا تو اور ہی کوئی چیز ہیں۔

مولوی اشرف علی صاحب کے اس حسن و جمال کو جو اوپر بیان ہوا پیش نظر رکھ کر اب تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمایئے مولوی صاحب کا سوانح نگار ان کی سادگی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ آپ کا لباس بالکل سادہ ہوتا تھا۔ چنانچہ

"سفر میں بھی حضر کی طرح وہی سادہ طرز رکھا۔ چنانچہ ایک بار تھانہ بھون آتے ہوئے سہارن پور کے اسٹیشن پر حضرت والا ریل گاڑی کے انتظار میں پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے ایک ڈلیا رکھی ہوئی تھی جس میں کھیرے تھے سہارنپور کے کھیرے مشہور ہیں۔ کسی نے ہدیۃً دیئے تھے۔ ایک دیہاتی ادھر سے گزرا۔ تو کیا پوچھتا ہے۔ کہ یہ کھیرے کس بھاؤ دیئے۔ حضرت والا نے نہائت سادگی کے ساتھ جواب دیا کہ میں بیچتا نہیں ہوں۔ (اشرف السوانح صہ ۱۹۱/۱)

اسی صفحہ پر پھر ایک اور واقعہ لکھا ہے۔ کہ پانی پت سے آتے ہوئے ریل کے ڈبہ میں ایک پنجابی نے حضرت والا سے پوچھا۔ کہ آپ کہاں تشریف رکھتے ہیں حضرت والا نے جب تھانہ بھون کا نام لیا۔ تو

انہوں نے بہت اشتیاق سے پوچھا کہ آپ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کو بھی جانتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا میرا ہی نام اشرف علی ہے۔ انہوں نے استعجاب کے ساتھ حضرت والا کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ اور مکرر پوچھا۔ کیا آپ ہی مولانا اشرف علی صاحب ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا۔ کیا اس کا کوئی خاص حلیہ ہے۔ جس کو آپ مجھ پر منطبق نہیں پاتے۔ اس پر وہ خاموش تو ہو گئے۔ لیکن پھر بھی انہیں تسلی نہ ہوئی تردد ہی رہا۔ (اشرف السوانح صہ ۱۹۱/۱ - ۱۹۲)

سوال یہ ہے۔ کہ سہارن پور کے اسٹیشن پر اور ریل کے ڈبہ میں حضرت والا کا وہ شاہانہ چہرہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اور وہ نورانی صورت کس پردے میں چلی گئی تھی جو ہزاروں کے مجمع میں بھی حضرت والا کو ممتاز بنا کر رکھ دیتی تھی اس دیہاتی کو نہ تو وہاں کوئی شاہانہ چہرہ نظر آیا۔

نہ کوئی ہزاروں میں ممتاز کردینے والی نورانی صورت اس لیے وہ پہچان نہ سکا۔ اس بچارے کو نظر آیا تو یہی کہ یہ کوئی کھیرے فروش بیٹھا ہے۔ اسی یقین کے ساتھ اس نے کھیروں کا بھاؤ پوچھ لیا۔ اور حضرت والا نے بڑی سادگی کے ساتھ اس کا جواب دے دیا۔ کہ یہ بیچنے کے نہیں نہ مول لایا ہوں نہ مول دوں گا۔

اسی طرح ریل کے ڈبہ میں پنجابی کو بھی حضرت والا کا شاہانہ چہرہ نظر آیا نہ ہزاروں میں ممتاز بنا کر رکھ دینے والی نورانی صورت ہی۔ جب اس سے کہا گیا۔ کہ میرا ہی نام اشرف علی ہے۔ تو وہ حیران رہ گیا۔ اور حضرت والا کو اوپر سے نیچے تک دیکھا بھی پھر بھی اُسے یقین نہ آیا کہ یہی وہ ہیں جن کے حسن وجمال کا۔ شاہانہ چہرے اور ایسی نورانی صورت کا جو ہزاروں میں ممتاز نظر آتی ہے۔ بڑا شہرہ و چرچا ہے اور جس کے متعلق یوں کہا جاتا ہے کہ اس صورت کو ایسی محبوبیت عامہ حاصل ہے۔ کہ حضرت والا جس طرف نکل جائیں مسلمان۔ ہندو۔ انگریز۔ پارسی۔ اچھے برے سب کی نظریں بے اختیار اس صورت کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ پنجابی اسی کشمکش و پیچ میں رہا حتیٰ کہ حضرت والا کو پوچھنا پڑا کہ بھئی کیا اشرف علی کا کوئی خاص حلیہ ہے؟ ہاں حضرت والا! آپ کا خاص حلیہ ہے شاہانہ چہرہ۔ نورانی صورت۔ اور ایسی کہ نظریں بے اختیار اس کی طرف اٹھ جائیں۔ اور ایسی صورت کہ ایک ریل کے ڈبہ میں تو کیا ہزاروں کے مجمع میں پہچان لی جائے۔ یہ ہے حضرت والا کا خاص حلیہ۔ جو اس پنجابی کو اوپر سے نیچے تک دیکھنے کے باوجود نظر نہیں آیا۔ اور وہ تردد ہی میں رہا۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ اس پنجابی نے حضرت والا کی جب صورت دیکھی۔ تو اسے یہ صورت نورانی نظر آئی۔ یا برعکس؟ اگر نورانی نظر آئی۔ تو اس نے پہچانا کیوں نہیں؟ اور اس کے دل نے کیوں یہ گواہی نہ دی کہ اتنی نورانی صورت ہے۔ یہی مولانا اشرف علی ہوں گے۔ مگر اس کو خدا جانے کب نظر آیا۔ کہ مانتا ہی نہیں کہ یہی وہ ہیں۔

سوانح نگار کی سادگی کہہ لیجئے یا حافظہ کی کمزوری کہ ایک طرف حضرت والا کے حسن وجمال کے اس قدر چرچے دکھائے ہیں کہ سرحد سے پٹھان بھی کھنچے کھنچے اس نورانی صورت کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ اور مزے لے لے کر کہتے ہیں۔

"ارے مولوی تجھے اللہ سلامت رکھے ہم تو بس اتنی دور سے یہ تیری صورت ہی

پہچانتے تھے:

.... یہی حضرت یہ عالم دکھایا ہے۔ کہ اپنے ہی علاقہ میں کوئی اسٹیشن پر ریل کے ڈبہ میں حضرت والا کو پہچانتا ہے۔ کوئی صورت کو کسی مولوی صاحب کی صورت مانتا ہے۔ حضرت والا اپنا تعارف کرا بھی دیتے ہیں۔ تب بھی کسی کو یقین نہیں آتا۔ کہ یہ مولانا ہو سکتے ہیں۔

اگر کہا جائے۔ کہ وہ ناواقف تھے جو حضرت والا کو پہچان نہ سکے۔ تو ہم کہیں گے۔ پھر آپ کے شاہانہ چہرے اور نورانی صورت کا فائدہ ہی کیا جو کسی پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ واقف حضرات تو حضرت والا کو وہ کسی صورت میں بھی ہوتے پہچان لیتے۔ شاہانہ چہرے اور نورانی صورت کا اثر تو یہ ہونا چاہیے تھا۔ کہ ناواقف بھی دیکھ کر متاثر ہوتے اور ان کا دل گواہی دیتا کہ یہ کوئی اللہ والا ہے اور جب حضرت والا اپنا نام لیتے تو وہ قدموں پر گر جاتے اور کہتے ؎

تیری صورت کو دیکھتا ہوں میں

اس کی قدرت کو دیکھتا ہوں میں

حکایت ۲۵۶ حضرت والا خوش پوشاک

(مولوی اشرف علی صاحب نے) فرمایا۔ کہ ایک صاحب یہاں آئے تھے۔ مجھ میں دو عیب لگاتے تھے۔ ان کو میرے حقیقی عیبوں کی تو خبر نہ تھی۔ ایک عیب یہ کہ خوش پوشاک ہیں۔ دوسرے یہ کہ لطائف کی مشق نہیں کراتے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اول تو خوش پوشاک ہونا کوئی عیب نہیں۔ اگر حق تعالیٰ کسی کو مال دیں اور وہ اچھا کپڑا پہنے۔ تو اس میں حرج کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ میں خوش پوشاکی کا اہتمام کبھی نہیں کرتا۔ (مجالس حکیم الامت ص ۲۷۴)

سبق

اس حکایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت والا اس درجہ خوش پوشاک تھے۔ کہ بعض لوگ ان کی خوش پوشاکی پر اعتراض بھی کرتے تھے۔ مگر حضرت والا کی خوش پوشاکی کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ جو اشرف السوانح کے سوانح نگار نے دکھایا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

جب شملہ جانا ہوا۔ اور حضرت والا وعظ فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے تو

حسب معمول کپڑے بالکل سادہ تھے لیکن صاف ستھرے۔ ایک نو تعلیم یافتہ نے منتظم طلبہ سے جو ایک ریاست میں کرنیل تھے اور ان کے دوست تھے چپکے سے بطور طعن کے کہا کہ تمہارے علماء کا لباس کیسا ہے۔ جیسے ابھی پائخانہ سے نکل کر آئے ہوں۔ (اشرف السوانح ص ۱۱۴)

حضرت والا کی خوش پوشاکی کا یہی رخ درست ہے۔ اور حضرت والا کی نظر میں بھی اپنی خوش پوشاکی کا یہی رخ تھا۔ اور اسی رخ کے پیش نظر حضرت والا کی اپنی طبیعت کا بھی جو تقاضا تھا وہ یہ ہے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ میرے بھائی اکبر علی نے مجھ سے ایک دن کہا۔ کہ اب تمہارا شمار ہندوستان کے بڑے آدمیوں میں ہے۔ اس لیے چاہیے کہ سفر کم از کم سیکنڈ کلاس میں تو کیا کرو۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ان کے اس مشورہ کو سن کر میں نے عرض کیا۔ کہ کیا کروں میری طبیعت کے خلاف ہے اپنا حال یہ ہے کہ گنواروں اور بھنگی چماروں کے ساتھ بیٹھتا ہوں (حیات اشرف ص ۲۵۰-۲۵۱)

انظر بہ دو کیا خوش پوشاکی ہے۔ کہ دیکھنے والا سمجھے کہ ابھی پائخانہ سے نکل کر آئے ہیں۔ اور کیسی پاکیزہ خوش پوشاکی ہے کہ حضرت والا کی اپنی طبیعت بھی یہ چاہتی ہے کہ اس پوشاک میں ان کا سیکنڈ کلاس میں سفر کرنا موزوں نہیں۔ بلکہ وہ گنواروں بھنگی چماروں میں بیٹھے موزوں نظر آئیں گے ۔

کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

کبوتر با کبوتر باز با باز

حکایت ۶۲

داستانِ محبت

ایک بار حضرت والا مولوی اشرف علی صاحب بہ عزم سفر ریلوے اسٹیشن تھانہ بھون پر ریل کے انتظار میں تشریف فرما تھے احقر بھی حاضر تھا۔ کیوں کہ حضرت والا کے ہمراہ سفر میں رہنے کا قصد تھا۔ چوں کہ حضرت والا حسب معمول احتیاطاً ریل کے وقت سے پہلے

اسٹیشن پہنچ گئے تھے۔ اس لئے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا۔ اور چونکہ حسب عادت بہت سے حضرات حضرت والا کو رخصت کرنے اسٹیشن تک آئے تھے۔ اس لئے حضرت والا سب کو اپنے ملفوظات سے مستفیض اور لطف اندوز فرما رہے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب کا تذکرہ فرمایا۔ جو قاری تھے اور حضرت والا کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ کہ وہ اکثر لٹھ کندھے پر رکھے ہوئے اور ایک پائنچہ پنڈلیوں تک چڑھائے ہوئے مدرسہ میں ٹہلا کرتے تھے۔ میں نے (مولوی اشرف علی صاحب نے) جو انہیں ایک بار اس حال میں دیکھا۔ تو میں نے کہا کہ ہاں قاری صاحب! ذرا یہ مصرعہ بھی گنگناتے جائیے ؎

ان دنوں جوشِ جنوں ہے تیرے دیوانے کو

اس وقت حضرت والا نے نہ معلوم کس کیفیت سے متاثر ہو کر یہ مصرعہ پڑھا تھا۔ کہ سنتے ہی بس میرے اندر بھی ایک جوشِ جنوں ہی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مجھے اس وقت پانی کی ضرورت تھی۔ پانی پینے کے واسطے لوٹا ہاتھ میں لئے چلا جا رہا تھا۔ اور اسی مصرعہ کو نہایت کیف کے ساتھ مزے لے لے کر گنگناتا جاتا تھا۔ واپسی تک یہی مصرعہ وردِ زبان رہا۔

جب حضرت والا سے آنکھیں چار ہوئیں۔ تو حالت کا ایسا غلبہ ہوا کہ میرے ہاتھ پاؤں قابو سے باہر ہونے لگے اور میں گرنے کے قریب ہو گیا۔ اس وقت مجھ کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ اگر مجمع عام کے سامنے زمین پر گر گیا۔ تو بڑی ہنسائی ہو گی۔ لہٰذا خاص اہتمام کے ساتھ بہ مشکل اپنے آپ کو سنبھالے رہا۔ یہاں تک کہ ریل آ گئی۔ اور حضرت والا معہ اپنے رفقاء کے ایک ڈبہ میں بیٹھ گئے جناب حافظ عبد اللطیف صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور جناب حافظ عبد المجید صاحب تھانوی بھی رفیق سفر تھے۔ احقر مہتمم صاحب سے لگا ہوا بیٹھا تھا۔ ریل میں بیٹھ کر بھی حالت کا غلبہ بدستور باقی رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ میں بیٹھا ہوا بے قابو ہو ہو کر مہتمم صاحب کی طرف جھک جھک پڑتا تھا۔ اور ان کے اوپر گر گر پڑتا تھا۔ اور ڈر ڈر کر اپنے دل میں بلکہ چپکے چپکے زبان سے بھی کہہ رہا تھا۔ کہ اگر یہ حالت بڑھی تو لوگ کیا کہیں گے۔ جب کسی طرح یہ حالت فرو نہ ہوئی۔ تو اپنی جیب میں سے ایک مستعمل لفافہ نکال کر اس کو پھاڑ کر پشت کی طرف جہاں کچھ لکھا ہوا نہ تھا۔ یہ شعر لکھ کر حضرت والا

کی خدمت میں پیش کر دیا ۔

دل میرود ز دستم صاحب دلاں خدا را

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

کیونکہ یہ شعر اس وقت بالکل احقر کے حسب حال تھا۔ حضرت والا نے اس پرچہ کو پڑھ کر عجب انداز کے ساتھ فرمایا۔ کہ کیا میں اس کو اپنے پاس تعویذ بنا کر رکھ لوں۔ اس پرلطف ارشاد سے اس کیفیت میں بجائے سکون ہونے کے اور ترقی ہو گئی پھر تھوڑی دیر بعد حافظ عبدالمجید صاحب سے فرمایا۔ کہ اچھا حافظ جی! ذرا پنسل تو دیجئے۔ لائیے خواجہ صاحب کو اس پرچہ کا جواب ہی لکھ دوں۔ پھر حافظ جی سے پنسل لے کر میرے شعر کے نیچے یہ شعر تحریر فرمایا۔

گرچہ بدنامیست نزدِ عاقلاں

ما نمی خواہیم ننگ و نام را

اور پھر میرا پرچہ مجھ کو واپس فرما دیا۔ مجھے حیرت ہو گئی۔ کہ رسوائی اور بدنامی کا تو میں اندیشہ کر رہا تھا۔ اور اسی کے متعلق حضرت والا نے جواب میں شعر تحریر فرما دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ حضرت والا کو میری اس کل حالت کا اچھی طرح احساس اور انکشاف ہو گیا ہے۔

(سوانح نگار خواجہ عزیز الحسن کی اپنی واردات اشرف السوانح صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۱ ج ۲)

سبق

یہ حکایت پیار و محبت کی طویل داستان کا ایک حصہ ہے۔ ساری حکایت میں دین و مذہب کی کسی بات کے ذکر۔ یا نجات اخروی کے لئے کچھ حاصل کر لینے کی فکر کا نشان تک نہیں۔ مرید اپنے مرشد کی رفاقت میں اصلاح نفس کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اپنے مرشد کے روحانی فیوض و برکات سے کچھ حاصل کر لوں۔ مگر اس حکایت میں بجز آج کل کے سطحی پیار و جنوں اور فلمی عشق و محبت کی داستان کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ خواجہ صاحب کی کیفیت جنونِ عشق اور حضرتِ والا کی بے نیازی کا مظاہرہ پڑھ کر احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ اللہ والوں کی باتیں ہیں۔

سب سے پہلے حضرتِ والا کا ارشاد لیجئے۔ جو آپ نے ایک قاریِ قرآن سے فرمایا۔

حضرتِ والا حکیم الامت کہلاتے تھے۔ ان کی نباضی کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ امت کے کچھ افراد اسٹیشن پر جمع تھے۔ قرآن پاک جو شفاء و رحمت ہے۔ انہیں اس شفاء و رحمت سے مستفید کرنے کے لئے قاریٔ قرآن سے یوں کہتے۔ ہاں قاری صاحب! قرآن پاک کی کچھ آیات بھی پڑھیئے۔ مگر حضرت والا نے فرمایا تو یہ فرمایا

ہاں قاری صاحب! ذرا یہ مصرعہ بھی گنگناتے جایئے ؎

ان دنوں جوشِ جنوں ہے ترے دیوانے کو

قرآن پڑھا جاتا۔ تو اسٹیشن پر جو حضرات جمع تھے چین پاتے۔ مگر حضرتِ والا نے ایک ایسا مصرعہ پڑھنے کی فرمائش کردی۔ جس سے آپ کے ایک دیوانے کے اندر جوشِ جنوں پیدا ہوگیا۔ اور وہ بھی یہی مصرعہ گنگنانے لگا۔ مصرعہ گنگنانے ہی تک نوبت رہتی تو بھی خیر تھی۔ مگر غضب یہ ہوگیا کہ دیوانے نے حضرتِ والا کی آنکھیں دیکھ لیں۔ پھر کیا ہوا! دیوانے ہی سے سنیئے۔

"جب حضرتِ والا سے آنکھیں چار ہوئیں تو حالت کا ایسا غلبہ ہوا کہ میرے ہاتھ پاؤں قابو سے باہر ہونے لگے اور میں گرنے کے قریب ہوگیا"

حضرتِ والا کی آنکھیں جو سحر برپا کرتی ہیں۔ وہ بھی دیوانہ اشرف السوانح میں لکھ چکا ہے کہ

ایک صاحب نے گنوارو زبان میں حضرتِ والا کی آنکھوں کی یہ تعریف کی۔ کہ بڑی مارو ہیں یعنی قتالہ ہیں۔ خورجہ کے ایک صاحب نے کہا کہ عرصہ ہوا حضرت نے میری طرف ایک نگاہ کی تھی۔ وہ اب تک کیل کی طرح دل میں گڑی ہوئی ہے" ایک بہت معمر اور مشہور صاحب سلسلہ شیخ حضرتِ والا سے اتفاقاً برسرِ راہ محض سرسری ملاقات ہوجانے کے بعد ایک مسجد میں بیٹھے گھنٹوں روتے رہے۔ جب پوچھا گیا تو حضرت والا کا نام لے کر فرمایا۔ "نہ جانے آنکھوں سے کیا کر گئے" (اشرف السوانح ص ۳۰ ج ۲)

اور اسی دیوانے نے حضرتِ والا کی آنکھوں کے متعلق یہ شعر بھی لکھے ہیں ؎

سیدھی نظر بھی ہے ستم ترچھی نظر بھی ہے غضب
یہ تیغ دو رکھتی ہے دھار ایک اِس طرف ایک اُس طرف

وہ جا رہے ہیں دیکھتے گاہے اِدھر گاہے اُدھر
چلتے ہوئے کرتے ہیں وار ایک اس طرف ایک اس طرف

آج اِن جادو آنکھوں کا وار خود اس دیوانے پر ہو گیا تو جو برا حال اس کا ہوا ہو گا۔ظاہر ہے۔ یہ پیار و جنون اَلْحُبُّ لِلّٰہ کے مصداق تھا۔ تو دیوانے کو یہ پریشانی کیوں لاحق ہوئی۔کہ اگر مجمع عام کے سامنے زمین پر گر گیا تو بڑی ہنسائی ہو گی۔

"اگر یہ حالت بڑھی تو لوگ کیا کہیں گے"

"ہنسائی اور بدنامی کا یہی اندیشہ کر رہا تھا"

غور فرمایئے اللہ والوں کی محبت میں کیا اس قسم کے اندیشے بھی ہوتے ہیں؟ یہ "داستان محبت" کچھ اور ہی رنگ کی ہے یہاں کے ذکر میں حضرتِ والا کے ہمراہ دیوانہ بھی ہے۔ اور حال یہ ہے۔کہ جھک جھک پڑتا ہے گر گر پڑتا ہے۔پھر اس عالم میں رقص بازی بھی شروع ہو جاتی ہے۔دیوانہ لکھتا ہے۔

دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

راز ظاہر ہوا ہی چاہتا ہے۔بڑی بدنامی ہو گی۔تو حضرتِ والا رقص ہی میں جواب دیتے ہیں۔کہ

مانمی خواہیم ننگ و نام را

پرواہ نہیں۔ہوتی ہے تو ہو۔

سو بار مست کھینچ میں پکڑے گئے ہیں ہم
رسوائی کے طریق سے کچھ نابلد نہیں

فرمایئے اس ساری داستان میں حضرت والا کے کسی مجاہدانہ کارنامے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یا آپ کے کسی علمی مقام کی نشاندہی کی گئی ہے۔کچھ بھی تو نہیں بجز اس کے کہ ایک عامیانہ سی داستان محبت ہے۔

دیوانے کو جس ہنسائی و بدنامی کا ڈر تھا۔دیوانگی میں خود ہی اس نے یہ ساری داستان لکھ کر شائع کر دی۔اور ہنسائی و بدنامی مول لے لی۔

۵ کیا سبب شاد ہے بشاش ہے جی آپ ہی آپ
چلی آتی ہے مجھے آج ہنسی آپ ہی آپ

حکایت ۹۳

ایک بہت ہی بیہودہ خیال

ایک بار عشق و محبت کے جوش میں حضرت والا (مولوی اشرف علی صاحب) سے بہت جھجکتے اور شرماتے ہوئے دبی زبان سے عرض کیا۔ کہ حضرت ایک بہت ہی بے ہودہ خیال دل میں بار بار آتا ہے۔ جس کو ظاہر کرتے ہوئے بھی نہایت شرم دامن گیر ہوتی ہے اور جرأت نہیں ہوتی۔ حضرت والا اس وقت نماز کے لئے اپنی سہ دری سے اٹھ کر مسجد کے اندر تشریف لے جا رہے تھے۔ فرمایا کہئے کہئے۔ احقر نے غایت شرم سے سر جھکائے ہوئے عرض کیا۔ کہ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے۔ کہ کاش میں عورت ہوتا حضور کے نکاح میں۔ اس اظہار محبت پر حضرت والا غایت درجہ مسرور ہو کر بے اختیار ہنسنے لگے۔ اور یہ فرماتے ہوئے مسجد کے اندر تشریف لے گئے۔

"یہ آپ کی محبت ہے ثواب ملے گا ثواب ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

حضرت والا اب تک اس واقعہ محبت کو بھولے نہیں۔ اپنی مجلس شریف میں احقر کے اس محبت آمیز قول کو بہ لطف نقل فرما فرما کر مزاحاً فرمایا کرتے ہیں۔ کہ غنیمت ہے۔ اس کے عکس کی خواہش نہیں کی۔

(خواجہ عزیز الحسن اشرف السوانح کے مولف کا اپنا خیال ص۵۴)

سبق

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان افروز۔ موجب اجر و ثواب نیک خیال سے روکنے والوں کے مقدر میں اس قسم کے بیہودہ خیال لکھ دیئے گئے۔ یہ بھی تقدیر ہی کا چکر ہے کہ اپنے متعلق یہ بیہودہ خیال سن کر حضرت والا بے حد مسرور ہوئے ہنسنے لگے اور اسے بشارت دی کہ میرے متعلق اس بیہودہ خیال پر تمہیں ثواب ملے گا۔ ثواب کی کمی بیشی خیال کی بیہودگی پر موقوف ہے۔ جتنی زیادہ بیہودگی ہوگی اتنا ہی زیادہ ثواب

ہو گا۔

یہ خیال اس قدر بیہودہ خیال تھا۔ کہ خود صاحبِ خیال کو بھی اس کی بیہودگی کا احساس تھا۔ اور وہ اسی احساس کے باعث اسے ظاہر کرتے ہوئے شرماتا رہا۔ حتیٰ کہ اس نے بڑی جرأت کر کے حضرت والا سے اس بیہودہ خیال کا ذکر کر دیا چونکہ یہ خیال بیہودگی میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے حضرت والا نے سن کر اُسے بشارت دی تو تکرار کے ساتھ۔ اور یوں فرمایا۔

"ثواب ملے گا۔ ثواب ملے گا"

کیا شان ہے حضرت والا کی۔ کہ آپ کے متعلق بیہودہ خیال کرو۔ اور ثواب پاؤ۔

حضرت والا کے اس عاشقِ صادق کا پیچھا اس خیال نے چھوڑا نہیں۔

"کاش میں عورت ہوتا حضور کے نکاح میں"

اس حسرت و آرزو میں وہ دن رات رہے ہیں۔ حضرت والا نے اگرچہ انہیں قبول نہیں فرمایا۔ تاہم یک طرفہ طور پر وہ خود کو حضرت والا کے سپرد کر چکے تھے۔ ان پر یہ کیفیت طاری ہو گئی رہی۔ انہیں عمر بھر یاد رہی۔ چنانچہ خود ہی لکھتے ہیں۔

احقر کو آج تک اپنا وہ زمانہ ذوق و شوق کا یاد ہے۔ جب کہ احقر ایک بار نہایت کیف کے ساتھ حضرت والا کو دیکھ دیکھ کر یہ مصرعہ زیر لب پڑھتا رہا تھا۔

تو درونِ من درونے چوں بوئے گلاب اندر

اور نہایت قوت کے ساتھ ہر بار یہ تصور بندھ جاتا تھا کہ گویا حضرت والا سرتاسر میرے اندر سما گئے ہیں۔ اور میں سرتاسر حضرت والا کے اندر سما گیا ہوں۔ جس سے دیر تک بہت ہی لطف اندوز ہوتا رہا (اشرف السوانح ص ۲۰۲ ج ۲)

اور درونِ من درونے "وہ میرے اندر میں ان کے اندر گویا هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ اس سے بڑھ کر لطف اندوزی کا اور کون سا مقام ہو سکتا ہے

شباب رفتہ کے قدم کی چاپ سن رہا ہوں میں
قدیم عہدِ شوق کی سنا مجھے جا کہانیاں

معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت والا نے اگرچہ انہیں قبول نہ فرمایا تاہم انہیں بی بی مان لیا اور

بی بی سے جو تعلق ہوتا ہے۔ اس کا بھی اشارۃً ان سے ذکر فرما دیا۔ چنانچہ خواجہ عزیز الحسن ہی لکھتے ہیں۔ کہ

احقر ایک بار سفر دہلی میں حضرت والا کے ہمرکاب تھا۔ ایک روز حسب معمول صبح کی مشی کے لئے تلاوت فرماتے ہوئے تشریف لے گئے۔ جو صاحبان ساتھ ہو گئے تھے ان کو ساتھ چلنے سے ممانعت فرما دی۔ کیوں کہ جن لوگوں سے پوری طرح دل نہ کھلا ہوا ہو ان کے ساتھ رہنے سے توجہ بٹتی ہے۔ سب کے ہمراہ احقر بھی واپس جانے لگا۔ تو مجھ کو بلا لیا پھر راستہ میں فرمایا۔ کہ ممانعت تو ان کے لئے تھی جن سے بے تکلفی نہیں۔ پھر فرمایا اگر ہر عورت یہ چاہنے لگے۔ کہ میرے ساتھ بی بی کا سا تعلق رکھا جائے۔ تو یہ اس کی حماقت ہے۔ (اشرف السوانح ص ۲۰۱)

حضرت والا نے ایک وصیت فرمائی تھی۔ جو یہ ہے۔

چونکہ احقر نے آخر رمضان ۱۳۳۵ھ میں ایک اور نکاح کیا۔ لہٰذا اس منکوحہ کے متعلق بھی مثل منکوحہ اولیٰ کے دوستوں کو وصیت کرتا ہوں۔ کہ جب میں نہ ہوں۔ یا خدا نخواستہ ان کی خبر گیری سے معذور ہو جاؤں۔ تو خواہ دوسری کے لیے بھی بیس روپیہ ماہوار کا انتظام کریں۔ یا تیس روپیہ کا انتظام کر کے دونوں کو پندرہ پندرہ پیش کر دیں۔ (تتمہ رابعہ تنبیہات وصیت ص۳)

آجکل اخبارات میں تبدیلی جنس کے اکثر واقعات پڑھنے سننے میں آتے ہیں۔ ایک "مرد اچانک عورت بن گیا۔ ایک لڑکی سو کر اٹھی تو لڑکا تھی" اس قسم کی خبریں آئے دن چھپتی رہتی ہیں۔ حضرت والا کے وقت شاید یہ بات نہ تھی۔ ورنہ وصیت کی رقم میں کچھ اضافہ کرنا پڑتا اور اتنی رقم کے انتظام کا حکم فرمایا جاتا۔ جو پندرہ پندرہ کے حساب سے تینوں کو پیش کی جا سکتی۔

حضرت والا ماشاء اللہ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ بیہودہ خیال سن کر آپ نے مزاحاً فرمایا۔ کہ

"غنیمت ہے اس کے عکس کی خواہش نہیں کی"

یعنی غنیمت ہے یہ نہیں کہا۔ کہ "آپ عورت ہوتے میرے نکاح میں"۔
واقعی غنیمت ہے حضرت والا کے لیے اس لئے کہ خدانخواستہ اگر ایسا ہو جاتا۔ تو دنیا کہتی۔ مرید سے نکاح کر لیا اور غنیمت ہے۔ مرید کے لئے اس لئے کہ دنیا اُسے کہتی زن مرید ہے۔

بہرحال کچھ بھی ہو جاتا۔ پیر میاں ہوتا یا مرید۔ مرید بیوی ہوتی یا پیر۔ جیسے پہلی دو بیویوں سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔ اس تیسرے جوڑے سے بھی کچھ پیدا نہ ہوتا۔

آپ کچھ سمجھے باتوں باتوں میں
حال کس کا سنا دیا میں نے

حکایت ۶۴

تقریر کا اثر

جس وقت حضرت والا مولوی اشرف علی مذکورہ بالا تقریر فرما کر تشریف لے جانے لگے۔ تو احقر نے مجملاً اس اثر کا حال عرض کیا۔ جس پر مسرت کے لہجہ میں فرمایا کہ جی ہاں نافع تقریر تھی۔ حضرت والا تو تشریف لے گئے۔ لیکن احقر پر وہی کیفیت طاری رہی۔ جو حضرت والا کی تقریر دلپذیر سے پیدا ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ میں بعد مغرب حضرت والا کی سہ دری میں تنہا بیٹھا ہوا اسی کیفیت میں سرشار حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی ایک مناجات کا یہ شعر نہایت مزے لے لے کر پڑھنے لگا۔

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو
الٰہی رہوں اک خبردار تیرا

پھر تو حضوری حق کا اس قدر غلبہ ہوا۔ کہ اس کے سرور و کیف نے مجھ کو بے خود کر دیا۔ یہاں تک کہ میرے ہاتھ پاؤں بھی بے قابو ہو گئے۔ جب یہ کیفیت زیادہ بڑھی۔ تو بے اختیار جی چاہا کہ حضرت والا کی خدمت میں پہنچ کر قدموں پر لوٹنے لگوں چنانچہ فوراً اٹھ کر حضرت والا کے دولت خانہ کی طرف چلا۔ چونکہ ہاتھ پاؤں بالکل بے قابو ہو رہے تھے۔ اس لئے لڑکھڑاتا کانپتا اور دیواروں کا سہارا لے لے کر اپنے آپ کو گرنے سے سنبھالتا ہوا در دولت پر پہنچا۔

وہاں حضرت والا کے خادم دیرینہ بھائی نیاز خاں ملے۔ وہ میری حالت کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ پوچھا خیریت تو ہے۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ کہ بھائی ذرا حضرت کو بلا دو۔ حضرت والا اندر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فوراً میری اس حالت کی اطلاع کی۔ حضرت والا اس وقت اتفاق سے ڈھیلا لئے ہوئے ٹہل ٹہل کر چھوٹا استنجا خشک فرما رہے تھے۔ میری حالت غیر سن کر گھبرائے ہوئے اسی حال میں باہر تشریف لے آئے۔ اور پوچھا خیریت تو ہے کیا حال ہے۔ احقر دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑا۔ اور عرض کیا کہ حضرت نے تو آج مجھ کو بڑی دولت عطا فرما دی۔ میں تو پڑا لوٹ رہا تھا۔ اور جوش مسرت میں خوشی کے آنسو بہا رہا تھا۔ اور بار بار دیوانہ وار یہی عرض کر رہا تھا۔ کہ حضرت نے تو میرے اوپر آج بڑا ہی احسان کیا۔ بڑے سخت مرض سے نجات بخشی۔ بڑی دولت عطا فرمائی۔ اس وقت مجھ کو نہ پورا ہوش تھا نہ بالکل بے ہوشی۔ کچھ بین بین حالت تھی۔

حضرت والا کا ایک ہاتھ تو گھرا ہوا تھا صرف ایک ہاتھ خالی تھا۔ اس سے مجھ کو اٹھایا۔ اور بھائی نیاز خاں کی مدد سے مجھ کو لا کر ایک چارپائی پر جو قریب ہی بچھی ہوئی تھی لٹا دیا۔ اور میرے قلب پر اپنا دست مبارک رکھ رکھ کر بار بار فرمانے لگے۔ کہ ذرا دل کو سنبھالیے ذرا دل کو سنبھالیے۔ چوں کہ میرے ہوش اچھی طرح بجا نہ تھے۔ میں چارپائی پر پڑا ہوا حضرت والا ہی کے ہاتھوں سے اپنے مسرت کے آنسوؤں کو پونچھنے لگا۔ اور بے تکلف ہو کر عرض کرنے لگا۔ کہ آج تو حضرت والا کو بھی میری اس حالت پر بڑی خوشی ہو رہی ہوگی۔

(خواجہ عزیز الحسن سوانح نگار کی اپنی کیفیت اشرف السوانح ص ۱۵۴ ج ۲ تا ۱۵۵)

سبق

سوانح نگار نے اکثر مقامات پر حضرت والا کی تقریر کا یہ اثر دکھایا ہے۔ کہ سننے والا اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا تھا۔ اسی سلسلہ کی کڑی ان کا یہ اپنا واقعہ بھی ہے۔ حضرت والا کی تقریر کا ان پر ایسا اثر ہوا۔ جیسے کوئی نشہ آور چیز پی لی ہو۔ ہاتھ پاؤں بے قابو ہو گئے۔ لڑکھڑاتے کانپتے لرزتے دیواروں کا سہارا لیتے اپنے آپ کو گرنے سے سنبھالتے ہوئے حضرت والا کے در دولت پر پہنچا۔ کراہتے ہوئے بولے کہ ذرا حضرت کو بلا دو۔ اتفاق کی بات دیکھئے۔

ادھر اتنی بری حالت سے ان کے دم خشک ہو رہے تھے اور ادھر اندر حضرت والا استنجا خشک فرما رہے تھے۔ ان کی اتنی بری حالت کا سن کر گھبرائے ہوئے اسی حال میں یعنی استنجا خشک فرماتے ہوئے باہر تشریف لے آئے۔ اور یہ قدموں پر گر پڑے یہ ہے حضرت والا کی تقریر کا ہوشربا اثر۔ کہ بیچاروں کو جان کے لالے پڑ گئے۔ تقریر کیا سن لی حشیش کھالی کہ ہوش و حواس ہی جواب دے گئے۔

دینی تقریر کا اثر تو یہ ہونا چاہئے۔ کہ دنیا کی بد نوتوں میں مدہوش ہو جانے والوں کو بھی ہوش آجائے۔ اور وہ جوش و خروش سے اسلامی راہ پر گامزن ہو جائیں۔ نہ یہ کہ چنگے بھلوں کے ہاتھ پاؤں بے قابو ہو جائیں۔ لڑکھڑاتے۔ گرتے پڑتے۔ ہوش و بیہوشی کے بین بین حالت میں بمشکل حضرت والا کے در دولت تک پہنچ سکیں۔ ایسا شخص تو مسجد میں بھی بمشکل جا سکے گا۔

حضرت والا کا ہمل کر استنجا خشک فرماتے ہونا اور پھر اسی ہیئت و حالت میں باہر تشریف لے آنا بھی نیاز محمد خاں کے علاوہ ہمارے نیاز مندوں کے لیے ہوشربا ہی ثابت ہوا ہو گا۔ جن ہاتھوں میں انہوں نے اپنے ہاتھ دیئے تھے۔ ان میں سے ایک تر گھرا ہوا تھا سال دوسرا ہاتھ فارغ تھا جسے حضرت والا نے خواجہ صاحب کے قلب پر رکھ کر تسلی دی یہ دوسرا ہاتھ خواجہ صاحب کے اپنے آنسو پونچھنے کے کام بھی آگیا۔ ایک ہاتھ اُدھر گھرا ہوا تھا۔ دوسرا ادھر گھر گیا۔

محبت نے کیا بدنام و رسوا اس قدر مجھ کو
کہ ہر محفل میں میری داستاں دہرائی جاتی ہے

حکایت نمبر ۶۵

حضورؐ کے فضائل اور حضرت والا

دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسہ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا۔ کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لیے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے جائیں۔ تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے۔ وہ دور ہو۔ یہ موقع بھی اچھا ہے۔ کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔ حضرت والا نے باادب عرض کیا۔ کہ اس

کے لئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مجھ کو مستحضر نہیں۔

(اشرف السوانح ص ۱۳۰ حصہ اوّل)

سبق

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان ایمان بلکہ جانِ ایمان ہے وہ مسلمان ہی کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سنے نہ سنائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان روایات ہی میں نہیں قرآن کی آیات میں بھی ہے بلکہ قرآن دراصل ہے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر مشتمل۔ حضرت والا کو اگر روایات یاد نہ تھیں تو قرآن کی آیات ہی سے اس ایمان افروز موضوع پر بیان کر سکتے تھے۔ اے کاش حضرتِ والا کے پاس اعلیحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تجلی الیقین" ہی ہوتی۔ اور وہ اسے اگر ایک نظر دیکھ لیتے۔ تو اس پیارے موضوع پر یوں بولتے۔ کہ قدسی بھی عش عش کر اٹھتے۔ مگر نہیں فضائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کرنا سنت الہیہ ہے۔ اور یہ سنت الہیہ علماء اہلسنت کے حصہ میں آئی ہے۔ جس طرح بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و اختیار اور آپ کے تصرف و وقار کے خلاف بیان کرنے کے سپیشلسٹ ہیں۔ اسی طرح علماء اہلسنت بفضل اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرنے کے سپیشلسٹ ہیں۔ حضرت والا اس موضوع کے سپیشلسٹ تو کیا اس کے الف ب سے بھی واقف نہ تھے صاف کہہ دیا۔ کہ فضائل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات مجھے یاد نہیں۔

اشرف السوانح میں حضرت والا کے مواعظ حسنہ کے زیر عنوان حضرتِ والا کے مواعظ کی طویل و عریض تعریف کی گئی ہے۔ کہ آپ کے وعظ بڑے فصیح و بلیغ ہوتے جس موضوع پر بھی بولتے دنیا دنگ رہ جاتی۔ حتیٰ کہ غیر مسلم بھی اقرار کرتے تھے۔ کہ حضرت والا ہر موضوع پر خوب بول لیتے ہیں۔ حضرت والا کو خود بھی اپنے بیان کرنے پر ناز تھا۔ چنانچہ۔

حضرت والا نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جیسا ہو سکتا ہے۔ برا بھلا بیان کر لیتا ہوں پہلے سے سوچنے یا کتاب دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ جو کچھ بیان ہوتا ہے وہ وقتی واردات ہوتے ہیں۔ اس فی البدیہہ آمد سے ایک دفعہ مجھے خیال

پیدا ہو گیا کہ مجھ میں کچھ قوت بیانیہ زبان دانوں کی سی نہ سہی مگر کچھ تو کہہ ہی لیتا ہوں۔ (اشرف السوانح صفحہ ۱۰۸/۱)

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ کہ جس وقت کوئی بات پیش آتی ہے یا کوئی سوال کرتا ہے عین وقت پر اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔ اور مناسب جواب قلب میں القا فرما دیتے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ صفحہ ۱۷۹/۵)

مقام عبرت ہے۔ کہ حضرت والا ہر موضوع پر فصاحت و بلاغت کے ساتھ بول لیتے ہیں۔ بولتے وقت ان پر مضمون وارد ہونے لگتا ہے۔ اس فی البدیہہ آمد سے حضرت والا کو اپنی قوت بیانیہ پر فخر یہ خیال بھی پیدا ہو گیا۔ اور حضرت والا کو کوئی ہنگامی بات پیش آ جائے یا کوئی مشکل سوال کر دے۔ تو عین وقت پر اللہ تعالیٰ مدد بھی فرماتا ہے۔ اور مناسب جواب دل میں القا ہو جاتا ہے۔ باوجود اس کے دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں جب حضرت والا سے فضائل رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے کو کہا گیا۔ تو وہ فصاحت و بلاغت رہی۔ نہ مضمون کا وارد ہونا باقی رہا۔ فی البدیہہ آمد کا سلسلہ بھی رک گیا۔ اور دیوبند کے اکابر کے اس ہنگامی ارشاد پر کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں۔ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے بھی کوئی مدد نہ فرمائی اور مضمون دل میں القا نہ فرمایا۔ اور حضرت والا نے صاف فرما دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کی

روایات مجھ کو مستحضر (یاد) نہیں۔

در اصل دیوبندی کی قسمت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان کہاں ہے۔

یہی قسمت کہاں کہ جام آتا

بو ئے مے بھی ادھر نہیں آتی

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان مسلمان صرف اس لئے سنتے سناتے ہیں۔ کہ یہ سنت الٰہیہ ہے۔ اس ذکر سے ایمان جلا پاتا ہے۔ اور مسلمان فرحت و سرور حاصل کرتا ہے۔

جب بھی ذکر حضور ہوتا ہے   دل کو حاصل سرور ہوتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان مسلمان کے لیے ایک بہت بڑا امر خیر ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ کے اتباع میں پختگی پیدا ہوتی ہے مسلمان جب اپنے آقا کی بلند و بالا شانوں کا تذکرہ سنتے ہیں تو جھوم جھوم اٹھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ ایسے عظیم الشان آقا پر تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا جائے

دل ترے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
نہیں دو جہاں سے بھی جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان سننے سنانے کا مقصد مسلمان کا صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ حضور سے غلاموں کا رشتۂ غلامی مضبوط تر ہو۔ اور عاقبت سنور جائے۔

مگر اکابر دیوبند نے جو حضرت والا کو فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنانے کا ارشاد فرمایا۔ وہ ایک مصلحت کی خاطر

تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو

یعنی یہ بات نہیں کہ دل کا تقاضا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند و بالا شانیں سن کر ایمان کو جلا دیں۔ اور اپنے عظیم الشان آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر سن کر فرحت و سرور حاصل کریں۔ بلکہ صرف اس مصلحت کی خاطر کہ لوگ ہمیں وہابی نہ کہیں۔ گویا فضائل رسول کا موضوع وہابیوں کا ہے ہی نہیں۔ یہ موضوع جو بیان کرے گا۔ تو وہابی نہ ہو گا۔

اشرف السوانح کا مولف بھی اکابر دیوبند کا دامن درست ثابت ہوا۔ کہ یہ کتاب پڑھنے سے قبل جن سادہ لوحوں کو اکابر دیوبند پر وہابیت کا شبہ نہ تھا وہ بھی کچھ نہ کچھ سوچنے لگے ہوں گے۔

گویا اس شبہ کا دائرہ اور بڑھ گیا۔ اور پھر حضرت والا نے باوجود اپنے اکابر کا حکم ہونے کے فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے سے انکار کر کے اس شبہ کا یقین کے ساتھ بدل دیا۔ اور ایک دوسری جگہ سب کا وہابی ہونا صاف صاف لکھ دیا۔

چنانچہ اپنے مدرسہ کے طالب علموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ایک روز اس مسجد میں جس میں مدرسہ تھا۔ عشاء کے بعد بعض عورتیں کچھ مٹھائی لائیں اور طالب علموں سے کہا کہ اس پر بڑے پیر صاحب کی نیاز دے دو طلبہ کو

سب جانتے ہی ہیں کہ شرخ ہوتے ہیں ان سے مٹھائی لے کر کھا گئے۔ وہ اپنے مردوں کو بلا لائیں۔ اور مسجد میں شور وغل ہونے لگا۔ مجھ کو اطلاع ملی میں فوراً پہنچا۔ اور ایک وہ طالب علم کے میں نے چپت لگایا۔ کہ تم نے ان کی مٹھائی کیوں کھائی ان کا غصہ تو اسی سے جاتا رہا۔ پھر ان سے پوچھا کہ تمہاری مٹھائی کتنے کی تھی۔ معلوم ہوا تین آنہ کی۔ میں نے کھانے والے طالب علموں سے ایک ایک پیسہ وصول کر کے تین آنہ ان لوگوں کو دے دیئے۔ اور ان سے کہا یہ سب وہابی ہیں۔ یہ نیاز وغیرہ کیا جانیں تم اس کام کے لیے اس مسجد میں مت آیا کرو۔

(الافاضات الیومیہ ص ۳۹۳ ج ۵)

جو حضرت والا اپنے اصاغر کو جو ان سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ کہہ رہے ہیں۔ کہ یہ سب وہابی ہیں۔ وہ حضرت والا اپنے اکابر کو جن سے یہ فیض یاب ہوئے کیوں نہ سمجھتے ہوں گے۔ کہ یہ سب وہابی ہیں۔

حضرت والا کا ایک اور ارشاد پڑھیئے۔

فرمایا کہ ایک صاحب بصیرت و تجربہ کہا کرتے تھے۔ کہ ان دیوبندیوں وہابیوں کو اپنی قوت معلوم نہیں۔ یہ اپنے کو ہیچ در ہیچ ناکارہ سمجھتے ہیں۔ مخالفین کو ان کی قوت معلوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین ان پر حسد کرتے ہیں یہ ایسی بات ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ بھیڑیئے کو اپنی قوت معلوم نہیں۔

(الافاضات الیومیہ ص ۲۴۹ - ۲۵۰ ج ۵)

ملاحظہ فرمائیے "ان دیوبندیوں وہابیوں" کا جملہ۔ گویا دیوبندی وہابی ایک ہی چیز ہے۔ باوجود اس کے اکابر دیوبند کا حضرت والا سے وہابیت کا شبہ دور کرانے کی کوشش محض ایک دنیوی مصلحت ہی کے لئے تھی۔ جس کا انہیں خود بھی اقرار ہے کہ "اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے" افسوس کہ یہ مصلحت پوری نہ ہو سکی ؎

دیئے جلائے امیدوں کے دل کے گرد بہت
کسی طرف سے نہ اس گھر میں روشنی آئی

حکایت ۶۲

اِلاّ حضرتِ والا

کانپور میں ایک مقام پر حضرت (مولوی اشرف علی صاحب) نے سیرتِ طیبہ کا بیان کیا۔ جس میں کوئی بدعت وغیرہ بالکل نہ تھی۔ ختم وعظ پر بعض شریر لوگوں نے یہ حرکت کی کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر درود و سلام شروع کر دیا۔ اور لوگوں کو بھی کھڑا ہونے کو کہا۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ اپنے بعض علماء بھی۔ مگر حضرت بیٹھے رہے۔ ایک طالب علم نے عربی میں کہا کہ حضرت اس موقعہ پر یہ مناسب نہیں۔ مگر حضرت نے جہراً فرمایا کہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق یعنی خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

(مجالس حکیم الامت ص ۲۴۳)

سبق

حضرت والا نے سیرتِ طیبہ کا بیان تو کیا۔ مگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ نے جو درس دیا۔ وہ خود ہی بھول گئے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان جو اسی سیرتِ طیبہ سے براہِ راست مستفید ہوئے۔ ان کا کردار یہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجلس معنا في المسجد يحدثنا فاذا قام قمنا قياما (مشکوٰۃ شریف باب القیام ص ۳۹۵)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھ کر ارشاد فرماتے پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی سب آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ حاضرینِ جلسہ کو قیام میں موافقت کرنا چاہیئے۔ مگر حضرتِ والا ہیں۔ کہ جلسہ میں سب لوگ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ علماء بھی۔ مگر حضرت والا بیٹھے رہے۔ ایک طالب علم وہاں عربی بولنے لگا۔ اگر وہ اس اردو عبارت کو عربی میں بیان کرتا۔ تو یوں کہتا۔

فَقَامُوا اِلَّا ......

اس طالب علم کو حضرتِ والا نے جواب یہ دیا کہ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی

اطاعت جائز نہیں۔ گویا قیام میلاد خالق کی معصیت ہے (معاذاللہ) حالانکہ حضرت والا کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ کرمیں۔

قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ صٰ)

قیام میں پیر و مرشد کے لئے تو لذت ہے۔ مگر مرید کو اپنے ہی پیر کی یہ لذت معصیت نظر آتی ہے۔ جس پیر کی لذت معصیت ہے۔ اس کی بیعت بھی معصیت ہے۔

حکایت میں بتایا گیا ہے کہ

ختم وعظ پر بعض شریر لوگوں نے یہ حرکت کی کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر درود وسلام شروع کر دیا۔ اور لوگوں کو بھی کھڑا ہونے کو کہا۔

شریر لوگوں نے جو حرکت کی گویا وہ شریر لوگوں کی شرارت تھی۔ اور وہ شرارت یہ تھی کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر درود وسلام شروع کر دیا۔

حکایت نگار کے نزدیک درود وسلام پڑھنا گویا شرارت ہے۔ (معاذاللہ) حالانکہ درود وسلام پڑھنا ایک عبادت ہے۔ خدا تعالیٰ نے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ میں نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ لہٰذا نماز پڑھنا عبادت ہے۔ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ میں زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا۔ اس لیے زکوٰۃ دینا عبادت ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا میں درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا۔ لہٰذا درود وسلام پڑھنا بھی عبادت ہے مگر شریر لوگوں نے اسے شرارت سمجھ لیا۔

اگر کہا جائے۔ کہ درود وسلام کھڑے ہو کر شروع کر دیا۔ اور لوگوں کو بھی کھڑا ہونے کو کہا۔ یہ شرارت ہے۔ تو ہم کہیں گے یہ بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ درود وسلام عبادت اور ذکر خدا ہے۔ خدا کے حکم کی تعمیل عبادت۔ اور خدا کا ذکر ہے۔ خدا فرماتا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ درود وسلام بھی حکم الٰہی کی تعمیل اور خدا کا ذکر ہے۔ اور ذکر کے لئے خدا کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ پ ۴ ع ۱۱

جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔

درود وسلام بیٹھے ہوئے پڑھا جائے یا کھڑے ہو کر ہر طرح جائز بلکہ ارشاد حق کی تعمیل ہے۔

نماز کے اندر تشہد کے وقت بیٹھ کر درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ اور خطبہ جمعہ وعیدین میں کھڑے ہو کر۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مسلمان پر ایک حق مسلمان کا یہ بھی ہے۔ یُحِبُّ لَہٗ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔

جو بات اپنے لئے پسند کرے وہ بات دوسرے مسلمان کے لئے بھی پسند کرے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۰)

اس حدیث کے مطابق کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے والے نے اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی اس امر خیر میں شریک کر لینے کے لئے انہیں کھڑا ہونے کو کہا۔ فرمائیے اس میں کیا برائی ہے؟ ایسے امور خیر سے متعلق حضرت والا کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں۔

اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے ایسے امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے جیسے قیام مولد شریف اگر بوجہ آنے نام آنحضرت کے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اس سرور عالم و عالمیان روحی فداہ کے اسم گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا؟ (امداد المشتاق ص ۵۶)

حضرت والا کے پیر و مرشد تو فرما رہے ہیں۔ قیام میلاد شریف میں کوئی گناہ نہیں۔ مگر مرید مانتا ہی نہیں۔ اسے اس میں گناہ ہی نظر آتا ہے۔ پیر سے عقیدت بھی اور پیر سے بغاوت بھی ؎

صیاد سے بھی عشق رہائی کا شوق بھی

اک دل مرا قفس میں ہے اک آشیانے میں

اب ملاحظہ فرمائیے اس بزعم خویش معصیت سے بچنے والے حضرت والا کے کردار کا دوسرا رخ۔

ایک ہندو ڈپٹی کلکٹر نے حضرت (مولوی اشرف علی صاحب) سے ملاقات کے لئے مجلس میں آنے کی خواہش کی۔ حضرت نے اجازت دے دی۔ اور جب وہ آئے۔ تو خود تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مگر اہل مجلس کو حکم دیا کہ وہ سب بیٹھے رہیں۔ (مجالس حکیم الامت ص ۲۳۹)

سیرت طیبہ کے جلسہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے سب کھڑے ہو گئے اور حضرت والا بیٹھے رہے۔ اور اس مجلس میں سب بیٹھے رہے اور ایک بے ایمان ہندو کلکٹر کی تعظیم کے لئے حضرت والا کھڑے ہو گئے۔ وہاں سب حب نبوی میں محظوظ الا حضرت والا۔ اور یہاں سب تعظیم کفر سے محفوظ الا حضرت والا۔

یہ بھی دراصل خدا کی طرف سے ایک دنیوی سزا ہے۔ گویا تعظیم محبوب کے لئے کھڑا نہ ہونے والے رب تعظیم مغضوب کے لیے کھڑا رہا۔ خوب فرمایا ہے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ۔

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یونہی خوار پھرتے ہیں

حکایت ۶۷

حضرت والا کا گزارا

حضرت (مولوی اشرف علی صاحب) نے فرمایا۔ کہ میری طبیعت کچھ ایسی ہے۔ کہ متعدد چیزیں اگر کوئی شخص ہدیہ میں دے۔ تو بہت بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً دس روپے ایک ساتھ کوئی دے تو ان کا لینا گراں نہیں معلوم ہوتا۔ اگر دس روپے کی متعدد چیزیں دے۔ تو ہر چیز کا الگ الگ بار ہوتا ہے اور مجھے ایسے معاملات میں شبہ بہت ہوتا ہے متعدد چیزوں میں نیت یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کی بھی قدر ہو۔ اس چیز کی بھی قدر ہو۔ پھر فرمایا بس روپیہ سب سے بہتر ہدیہ ہے۔ کیوں کہ اس سے جتنی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ سب آسکتی ہیں۔ جب میں حج سے واپس آیا تو ایک صاحب نے محبت سے ایک روپیہ کی مٹھائی منگا کر میری دعوت کرنی چاہی۔ میں نے کہا۔ میاں مٹھائی میرے حصے میں بھلا کتنی آئے گی۔

میری خوشی ہی کرنی ہے تو روپیہ ہی مجھے کیوں نہ دے دو۔ انہوں نے بہت خوشی سے روپیہ دے دیا۔ میں اپنے صرف میں لے آیا۔ مٹھائی کا میں کیا کرتا۔ ایک صاحب نے خط میں دریافت کیا کہ میں ایک جوتا ہدیہ میں بھیجنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ میں نے لکھ دیا۔ کہ میرے پاس کئی جوڑے موجود ہیں۔ پھر انہوں نے لکھا۔ کہ جو چیز پسند ہو وہ بھیج دوں۔ میں نے لکھ بھیجا مجھے دماغ کا کام بہت کرنا پڑتا ہے۔ مجھے بادام لے کر بھیج دو۔ چنانچہ انہوں نے بادام بھیج دیئے۔ میں نے کھا لیئے۔ (اشرف السوانح ص ۵۰ ج ۲)

سبق

حضرت والا کو نقد روپیہ سے پیار تھا۔ آپ یہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ کوئی مرید نذرانہ متعدد چیزوں کی صورت میں یا مٹھائی کی صورت میں لائے۔ اس صورت میں الگ الگ چیزوں کے بار ہونے کے علاوہ ان کے بٹ جانے کا بھی خطرہ تھا۔ بٹ جانے کی صورت میں حضرت والا کے حصہ میں کتنا آتا۔ اس لیئے آپ نے صاف صاف فرما دیا۔ کہ

بس روپیہ پیسہ سب سے بہتر ہدیہ ہے

الافاضات الیومیہ کا مولف لکھتا ہے۔ کہ حضرت کے والد ماجد نے آگے پیچھے چار نکاح کیئے تھے۔ اور یہ تحقیق نہ تھا کہ سب کے مہر ادا یا معاف ہوئے یا نہیں۔ اگر یہ مہر واجب رہے ہوں۔ تو مرحوم کے ترکہ میں سے ہر وارث کو جتنا حصہ ملا۔ اسی نسبت سے اس وارث کے ذمہ مہر قرض ہو گیا۔

چنانچہ حضرت والا نے جب مہر کا یہ ترکہ تقسیم کیا۔ تو حضرت والا کے ایک عقیدت مند نے آپ کی اس ہمت کی بڑی تعریف کی۔ اور کہا کہ

حضرت والا کی بڑی ہمت ہے کہ اتنی بڑی رقم محض احتمال کی بنا پر تقسیم فرمائی۔

فرمایا میری کیا ہمت ہے میں نے ابھی بیان کیا تھا۔ کہ مال مفت دل بے رحم۔

مطلب یہ تھا کہ جس رقم سے دیا میرے دست و بازو کی کمائی تو نہ تھی۔ ہدایا۔ عطایا بے مشقت ملتے ہیں۔ اس میں سے دے دیا کون بڑا کمال کیا۔

(الافاضات الیومیہ ص ۲۹۶ ج ۴)

اتنی بڑی رقم جو آپ نے تقسیم کی وہ اِلٰ صفت دل بے رحم کے مصداق تھی - بغیر ہاتھ پیر ہلانے اور مشقت کرنے کے جو رقم نذرانوں میں وصول ہوئی - اس میں سے اتنی بڑی رقم تقسیم کرتے ہوئے آپ کو رحم کیسے آتا جب کہ آپ کی اپنی کمائی تو وہ تھی نہیں - اور پھر یہ بھی تو ہے کہ اتنی بڑی رقم " جس جمع کردہ رقم سے تقسیم کی وہ جمع کردہ رقم خدا جانے کتنی عظیم ہوگی - اور یہ ساری عظیم رقم مریدین کی کمائی ہوئی دولت کا ایک حصہ تھی - آپ کو کسی محنت مشقت کئے بغیر مریدین نے بہت کچھ دیا - اور آپ کا گذارا ہوتا رہا -

ایک جگہ فرماتے ہیں -

اللہ واسطے کا کھاتے کھاتے ساری عمر گذر گئی - الافاضات الیومیہ صـ ۲۷ ج ۲

یعنی اللہ واسطے کا کھاتے کھاتے آپ کا گذارا ہوتا رہا -

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں کہ

میری ساری عمر مفت خوری میں کٹی ہے - پہلے تو باپ کی کمائی کھائی بس بیچ میں بہت تھوڑے دنوں تنخواہ سے گذارا ہوا - پھر اس کے بعد سے وہی سلسلہ مفت خوری کا جاری ہے یعنی مدت سے نذرانوں پر گذر ہے نہ کچھ کرنا پڑتا ہے نہ کمانا - الافاضات الیومیہ صـ ۲۹۶ ج ۱

یعنی آپ کا اول و آخر میں گذارا " مفت خوری " سے ہی ہوتا رہا - درمیان میں جو تھوڑے دن آپ کو اپنے ہاتھ پیر ہلانے پڑے - وہ درمیانی عرصہ گویا طہر متخلل تھا - جو حیض ہی کے حکم میں ہوتا ہے - حضرت والا نے اپنے ایک کامیاب سفر کا یوں ذکر فرمایا ہے - کہ

میں کوئی چیز نہیں مگر لوگوں کا یہ گمان ہوگیا ہے جیسا ہے صحیح نہ ہو کہ اس کو دین زیادہ مقصود ہے - پس دنیا بھی الحمد للہ مجھ کو ان سے زیادہ مل جاتی ہے جو خوش اخلاق ہیں -

برائے نام نقل ہی یہ برکت ہے کہ جس کو حق تعالیٰ اصل دے دیں اس کا

کیا پوچھنا۔ اس سفر ہی میں دیکھئے میں اپنے ساتھ کافی روپیہ لایا تھا۔ اور گھر بھی کافی روپیہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ کیونکہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بہت دے رکھا ہے بعض احباب نے سو سو روپیہ پیش کرنے کا خیال کیا۔ میں نے منع کر دیا۔ کیونکہ گو میری گزر آپ ہی لوگوں کے عطایا پر ہے۔ لیکن ہر شے کا ایک محل ہے اس طرح لینے میں مجھے غیرت آتی ہے۔ اس کی یہ برکت ہوئی کہ ایک صاحب آکر مجھے ایک بڑی رقم دے گئے۔ اور کہا کہ میری یہ خواہش ہے کہ جتنا خرچ اس سفر میں ہو۔ اس رقم میں سے کیا جائے میں نے بہت انکار کیا اور کہا کہ میرے پاس کافی روپیہ موجود ہے لیکن نہ مانے۔ میں نے بھی پھر تکلف نہ کیا۔ کیونکہ میں جب کانپور میں تھا اس وقت میرا بھی لڑکپن تھا۔ ان کا بھی۔ میرا کچا چٹھا انہیں سب معلوم ہے۔ اس پر بھی جب دبا اس میں کسی قسم کا دھوکا کا تحمل نہیں ماشاء اللہ بڑی رقم ہے۔ مگر چونکہ انہوں نے بہت اصرار کیا میں نے لے لیے کیوں کہ ان کی دل شکنی بھی منظور نہ تھی۔ اور اپنی دین شکنی بھی منظور نہ تھی۔ مگر میں نے اس شرط پر منظور کیا ہے۔ کہ آج سے ہم اس رقم میں سے خرچ کریں گے۔ اور گھر پہنچ کر جو بچے گا اسے واپس کر دیں گے۔ انہوں نے بے تکلف اس کو منظور کر لیا۔ اس سے قبل جو میرا خرچ ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ جن چیزوں کے ابھی دام بھی نہیں دیئے گئے۔ وہ دام بھی اس رقم سے نہیں دیئے جائیں گے۔ جس تاریخ کو وہ رقم دے گئے تھے صرف اس تاریخ سے جو خرچ ہو گا وہ اس میں سے ہو گا۔ اس کے علاوہ جو دوسروں کا دیا ہوا گھی انڈے وغیرہ خرچ ہوا ہے اس کے دام بھی اگر میں چاہتا تو ضابطہ سے لگا لیتا۔ لیکن میں نے کہا کہ نہیں یہ تو ہدایا ہیں۔ جس میں ہمارا کچھ خرچ نہیں ہوا۔ انشاء اللہ گھر جا کر ان کا بقیہ سب واپس کروں گا۔ (الافاضات الیومیہ صفحہ ۲۳۶ ج ۲)

حضرت والا نے اس ملفوظ میں لوگوں کا ان کے متعلق یہ گمان کہ اس کو دین زیادہ مقصود ہے۔

چاہے صحیح نہ ہو کہہ کر غلط ثابت کیا ہے۔ اور یہ لکھ کر کہ

پس دنیا بھی الحمدللہ مجھ کو ان سے زیادہ مل جاتی ہے۔

خود ہی سب کو یقین دلا دیا ہے۔ کہ

حضرت کو دنیا زیادہ مقصود ہے

چنانچہ سارا ملفوظ روپوں۔ سو سو کے نوٹوں۔ ایک بڑی رقم۔ گھی اور رانڈوں وغیرہ کے ذکر ہی سے بھرا پڑا ہے۔ میں گھر بھی کافی روپیہ چھوڑ کر آیا۔ اپنے ساتھ بھی کافی روپیہ لایا۔ بعض احباب نے مجھے سو سو روپیہ پیش کرنا چاہا۔ میں نے منع کر دیا۔ مگر ساتھ ہی اس ڈر سے کہ یہ مجھے مستغنی ہی نہ سمجھ لیں یہ بھی کہہ دیا کہ

گو میری گزر آپ ہی لوگوں کے عطایا پر ہے۔

پھر جب ایک آدمی نے آ کر ان سب سے زیادہ ایک بہت بڑی رقم پیش کی۔ تو رسمًا انکار کرنے کے تکلف کو چھوڑ کر فورًا وہ رقم لے لی اور فرمایا۔

میں نے بھی پھر تکلف نہ کیا اور ماشاءاللہ بڑی رقم ہے۔ مگر چونکہ انہوں نے اصرار کیا میں نے لے لیے۔

سو سو روپیہ پیش کرنے والوں سے منع کرنے کا تکلف آپ کو مہنگا پڑا۔ اور نقصان دہ ثابت ہوا اس نے بڑی رقم تکلف برطرف کر کے لے لی۔ پھر لوگوں کے اس گمان کی کہ اس کو دین زیادہ مقصود ہے۔

تردید قدرت انہی کے ان لفظوں سے کیوں نہ کرتی

چاہے (لوگوں کا یہ گمان) صحیح نہ ہو

ملفوظ میں ہے۔ کہ اتنی بڑی رقم دینے والے صاحب حضرت والا کے لڑکپن سے واقف تھے۔ جب کہ خود ان کا بھی لڑکپن تھا۔ اور وہ حضرت والا کے لڑکپن کا کچا چٹھا سب جانتے تھے۔ گویا کوئی محرم راز تھے۔ خدا ہی جانے۔ یا وہ صاحب اور حضرت والا۔ کہ کچا چٹھا کیا تھا۔ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کچا چٹھا ناقابل بیان ہے حضرت والا کے لڑکپن کے کچے پکے بہت سے ایسے بھی ہیں۔ جو حضرت والا نے خود بیان فرما دیئے ہیں۔

حکایت ۔ بعنوان حضرتِ والا کی بچپن ہی حرکتیں ہیں آپ بہت کچھ پڑھ چکے۔ مگر یہ کچا چٹھا جو بہت بڑی رقم دلانے کا باعث بنا۔ اور حضرتِ والا نے بھی اس کچا چٹھا کے سبب وہ رقم لے لی۔ خدا جانے کیا ہے۔ ہم تجسّس میں نہیں پڑتے۔ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ؎

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

حضرت والا نے خود ایک مقام پر فرمایا ہے۔ کہ

میرے متعلق مشہور کیا گیا تھا کہ چھ سو روپیہ ماہانہ گورنمنٹ سے پاتا ہے۔

(الافاضات الیومیہ ص ۶۹۸ ج ۴)

بہت ممکن ہے کہ حضرتِ والا کا یہی کچا چٹھا ہو۔ جسے آپ کا لڑکپن کا ساتھی جانتا ہو۔ اور اتنی بڑی رقم اسی مد کی ہو۔ اور جسے حضرتِ والا نے اپنا حق سمجھ کر لے لیا ہو۔ اُس زمانہ کا سو روپیہ آجکل کے دو ہزار سے کیا کم ہوگا۔ حضرت والا کو سو سو روپیہ پیش کیا گیا۔ مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اور جس لڑکپن کے ساتھی نے بہت بڑی رقم پیش کی ظاہر ہے وہ ہزاروں روپیہ کی تعداد میں ہوگی۔ اور اس قدر بڑی رقم گورنمنٹ ہی دے سکتی ہے۔ لگتا ہے آپ کا لڑکپن کا ساتھی گورنمنٹ ہی کا کوئی آدمی ہو۔ جو یہ بہت بڑی رقم حضرت والا کے سپرد کر گیا۔ اور کہہ گیا۔

کہ جتنا خرچ اس سفر میں ہو اس رقم میں سے کیا جائے۔

یہاں تک کہ حضرتِ والا واپس اپنے گھر تک پہنچ جائیں۔ چنانچہ آپ نے اس رقم کو گھر پہنچنے تک خرچ کرنے کا وعدہ کر لیا۔

حضرتِ والا نے اپنی دیانت کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ کہ اگر یہ چاہتے تو سارا پہلا خرچ بھی اور بعد میں ہونے والا خرچ بھی اس بڑی رقم سے منہا کر لیتے۔ اور گھی اور انڈوں وغیرہ کے دام بھی اسی رقم سے وصول کر لیتے۔ مگر نہیں وہ گھی انڈے وغیرہ چونکہ ہدایا اور مفت کا مال تھا۔ اس لیے آپ نے مفت کے مال کے دام نہیں لگائے۔ اور جس تاریخ کو اتنی بڑی رقم ملی اسی تاریخ سے آپ نے اس میں سے خرچ کرنا شروع کیا۔ اور گھر پہنچنے تک خرچ کرتے رہیں گے۔ اور اگر کچھ رقم بچ گئی۔ تو وہ واپس کر دیں گے۔ اب یہ اللہ ہی جانے کہ مال مفت دلِ بے رحم کے مصداق یہ مفت کی رقم گھر پہنچنے تک ساری خرچ ہو گئی۔ یا کچھ بچی بھی۔ بچی تو وہ واپس

بھی بھیجی گئی یا نہیں۔ یاد رہے کہ حضرت والا
اسی حکایت میں اپنے متعلق لکھ چکے ہیں۔ کہ
مال مفت دل بے رحم
اس صورت میں مشکل ہی ہے۔ کہ گھر پہنچنے تک اس رقم سے کچھ بچا ہو۔

حضرت والا نے اپنی ہشیاری سے لوگوں سے عطایا، ہدایا کی صورت میں کافی دولت جمع کر لی حتی کہ آپ اپنی جمع کردہ دولت لوگوں کو بطور قرض بھی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں کہ

یہاں تو اللہ تعالیٰ نے تو ایک بادشاہی دے رکھی ہے اور قلت و تنگی خدا کے فضل سے کبھی پاس گرد بھی نہیں حالانکہ نہ کوئی لیاقت ہے نہ کمال۔ بس وہ جو مشہور ہے۔ وہ حال ہے۔ کہ اللہ میاں نے اپنے گدھوں کو بھی حلوا دے رکھا ہے۔ اور اتنا دے رکھا ہے۔ کہ بعض ڈپٹیوں کو بھی کئی کئی سو روپیہ قرض دے رکھے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ص ۲۴۲ ج ۲)

کئی کئی سو آجکل کے کئی کئی ہزار بنتے ہیں۔ یہ ہیں حضرت والا جو دوسرے مشائخ عظام اور پیران کرام کو دکاندار پیر اور شکم پرور زندگی کے قرار دیتے ہیں۔ اور خود کو گھر ستن۔ اس گھر ستن پیر کی دکانداری دیکھئے کس قدر چلی ہے۔ کہ نہ صرف اپنا ہی گذارا ہو رہا ہے بلکہ بڑے بڑے ڈپٹیوں کا بھی حضرت کے دیئے ہوئے قرض سے گذارا ہو رہا ہے

بڑے پاک باز اور بڑے پاک طینت
جناب آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

حکایت ۶۸

خواجہ شکم نواز

ایک شخص نے میری (مولوی اشرف علی صاحب) اور ان کی (مولوی محمد عمر کی) دعوت کی۔ مولوی صاحب کو جو کا عارضہ تھا۔ اس بھلے مانس نے چاول پکوائے۔ وہ بھی کھانے کے قابل نہیں۔ جب کھانے بیٹھے۔ میں نے میزبان سے کہا کچھ اور بھی ہے؟ کہا نہیں۔ میں نے کہا یہ تو کھانے کے قابل نہیں۔ اب کیا کھائیں۔ اور جب تم کو چاول پکانا نہیں آتا تھا۔

تو میں بیٹھا۔ میں سمجھا کہ روٹی بھی ہوگی مگر نہیں پکائی۔ کہیں سے روٹی لاؤ۔ کہا روٹی تو نہیں پکائی۔ میں نے کہا! کیا تم نہیں جانتے۔ جب دعوت کی ہے۔ تو کھلاؤ اور کہیں سے کھلاؤ بھوکے تھوڑا ہی جائیں گے۔ اور کہنے لگے روٹی کہ روٹی کہاں سے لاؤں۔ میں نے کہا کہ گھر میں تو نہیں محلہ میں تو ہے۔ مانگ کر لاؤ۔ گیا مصیبت کا مارا دال روٹی لایا۔ خوب پیٹ بھر کر روٹی کھائی۔ میں نے مولوی محمد عمر سے بھی روٹی کھانے کو کہا۔ مگر وہ بہت خلیق تھے۔ کہنے لگے اس کی دل شکنی ہوگی۔ میں نے کہا۔ ہماری جو شکم شکنی ہوگی۔ (الافاضات الیومیہ ص۳۰ ج۲)

سبق

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ سے تو آپ واقف تھے ہی۔ آج ہم آپ سے خواجہ شکم نواز کا تعارف کراتے ہیں یہ ہیں خواجہ شکم نواز مولانا اشرف علی تھانوی۔ ایک سادہ لوح غریب آدمی آپ کی دعوت کر بیٹھا۔ دعوت کر کے بیچارا اس طرح مصیبت میں پھنس گیا۔ جیسے وہ کوئی بڑا جرم کر بیٹھا ہو۔ خواجہ شکم نواز اپنے ساتھی مولوی محمد عمر کے ساتھ اس کے گھر پہنچے۔ تو غریب میزبان نے دستر خوان پر چاول رکھے۔ خواجہ شکم نواز نے اس غریب میزبان کے ماتھے کو نہیں دیکھا۔ کہ وہ خوشی سے کتنا چمک رہا ہے۔ دستر خوان کو پھر اپنے شکم کو دیکھا۔ کہ دستر خوان پر کیا ہے اور میری شکم پسند غذا ہے یا نہیں۔ چاول دیکھے۔ تو بجائے اس کے کہ یہ کھاتے۔ غریب میزبان جھڑکیاں کھانے لگا لایا تھا کھلانے کو۔ مگر خود اسے جھڑکیاں کھانا پڑیں۔

خواجہ شکم نواز نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

مَاعَابَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاماً قط۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو عیب دار نہیں فرمایا۔

(مشکوٰۃ شریف ص۳۵۶ کتاب الاطعمہ)

خواجہ شکم نواز نے ایک غریب میزبان کے پکائے ہوئے چاول دیکھے۔ تو کہا۔ یہ تو کھانے کے قابل نہیں۔

پھر یہ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ یَاکُلُ فِی مِعَاءٍ وَاحِدٍ وَالْکَافِرُ یَاکُلُ فِی سَبْعَۃِ اَمْعَاءٍ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲)

مومن تو صرف ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔

یعنی مومن بھوک باقی رکھ کر کم کھاتا ہے۔ اور کافر خوب پیٹ بھر کر روٹی کھاتا ہے۔ اور سات آنتوں کو بھر لیتا ہے۔ حضرت خواجہ شکم نواز نے یہی کردار ادا کیا۔ کہ

خوب پیٹ بھر کر روٹی کھائی

مسلمانوں کو بات بات پر بدعتی کہنے والے خواجہ شکم نواز ثابت تو کریں کسی ضعیف حدیث سے ہی سہی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ مبارک بھر کر روٹی تناول فرمائی ہو۔ اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے کیا خوب لکھا ہے ؎

کل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا
اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

اور کیا یہ بات بھی ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ کسی صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا پکایا ہوا کھانا ناپسند فرمایا ہو۔ اور یوں فرمایا ہو۔ کہ یہ تو کھانے کے قابل نہیں۔ اور پھر اُسے ڈانٹا ہو کہ تمہیں پکانا نہیں آتا تھا۔ تو پکایا کیوں۔ اب جہاں سے مرضی ہو ہماری مرضی کا کھانا لاؤ۔ کسی سے مانگنا پڑے۔ تو مانگ کر لاؤ ہم بھوکے تھوڑا ہی جائیں گے۔

یہ ہیں خواجہ شکم نواز کے اخلاق کہ ایک غریب آدمی کی بے لوث محبت و عقیدت کو اپنی انانیت کی ٹھوکر سے پامال کر دیا۔ وہ غریب بھی دل میں کہتا ہوگا۔ کہ کس بندۂ شکم کو گھر بلا لیا۔ اس کے دل پر جو گزری۔ اس کا نتیجہ خود خواجہ شکم نواز نے لکھا ہے۔ کہ پھر

میری اس شخص نے کبھی دعوت نہیں کی (حوالہ مذکورہ)

کیسے کرتا۔ جب کہ مومن ایک بل سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔

خواجہ شکم نواز خیر سے حکیم الامت بھی کہلاتے ہیں اور حکیم بھی صحت کا راز اس میں

بتاتے ہیں۔ کہ روٹی کھاتے ہوئے کچھ بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیئے۔ مگر حکیم الامت کا کردار وارشاد یہ ہے۔ کہ کسی غریب کی دلشکنی ہو تو ہو۔ مگر خبردار اپنا شکم شکنی نہ ہونے پائے۔ خوب کھاؤ اور پیٹ بھر کر کھاؤ۔

خواجہ شکم نواز نے جب اپنے ساتھی مولوی محمد عمر سے کہا کہ میں نے تو پیٹ بھر کر روٹی کھائی ہے آپ بھی کھائیں۔ تو انہوں نے اپنے خلیق ہونے کے باعث غریب میزبان کی دلشکنی گوارا نہ کی۔ مگر خواجہ شکم نواز نے خلق شکنی بھی منظور کر لی۔ لیکن اپنی شکم شکنی کو ہرگز قبول نہ کیا۔

خواجہ شکم نواز نے وہاں بھوک کے مارے دال روٹی پر اکتفا کر لیا۔ ورنہ وہ تو مرغ پھل۔ میوہ جلوہ اور دیگر عمدہ اور مقوی غذائیں کھانے کے عادی تھے۔ اور اپنے پیر کے اس ارشاد کے سختی سے پابند تھے کو

نفس کو خوب کھلاؤ پلاؤ (ارشاد حاجی امداد اللہ صاحب)۔

(الافاضات الیومیہ ج ۴ ص ۳)

اور خواجہ شکم نواز کا اپنا ارشاد بھی ہے کہ

اچھی عمدہ اور مقوی غذائیں کھانا چاہیئے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۴ ص ۲۱۴)

چنانچہ آپ مرغ کے بھی شوقین تھے۔ خود ہی فرماتے ہیں۔

مولانا کے ایک داماد تھے انہوں نے میری دعوت کی اور بیان کیا کہ مولانا نے خواب میں ان سے فرمایا۔ کہ یہ جو مرغ گھر میں پھر رہا ہے۔ یہ ذبح کر کے اس کو (یعنی خواجہ شکم نواز کو) کھلاؤ۔ انہوں نے مجھ سے کہا میں نے سن کر کہا۔ میں اب ضرور کھاؤں گا یہ تو مولانا کی طرف سے دعوت ہے۔

(اور وہ بھی مرغ کی) (الافاضات الیومیہ ج ۴ ص ۲۷۶)

چنانچہ آپ گئے تاکہ مرغ مسلم آپ کے شکم کو بھر سکے۔

آپ پھل فروٹ کے بھی شائق تھے چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ بعض احباب بذریعہ ریل پھل میرے نام بھیج دیتے ہیں۔

میں نے لکھا کہ یہاں کے رہنے والوں سے کسی کو راضی کر لو اس کے نام

بھیجو اور اسٹیشن سے وصول کر کے یہیں یہاں بیٹھے ہوئے دے دے۔

(الافاضات الیومیہ ص ۱۸۷ ج ۱)

حلوہ اور دودھ بھی آپ کو مرغوب تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

میرے یہاں اگر کوئی مہمان آتا ہے تو میں سادہ اور معمولی کھانا مہمان کے ساتھ کھاتا ہوں۔ اور اگر مہمان نہیں ہوتا۔ تو معمول کے علاوہ کچھ ایسی غذا بھی کھاتا ہوں جس سے قوت حاصل ہو مثلاً دودھ یا حلوہ وغیرہ۔ (الافاضات الیومیہ ص ۲۷ ج ۱)

الغرض آپ کی ساری عمر شکم نوازی میں گذری اور وہ بھی مفت کے۔ نن سے چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں۔

"اللہ واسطے کھاتے کھاتے ساری عمر گذر گئی"۔ (الافاضات الیومیہ ص ۲۷ ج ۲)

اور ایک دوسری جگہ فرمایا کہ

میری ساری عمر مفت خوری میں گئی ہے۔ پہلے تو باپ کی کمائی کھائی۔ بس بیچ میں بہت تھوڑے دنوں تنخواہ سے گذر ہوا۔ پھر اس کے بعد پھر وہی سلسلہ مفت خوری کا جاری ہے۔ یعنی مدت سے نذرانوں پر گذارا ہے۔ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے نہ کمانا کھانے کو دونوں وقت ملتا ہے۔

(الافاضات الیومیہ ص ۲۹۶ ج ۱)

خواجہ شکم نواز اس قدر کھانے پینے کے شائق تھے۔ کہ فرماتے ہیں۔

میں دروازے پر کھڑے ہو کر یا راستے میں چلتے ہوئے کسی چیز کے کھانے سے پرہیز نہیں کرتا۔ اگر کبھی اسلامی سلطنت ہو جائے۔ تو زمانہ سے زائد میری شہادت قبول نہ ہو گی۔ (الافاضات الیومیہ ص ۱۴ ج ۴)

پچپن سال عمر عزیز گذشت۔ مزاج نواز حالِ طفلی نہ گشت کے مطابق خواجہ شکم نواز عمر رسیدہ بھی ہو گئے حکیم الامت اور سراج الملت بھی بن گئے۔ مگر بچوں کی طرح دروازہ پر کھڑے اور بازاروں میں چلتے پھرتے کھاتے رہے ہیں۔ حضرت والا کے معالج خاص حکیم خلیل احمد سہارنپوری کا قول یہ ہے۔ کہ

حضرت کا مزاج طبعی بالکل پانچ سات برس کے بچہ کا سا ہے۔

(الافاضات الیومیہ ص ۱۰۵ ج ۱)

آجکل جو بیاہ شادیوں میں کھڑے کھڑے کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اس کی اصل آج معلوم ہوئی کہ یہ خواجہ شکم نواز کی سنت ہے۔ کھڑے کھڑے اور بازاروں میں چلتے پھرتے کھانا سنتِ نصاریٰ ہے۔ انگریز چلتے پھرتے کھاتے ہیں۔ اور نہیں تو منہ میں ٹافی یا چیونگم ڈال کر مسہ ارتے رہتے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے۔ اور ہمیں حکم دیا کہ کھانا کھانے بیٹھو تو

فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ اپنے جوتے اتار لیا کرو (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۰)

فقہاء نے ایسے شخص کی شہادت کو نامقبول ٹھہرایا ہے۔ خدا جو غیور و قہار ہے ایسے شخص کی شہادت۔

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمداً رسول الله ـ

کو وہ بھی کب پسند فرمائے گا۔ یقیناً ایسے شخص کی یہ شہادت بھی نامقبول ٹھہرے گی۔

حضرت خواجہ اجمیری علیہ الرحمۃ کو غریب نواز کہنے پر جو لوگ چڑ جاتے اور اسے شرک بتاتے ہیں۔ وہ اپنے خواجہ تھانوی کو بھی دیکھیں جو سو فیصد شکم نواز تھے۔ خواجہ اجمیری تو غریبوں کو نوازنے والے ہیں۔ اور خواجہ تھانوی نے صرف اپنے شکم کو نوازا۔ غریب نواز ہونا اگر شرک ہے تو شکم نواز ہونا بھی یقیناً شرک ہے۔

خواجہ شکم نواز کا مرغ۔ پھل فروٹ۔ دودھ حلوہ اور عمدہ و مقوی غذاؤں سے شکم نوازی کا حال پڑھنے کے بعد اب خواجہ صاحب کا اپنا ہی ایک ملفوظ پڑھیئے فرماتے ہیں۔

ایک جگہ مجلس سماع ہو رہی تھی۔ گانے والی شیخ کی مریدنی تھی شیخ پر وجد طاری ہوا۔ اور اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف الگ ایک مکان میں لے گئے اور اس سے اپنا منہ کالا کیا اور آکر اس خبیث فعل کی یہ توجیہ کی کہ جب آگیا جوش نہ رہا ہوش۔ دونوں جگہ چھوٹا سین بولا جاہل بھی پیٹ بھر کے ہی تھے ورنہ مزا کا فرمایا۔

پیٹ بھرنے ہی کی وجہ سے یہ مستیاں سوجھتی ہیں مگر اس پر بھی پیر پر پیر مرید مرید رہے۔ اور جب مرغے انڈے حلوے مانڈے اڑاتے ہیں۔ اور شادی نہ کرنے کو ترک دنیا سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو آخر یہ ذخیرہ کہاں نکلے گا۔

(الافاضات الیومیہ ص ۵ ج ۱)

خواجہ شکم نواز کا یہ ارشاد کہ

پیٹ بھرنے ہی کی وجہ سے یہ مستیاں سوجھتی ہیں۔

پڑھ کر خیال آتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب خود بھی تو ساری عمر پیٹ بھرتے رہے۔ اور مرغے انڈے پھل مقوی اور عمدہ غذائیں دودھ اور حلوے اڑاتے رہے۔ تو خود خواجہ صاحب کو بھی تو کوئی مستی ضرور سوجھی ہوگی؟ یقیناً سوجھتی۔ مگر مولویت کا لبادہ پہن رکھا تھا اس لئے اپنی مستی کو شرعی رنگ میں ظاہر فرمایا۔ اور وہ یوں کہ پہلی بیوی کے باوجود دوسری عورت سے عقد کر کے اس کا الگ مکان اور الگ ایک مکان میں لے گئے آپ کی اس مستی پر ایک مولوی صاحب نے پوچھا کہ

حضرت اس عقد ثانی کا داعی کیا پیش آیا تھا۔ فرمایا ان کی سادگی دینداری اور بے نفسی داعی ہوئی۔

خواجہ صاحب کے بھائی منشی اکبر علی نے بھی خواجہ صاحب کو لکھا کہ

آخر ضرورت ہی کیا نکاح کی پیش آئی۔ (الافاضات الیومیہ ص ۶۸-۶۹ ج ۱)

یہ دونوں ہی بھولے بھالے ہیں۔ جانتے تب ہیں۔ کہ خواجہ شکم نواز مرغوں۔ انڈوں۔ پھلوں۔ مقوی غذاؤں اور نفیس و عمدہ غذاؤں سے شکم نوازی فرمایا کرتے رہے ہیں۔ اور خود ہی فرماتے ہیں کہ

پیٹ بھرنے ہی کی وجہ سے یہ مستیاں سوجھتی ہیں۔

پھر خواص پیر کے متعلق لکھا ہے۔ کہ جب مرغے انڈے حلوے مانڈے اڑائے جائیں تو آخر یہ ذخیرہ کہاں نکلے گا یہاں بھی وہی قصہ ہے۔ کہ مرغوں انڈوں پھلوں اور مقوی غذاؤں سے شکم نوازی کرنے کے بعد یہ ذخیرہ کہاں نکلے گا۔ آپ ناحق پوچھ رہے ہیں

کر حضرت

اس عقد ثانی کا داعی کیا پیش آیا تھا
آخر ضرورت ہی کیا نکاح کی پیش آئی

ضرورت وہی تھی جو اُس پیر کو پیش آئی جسے "جریں ہی جریں" نہ رہا اور اسے جمع شدہ ذخیرہ کہیں نکالنا تھا حضرت شکم نواز تو مفت کا مال کھاتے کھاتے اپنے شکم میں اس قدر ذخیرہ جمع کر چکے تھے۔ کہ آپ تو عقد ثانی پر حیران ہو رہے ہیں۔ اور حضرت شکم نواز تیسرے عقد کے لیے بھی تیار تھے۔ چنانچہ ان کا یہ ملفوظ پڑھیئے۔ کہ

میں نے تو اس کو بھی اپنے وقف نامہ میں لکھ دیا ہے کہ اگر میں تیسرا نکاح کرلوں تو اس کے متعلق یہ وصایا ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ص ۲۲۱)

گویا حضرت خواجہ شکم نواز تیسرا نکاح بھی کرنے کو تیار تھے۔ اس لئے کہ جس قدر ذخیرہ ان کے شکم میں جمع ہو چکا تھا۔ اس کا علم بھی انہی کو تھا۔

منشی اکبر علی صاحب کا یہ پوچھنا کہ "آخر ضرورت ہی کیا نکاح کی پیش آئی" خواجہ شکم نواز کے شکم میں ذخیرہ کی کثرت سے بے خبری کے باعث ہے۔

حضرت خواجہ شکم نواز اُس "جریں ہی جریں" والے جاہل پیر سے ایک بات میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اُس کے لئے تو لکھا کہ

پیر پیر رہے مرید مرید رہے۔

یعنی اس کے سارے مرید اس کے مرید ہی رہے کوئی بد اعتقاد نہیں ہوا۔ مگر خواجہ شکم نواز نے عقد ثانی کر کے اپنی برأت کے لئے جو ایک رسالہ لکھا۔ اسے پڑھ کر خواجہ شکم نواز کے کئی مرید بد اعتقاد ہو گئے۔ اور خواجہ شکم نواز کو یہ لکھنا پڑا۔ کہ

جس کا اعتقاد جاتا رہا ہو تو جاتا رہے بحمد اللہ میں کوئی کام کسی کے معتقد یا غیر معتقد بنانے کی نیت سے تھوڑا ہی کرتا ہوں (الافاضات الیومیہ ص ۲۹ ج ۱۵)

یہ کام تو میں نے اپنے جمع شدہ ذخیرہ کو نکالنے کے لیے کیا ہے۔

آخر میں ایک واقعی بزرگ کی حکایت پڑھیئے۔ یہ حکایت بھی خواجہ شکم نواز ہی نے

بیان فرمائی ہے۔ آپ سنئے

فرمایا کہ اہل اللہ اور خاصانِ حق کی شان ہی جدا ہوتی ہے ان کا کوئی کام نفس کے واسطے نہیں ہوتا ہاں نفس کے کچلنے اور پیسنے کے واسطے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ایک بزرگ کی ایک شخص نے دعوت کی بلا کر لے گیا۔ اور پھر جا کر کہا کہ آپ خواہ مخواہ چھٹے پھرتے ہیں۔ کس نے آپ کی دعوت کی۔ وہ بزرگ چل دیئے۔ پھر وہ آ کر کہتا ہے کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ میں نے دعوت کی تھی یہ کھانا پکا ہوا رکھا ہے آپ چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں۔ اس کو کون کھائے گا۔ آپ پھر چلے آئے۔ کئی مرتبہ اس شخص نے ایسی ہی حرکت کی۔ وہ شخص قدموں پر گر پڑا۔ کہ واقعی آپ بزرگ ہیں۔ بس مگر فرماتے ہیں۔ کہ یہ تو کوئی بزرگی نہیں۔ یہ تو کتے کی بھی خاصیت ہے۔ ٹکڑا دکھلا دیا آ گیا۔ ڈنڈا دکھلا دیا بھاگ گیا۔ (الافاضات الیومیہ ص۵۲)

یہ ہیں اللہ کے مقبول بندے جنہوں نے اپنے نفس کو کچلا۔ دعوت کرنے والے کے ساتھ گئے۔ اس نے انکار کیا۔ تو چلے آئے۔ پھر بلایا پھر چلے گئے۔ پھر اس نے انکار کیا۔ پھر چلے آئے۔ پھر اس نے بلایا پھر چلے گئے۔ آخر وہ شخص قدموں پر گر پڑا۔ اور آپ کی بزرگی کا اعتراف کیا۔ مگر پھر بھی انہوں نے اپنے آپ کو ایک ذلیل مخلوق سے بڑھ کر نہیں سمجھا۔ کہاں ایک مقبول حق اللہ والے کی وہ نفس کشی اور کہاں حضرت خواجہ شکم نواز کی یہ شکم نوازی۔ ؎

ترکیب و تکلف لاکھ کرو فطرت نہیں چھپتی ہے اکبر
جو مٹی ہے وہ مٹی ہے جو سونا ہے وہ سونا ہے

حکائت ۹۹

آپکو خدا ہی پکڑے گا اور ضرور پکڑیگا

ایک صاحب نے حضرتِ والا کو بہت سخت سخت مضامین مایوسی کے اپنی بدحالی اور عیوب کی بنا پر لکھے اور تفصیل بھی اپنے عیوب کی لکھی۔ گو بیشتر حالت اچھی تھی۔ یہاں تک مایوسی لکھی تھی۔ کہ جب تجھ کو رسوائی تو یقیناً قطعاً ہو گی پھر رہا سہا بھی اپنا ارمان پورا کرے۔ اور خوب دل کھول کر گناہ کرے ؎

اب تو آرام سے گذرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے

(نعوذ باللہ) وغیرہ وغیرہ۔ اخیر میں لکھا کہ واللہ حضرت مولانا صاحب آپ اگر کچھ بھی علاج نہ فرمائیں گے۔ تو قیامت میں آپ ہی کا حوالہ دے کر کہوں گا۔ کہ آپ سے میں نے علاج چاہا۔ لیکن انہوں نے ہماری خبر ہی نہ لی اور الٹا میرا دہرہ خرچ کرا دیا۔ گو آپ میرے عقیدے میں خدا نہیں ہیں لیکن آپ واللہ خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔ اس پر بھی میری نہ سنو۔ اور بھنور ضلالت و دین و ہجر سے نہ چھڑاؤ۔ باوجود خبر متواتر ہو جانے کے تو آپ کو خود خدا ہی پکڑے گا۔ اور ضرور پکڑے گا۔ اللھم آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

جواب۔ مضامین بہت پریشان ہیں بالمشافہ جواب ہو سکتا ہے۔

حسن العزیز مکتوبات ص ۳۲

سبق

خط لکھنے والا کوئی بہت ہی فسق و فجور میں مبتلا ہے۔ اور اپنے عیوب کے پیش نظر مایوسی کے عالم میں اپنے رہے سہے ارمان بھی پورے کرنے پر آمادہ ہے اور دل کھول کر گناہ کرنا چاہتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ حضرت والا کا دامنگیر بھی ہے۔ اور انہیں خدا نہیں تو خدا سے جدا بھی نہیں سمجھتا۔ چاہتا ہے۔ کہ حضرت والا اس گرنے والے کو بچالیں اور حکیم الامت ہونے کی بنا پر اسے کسی تیر بہدف نسخہ سے شفایاب فرما دیں۔ مگر حضرت مولانا تھانوی بے نیازی سے اسے جواب دیتے ہیں۔ کہ مضامین پریشان ہیں بالمشافہ جواب ہو سکتا ہے۔ یعنی جو بچارہ پہلے ہی شکایت کر رہا ہے کہ آپ نے میرا دہرہ خرچ کرا دیا وہ مزید خرچ کرکے خدمت میں حاضر ہو اور جواب لے۔ خدا جانے حضرت والا نے اس بچارے کو کن چیز دل میں رکھا ہے جو وہ اس قدر نالاں ہے کہ یہ لکھنے پر بھی مجبور ہو گیا ہے۔ کہ

آپ کو خود خدا پکڑے گا اور ضرور پکڑے گا۔

اللھم آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ خط لکھنے والے کو حضرت والا سے کوئی بہت بڑی شکایت ہے

جسے حضرت والا ٹالنا چاہتے ہیں۔ ورنہ حضرت والا کو جو شیخ توحید ہیں۔ اگر اول تو اسے اس بات پر ڈانٹنا چاہیئے تھا۔ کہ تم نے مجھے یہ کیا لکھ دیا کہ میں نہ خدا ہوں نہ خدا سے جدا ہوں۔ دیکھو مولانا اسماعیل شہید کیا فرما گئے ہیں۔

کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو سو اس میں بھی اختصار ہی کرو" (تقویۃ الایمان ص۱۷)

اور دوسری جگہ یہ بھی لکھ گئے ہیں۔ کہ

اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیاء و اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں۔ (تقویۃ الایمان ص۶۳)

مولانا اسمٰعیل تو انبیاء تک کو لکھیں کہ وہ اللہ کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں (معاذ اللہ) اور تم مجھے اللہ سے جدا ہی نہیں سمجھتے۔

پھر اس بات پر بھی ڈانٹتے۔ کہ تم نے یہ کیا لکھ دیا۔ کہ اس پر بھی

"میری نہ سنو اور بھنور ضلالت سے نہ چھڑاؤ"۔

سننے والا تو خدا ہے۔ میں تمہاری کیسے سنتا اور میں تمہیں بھنور ضلالت سے کیسے نکالوں جب کہ ہم اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ پڑھ پڑھ کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر میں بے اختیار ثابت کرتے رہتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

حضرت والا کے مرید بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ مرید بھی ہیں۔ اور پیر کو دھمکی بھی دے دیتے ہیں۔ کہ آپ کو خدا ہی پکڑے گا۔ حضرت والا بھی کہتے ہوں گے ؎

اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

حکائت ع۲۷

فراخدل ملا

جب آپ (مولوی اشرف علی صاحب) اعظم گڑھ تشریف لے گئے تھے۔ راستے میں کسی اسکول کے سامنے سے گذر ہوا۔ جہاں زیادہ تر ہندو اساتذہ تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھے گزرتا دیکھ کر سارے ہندو اساتذہ اور طلبہ بھی تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس حال کو دیکھ کر

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ

میں وہاں رکا اور ان سب سے ملا۔ لوگوں سے میں نے مصافحے کئے پھر خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہوا۔ کہ

ایک ایک سے ملا۔ حتیٰ کہ ہندوؤں سے بھی اور مزاج پرسی کی۔

آپ کو معلوم ہے کہ مولویوں کا عام قاعدہ ہے کہ ایسے مدرسہ کے سامنے سے جب گذرتے ہیں۔ اور جیسے حضرت کے ساتھ مدرسہ والوں نے برتاؤ کیا تھا۔ اسی برتاؤ کے ساتھ پیش آتے ہیں تو عام طور پر مولوی لوگ ان ہندوؤں کی طرف متوجہ ہونا اپنی شان کے خلاف تصور کرتے ہیں۔ پھر حضرت نے اس تنگ دل ملا کا ذکر کیا۔ جس کے وعظ میں ایک غیر مذہب کا آدمی جو شاید ہندو ہی تھا۔ شریک ہو گیا تھا۔ مجلس وعظ میں ہندو کو دیکھ کر ملا صاحب آپے سے باہر ہو گئے۔ گرجنے لگے کہ نکالو اس کافر مردود کو۔ (حیات اشرف ص ۲۴۸)

سبق

اس حکایت میں حضرت والا کو ایک فراخدل ملا کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔

جس طرح آج کل کے علماء دشمن۔ الحاد و فسق و فجور کے علمبردار اور برائے نام روشن خیال و فراخدل بننے والے افراد علماء حق کو "مولوی لوگ" اور "تنگدل ملا" جیسے لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔ اور اپنی فراخدلی اور علماء کی تنگ دلی ظاہر کرنے کے لئے بھی من گھڑت قصے بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح اس حکایت میں بھی حکایت نگار نے حضرت والا کو فراخدل ثابت کرنے کے لیے حضرات علماء کرام کے لئے وہی لفظ اختیار فرمائے ہیں۔ جو ملحدین زمانہ کرتے ہیں۔ مثلاً "مولوی لوگ" "تنگدل ملا"۔ ملا صاحب آپے سے باہر ہو گئے۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے حضرت والا کی تائید کے لئے "علامہ مشرقی" یا "غلام احمد پرویز" بول رہا ہے۔

حضرت والا سے ہماری گذارش ہے۔ کہ آپ نے جو ان ہندوؤں مشرکوں سے ملاقات فرمائی ان سے مصافحے کئے اور ان کی مزاج پرسی فرمائی تو کیا یہ ان کی عزت افزائی و تکریم تھی یا نہیں۔ اگر تھی۔ تو آپ کے اپنے ہی اس ارشاد کا کیا ۔۔۔۔ سے گا۔

میرا یہی مذاق ہے کہ غیر قوموں کی نہ تحقیر کرتا ہوں نہ تکریم و تعظیم (مجالس حکیم الامت ص ۲۸۱)

مذاق تو آپ کا یہ ہو کہ ہندوؤں کی نہ تحقیر کریں نہ تعظیم۔ مگر جب بھی مشرکین ہندو آپ کو گزرتا دیکھ کر آپ کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ تو آپ کا مذاق بدل جائے۔ اور آپ ان کی عزت افزائی کے لئے وہاں رک بھی جائیں۔ ان سے مصافحے بھی کریں۔ اور مزاج پرسی بھی کریں گویا آپ کا یہ مذاق ایک مذاق ہی ہے۔

ایک اور گذارش بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ نے خود ہی فرمایا ہے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اس شخص پر بہت خفا ہوتے تھے جو ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو۔ جو حضرات مقتدا ہیں ان کے لئے یہی مناسب ہے۔ کہ اس فعل پر ناپسندیدگی اور ناراضی کا اظہار کریں۔ اگرچہ دوسروں کے لیے ایسے وقت جب کوئی بزرگ عالم مجلس میں آئے تعظیماً کھڑا ہو جانے کی اجازت ہے۔ (مجالس حکیم الامت ص ۱۵۶)

گویا مولانا محمد یعقوب صاحب بھی تنگدل تھے۔ حضرت والا کی طرح فراخدل ہوتے تو ہر اس شخص پر بہت خوش ہوتے جو ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوتا۔ اس سے مصافحہ بھی کرتے اور اس کی مزاج پرسی بھی۔ حضرت والا اپنے ہی استاد کے برخلاف اپنی تعظیم کے لئے کھڑے ہونے والوں پر خوش ہوئے۔ حالانکہ

جو حضرات مقتدا ہیں ان کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس فعل پر ناپسندیدگی اور ناراضی کا اظہار کریں۔

جو حضرات مقتدا ہیں۔ ان کے لئے تو یہی مناسب ہے مگر حضرت والا نے ہندوؤں کی خاطر اپنی مقتدائی کو بھی قربان کر دیا۔

اب ہم حضرت والا ہی کی زبانی بتاتے ہیں۔ کہ سکول کے اساتذہ (ماسٹروں) نے حضرت والا کی کھڑے ہو کر تعظیم کیوں کی؟

ایک سلسلہ گفتگو میں (حضرت والا نے) فرمایا۔ کہ ان نو تعلیم یافتہ انگریزی خوانوں میں اور خصوصی جو اسکولوں میں ماسٹر یا ٹیچر (اساتذہ) ہیں عقل کا نام و نشان نہیں ہوتا کچھ تو اس انگریزی تعلیم کی نحوست پھر بچوں لڑکوں کی صحبت بس عقل رخصت

ہوجاتی ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص۲۵۳)

گویا ان اساتذہ میں ذرہ بھر بھی عقل ہوتی۔ تو حضرت والا کی تعظیم کے لئے ہرگز کھڑے نہ ہوتے ۔

ہوش و خرد گئے نگر سحر فن کے ساتھ
اب جو ہے اپنی بات سو دیوانہ پن کے ساتھ

حکایت ۲۷

مدینہ شریف کے بدّو

ایسے ہی بدوؤں کو دیکھا۔ کہ اللہ و رسول کی محبت ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ گو وہ جاہل بھی ہیں۔ اور لوٹ مار بھی کرتے ہیں۔ نماز روزہ بھی ان کے پاس زیادہ نہیں۔ لیکن یہ حالت ہے۔ کہ اگر دو شخص باہم لڑ رہے ہوں۔ اور کوئی شخص صلح کرانے کی غرض سے یہ آکر کہہ دے۔ کہ یا شیخ صلّ علی النبی۔ تو عین غصہ کی حالت میں بھی حضور کا نام مبارک سنتے ہی دونوں فریق پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اور فوراً اللھم صل علیٰ محمد باآواز بلند کہنے لگتے ہیں۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمد اب کوئی کیا حقیر سمجھے ان لوگوں کو۔ ایک بار میں مسجد حرام کو جا رہا تھا راستہ میں سقوں کی پنچائت ہو رہی تھی۔ سب لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک شخص تقریر کرنے کے لیے اٹھا۔ تو سب سے پہلے اس نے کہا۔ اَلْفَاتِحَہ عَلَی النَّبِی۔ یعنی حضور کی روح مبارک کو ثواب پہنچانے کے لئے فاتحہ پڑھو چنانچہ سب لوگ فاتحہ پڑھنے لگے۔ اسی طرح جب دوسرا شخص اس تقریر کا جواب دیتا ہے۔ تو وہ بھی پہلے یہی کہتا ہے۔ الفاتحہ علی النبی۔ غرض کسی شخص کی تقریر اس سے خالی نہیں ہوتی۔ یہ تو وہاں کے جاہلوں کا حال ہے جو شاید نماز بھی نہ پڑھتے ہوں۔ یہ دونوں واقعے تو دیکھے ہوئے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ص۲۵۸)

سبق

یہ تو ہے مدینہ شریف کے جاہل بدوؤں کا حال۔ اور یہاں پاکستان کے عالم بدھوؤں کا حال یہ ہے۔ کہ اذان سے پہلے یا نماز کے بعد کوئی درود و سلام پڑھنے لگے۔ تو یہ

لڑائی شروع کر دیتے ہیں۔ اور اپنے فتووں کی تلوار نیام سے باہر کھینچ لیتے ہیں اور بجائے پانی پانی ہونے کے آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں۔ کہ کہاں لکھا ہے کہ اذان سے پہلے یا نماز کے بعد درود شریف پڑھو۔ حضرت والا نے اُن بدوؤں سے بھی پوچھا ہوتا۔ کہ لڑائی بند رانے کے لیئے کہاں لکھا ہے۔ کہ درود شریف پڑھا کرو۔ حضرت والا کے اس چشمدید واقعہ سے معلوم ہوا۔ کہ اگرچہ اس بات کا حکم کہیں نہیں۔ مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھی۔ اس لیئے وہ محبت کے باعث ایسا کرتے تھے۔ گویا محبت حکم کی منتظر نہیں ہوتی۔

وہابی دیوبندی حضرات عموماً اس بات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ کہ یہ بریلوی برائے نام محبت رسول ہیں اگر ان میں محبت ہو۔ تو عمل بھی ہو۔ محبت تو عمل سے ثابت ہوتی ہے۔ اگر عمل نہیں۔ تو محبت بھی نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عمل بھی ضروری ہے۔ مگر اس بات کے غلط ہونے میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ جہاں عمل نہیں وہاں محبت بھی نہیں چنانچہ خود حضرت والا لکھ رہے ہیں۔ کہ وہ بدو اتنے بے عمل تھے کہ لوٹ مار بھی کرتے تھے۔ نماز روزہ کے بھی پابند نہ تھے۔ باوجود بے عمل ہونے کے۔

اللہ و رسول کی محبت ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھی۔

گویا بے عمل بھی ہیں اور محبت رسول بھی۔

خود حدیث میں بھی یہی بات مذکور ہے۔ ایک صحابی شراب پینے کے جرم میں بارگاہ رسالت میں پیش کئے گئے درّے لگائے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد پھر اسی جرم میں لائے گئے۔ ایک شخص نے اُسے برا کہا کہ یہ بار [illegible]ن جرم میں لایا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تلعنوه فو اللہ ما علمتُ انه یحبُّ اللهَ و رسولَهٗ

یعنی اسے بُرا نہ کہو۔ اللہ کی قسم یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔
(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۰۸)

گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرابی کو محب رسول قرار دیا۔ یہ صحابی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اذان میں سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ اذان سے پہلے نماز کے بعد درود شریف پڑھنا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کی خوشی میں جشنِ میلاد شریف منانا ایسی سب باتیں محبت ہی کے باعث ہیں جب کہ دیوبندی حضرات ان سب امور کو بدعت کہتے ہیں۔

حضرتِ والا نے مدینہ شریف کے بدوؤں کی محبتِ رسول کے باعث ان کے جو معمول لکھے ہیں۔ اس پر وہ خوش ہوئے۔ اور لکھا کہ

اب کوئی کیا حقیر سمجھے ان لوگوں کو

مگر واپس ہندوستان میں آکر دیوبندیت ابھر آئی۔ اور اہل سنت کے جو محبت ہی کے باعث معمولات ہیں۔ انہیں بدعت کہنا شروع کر دیا۔ اور اپنا ہی یہ ملفوظ بھول گئے۔ کہ

اب کوئی کیا سمجھے ان لوگوں کو

مولوی صاحب اور ان کے معتقدین اہلسنت کو جو بدعتی کہتے ہیں۔ اس کا جواب خود مولوی صاحب ہی کی زبانی سنیے۔

ایک مولوی صاحب کے جواب میں فرمایا۔ کہ یہ کیا ضرور ہے۔ کہ جو آپ نے فتوی میں بدعت ہے۔ وہ عند اللہ بھی بدعت ہو۔ یہ تو علمی حدود کے اعتبار سے ہے۔ باقی عشاق کی تو شان ہی جدا ہوتی ہے۔ ان کے اوپر اعتراض ہو ہی نہیں سکتا خصوص جب کہ حالت غالبہ کی وجہ سے وہ معذور بھی ہوں۔ مگر ایسا ہر وقت نہیں ہوتا۔ اس لئے دیکھنا یہ ہے۔ کہ عادت غالبہ کیا ہے۔ اگر عادتِ غالبہ اتباعِ سنت ہے۔ اور پھر غلبہ حال کی وجہ سے کوئی ایسی بات ہو بھی جائے جو بظاہر لغزش سمجھی جا سکے اس میں تاویل کریں گے۔ اور اگر عادت غالبہ خلافِ سنت ہے وہاں تاویل نہ کریں گے۔ معیار یہ ہے غلبہ حال کی وجہ سے جو عذر ہو۔ اس کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

اودست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد　　مرعسس را ابد در خانہ نہ شد

ایسے بدعتیوں کو آپ دیکھیں گے۔ کہ وہ جنت میں پہلے داخل کئے جائیں گے
اور لوگ پیچھے رہ جائیں گے۔ (الافاضات الیومیہ ص ۱۹۸ ج ۱)

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث ہمارے جو معمولات ہیں۔ انہیں بدعت
کہنے والے مولوی صاحبان سے ہماری گذارش بھی یہی ہے۔
کہ یہ کیا ضرور ہے کہ جو آپ کے فتوی میں بدعت ہے وہ عند اللہ بھی بدعت ہو۔
اور یہ بھی یاد رکھئیے۔ کہ
عشاق کی تو شان ہی جدا ہوتی ہے ان کے اوپر اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔

ان معمولات کے عامل بڑے بڑے محدثین و مشائخ اور اولیاء و علماء رہے ہیں۔ جن
کی عادت غالبہ یقیناً اتباعِ سنت تھی اور اگر کسی کی عادت غالبہ ایسی نہ بھی ہو۔ پھر بھی وہ مدینہ
شریف کے بدوؤں کی طرح محبت رسول ہی ہو گا۔ اور ایسوں کو بدعتی کہنے والے دیکھ لیں گے۔
کہ ایسے بدعتی جنت میں پہلے داخل کئے جائیں گے۔ اور لوگ پیچھے رہ جائیں گے۔

مولانا اشرف علی بھی عجیب چیز ہیں۔ کہ اپنا کہا لکھا ہوا بھی بھول جاتے ہیں۔ کہیں کچھ اور
کہیں کچھ لکھ دیتے ہیں۔ یہاں تو یہ لکھا ہے کہ
ایسے بدعتی جنت میں پہلے داخل کئے جائیں گے۔
اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔
بدعتی بھی عجیب چیز ہیں دین تو قلوب میں ہے ہی نہیں قلب مسخ ہو گیا ہے۔
ہمیشہ اہل حق کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ص ۳۲۱)

ہم نے لکھا ہے۔ مولانا اشرف علی بھی عجیب چیز ہیں۔ یہ عجیب چیز اس طرح ہیں۔ کہ خود
ہی فرماتے ہیں۔ کہ میں ہدہد ہوں۔ فرماتے ہیں۔
ہمارے محاورہ میں ہدہد بیوقوف کو کہتے ہیں اور میں بھی بیوقوف ہی ہوں۔ مثل
ہدہد کے۔ (الافاضات الیومیہ ص ۳۴)

ہدہد کے سر پر قدرتی طور پر ایک تاج سا نظر آتا ہے۔ تھانوی صاحب کے سر پر
بھی دیکھئے کیا ہے۔ خود ہی فرماتے ہیں۔

ایک دیہاتی شخص ہدیۃً کچھ کپڑا لایا جو ایک گٹھڑی کی صورت میں تھا۔ میں اس وقت ڈاک لکھ رہا تھا۔ اس نے ڈاک کے خطوط پر وہ گٹھڑی رکھ دی۔ مجھ کو ناگوار ہوا۔ میں نے غصہ سے کہا کہ میرے سر پر رکھ دے۔ اس نے اس گٹھڑی کو اٹھایا اور میرے سر پر رکھا اور اس کو تھام کر کھڑا ہو گیا۔ تاکہ گر نہ جائے فلاں مفتی صاحب میرے پاس بیٹھے تھے وہ اس پر خفا ہونے لگے۔ میں نے کہا کس پر خفا ہوتے ہو۔ یہ تو غیر مکلف ہے اور میں نے ہی تو کہا تھا کہ میرے سر پر رکھ دے اس کا کیا قصور بلکہ حکم کی اطاعت کی ہے۔ (الافاضات الیومیہ صفحہ ۳۰۲)

گویا تھانوی صاحب کے سر پر یہ گٹھڑی وہ تاج ہے جو بدھو کے سر پہ پڑتا ہے۔ وہ دیہاتی اس تاج کو تھام کر کھڑا ہے تاکہ بدھو کے سر سے یہ تاج گر نہ جائے۔

چونکہ مولانا اشرف علی نے خود ہی خود کو نسل بدھو کے بیوقوف کہا ہے۔ اس لئے کوئی عقلمند آپ سے عقیدت نہیں رکھ سکتا اسی لئے خود ہی آپ کو یہ بھی کہنا پڑا۔

چھنٹ چھنٹ کر تمام احمق میرے ہی حصہ میں آگئے ہیں۔ دنیا بھر کے بے وقوف میرے پاس آتے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ صفحہ ۲۲۳)

یعنی دنیا بھر کے بدھو تھانوی بدھو کے پاس آتے ہیں ۔

کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

حکایت میں فاتحہ کا بھی ذکر ہے۔ کہ مدینہ شریف کے بدوؤں کی ایک مبارک عادت یہ بھی ہے۔ کہ کسی بھی نشست اجتماع یا جلسہ میں جو تقریر کرنے کے لئے اٹھتا ہے۔ پہلے وہ فاتحہ پڑھواتا اور پڑھتا ہے۔ اور اس کا ثواب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عرش پناہ میں ہدیۃً حاضر کرتا ہے۔ ہمارے ہاں جو مختلف شکلوں میں فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس بارگاہ میں حاضر کر کے حضور کے طفیل اسے اپنے عزیز و اقارب کی ارواح تک پہنچاتے ہیں۔ دیوبندی حضرات اسے بھی بدعت بتاتے ہیں۔ اس مسئلہ پر دیوبندی حضرات کے پیر و مرشد کا فیصلہ پڑھئے اور دعا کیجئے۔ کہ پیر کے فیصلے کے سامنے ان کے مریدوں کا بھی سر خم ہو جائے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

میت کی روح کو ثواب پہنچانے میں اصولی طور کسی کو کلام نہیں۔ لیکن یہاں بھی اگر کوئی اس ثواب کو مخصوص باتوں پر موقوف سمجھے جو آجکل کی مجالس فاتحہ میں رائج ہیں۔ یا ان باتوں کو واجب یا فرض تصور کرے تو یہ ممنوع ہو جائیں گی اور اگر یہ عقیدہ نہیں ہے۔ بلکہ اس خاص شکل کو محض مصلحت سے اختیار کیا جائے۔ تو کچھ حرج نہیں۔ اسی طرح فقہائے کرام نے نمازیں کسی مصلحت سے خاص سورتیں مقرر کرنا جائز رکھا ہے۔ اور تہجد میں اکثر مشائخ کا یہی معمول ہے اگر اس سوال پر غور کیا جائے۔ کہ یہ فاتحہ کی شکل جس کا اس زمانے میں رواج ہے۔ کس طرح وجود میں آئی۔ تو یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابتدا میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکینوں کو کھلا دیا۔ اور دل میں نیت کی کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچ جائے۔ بعد کے لوگوں میں کسی کو خیال ہوا۔ کہ جیسے نماز میں گو دل سے نیت کرنا کافی ہے عوام کے لئے دل اور زبان کی موافقت کے لحاظ سے زبان سے بھی کہنا اچھی بات ہے۔ اسی طرح اگر یہاں بھی زبان سے کہہ دیا جائے۔ کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے۔ تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہوا کہ اگر وہ کھانا سامنے ہو۔ جس کی طرف اس دعا میں اشارہ کیا جا رہا ہے۔ تو نیت میں یکسوئی زیادہ ہو گی۔ تو کھانا سامنے رکھا جانے لگا۔ کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ دعا ہے۔ اگر کچھ کلام الٰہی پڑھا بھی جائے تو دعا قبول ہونے کی زیادہ امید ہے۔ اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جائے گا کہ جمع بین العبادتین ہے یعنی دو عبادتیں جمع ہو جائیں گی جیسے

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار

قرآن شریف کی بعض سورتیں جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں۔ پڑھی جانے لگیں۔ کسی کو خیال ہوا کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ ہاتھ اٹھانے کا بھی دستور ہو گیا۔ کسی نے خیال کیا کہ کھانے کے ساتھ جو مسکین کو کھلایا جائے گا پانی دینا بھی بڑا ثواب کا کام ہے۔ تو کھانے کے ساتھ پانی بھی رکھا جانے لگا۔ اسی طرح فاتحہ کی خاص شکل پیدا ہو گئی۔ اب رہا تاریخ مقرر کرنا۔ تو یہ بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے کہ جو کام کسی خاص وقت میں کیا جاتا ہے۔ وہ اس وقت یاد بھی آجاتا ہے۔ اور ضرور انجام پاتا ہے۔ نہیں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں۔ کبھی اس کا خیال بھی نہیں آتا۔ اس قسم کی مصلحتیں ہر بات میں ہیں۔ جن کی تفصیل بہت

لمبی ہے۔ بعض بطور نمونے کے تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ اور باقی ذہین آدمی خود غور کر کے سمجھ سکتا ہے قطع نظر ان مصلحتوں کے ان باتوں میں بعض روحانی اسرار بھی ہیں۔ بہر حال اگر ایسی مصلحتیں ایک خاص شکل اختیار کر جائیں۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۱۹ تا ۲۱)

حضرت حاجی صاحب کا فیصلہ قابل قدر فیصلہ ہے دیوبندی حضرات کو اگر حاجی صاحب سے واقعی عقیدت ہے۔ تو اس فیصلہ کو بسر و چشم قبول کریں۔

ایصال ثواب کے لیے کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا ایک نیک کام ہے۔ مانعین کا عجب فلسفہ ہے۔ کہ قرآن پڑھنے سے وہ کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ کھانے پر عطر چھڑکا جائے۔ تو کھانا خوشبودار ہو جائے۔ اس میں میٹھا ڈالا جائے۔ تو وہ میٹھا ہو جائے۔ نمک ڈالا جائے۔ تو وہ نمکین ہو جائے۔ اور قرآن پڑھا جائے۔ تو وہ حرام ہو جائے؟ حالانکہ قرآن کی تو یہ شان ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔

یعنی قرآن مومنوں کے لیے شفاء و رحمت ہے۔ اس ارشاد کے مطابق تو جس کھانے پر قرآن پڑھا جائے اس میں رحمت و شفا پیدا ہو جائے گی نہ یہ کہ وہ حرام ہو جائے۔ اور اگر یہی ضد ہے۔ تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ کھانا کھاؤ تو

بِسْمِ اللّٰهِ وَكُلْ بِيَمِينِكَ (مشکوٰۃ ص ۳۵۵)

بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ

اور دوسری جگہ فرمایا۔ کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ شیطان وہ کھانا کھانے لگتا ہے۔ (صفحہ مذکورہ) اور یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی آیت ہے۔

إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ (پ ۱۹ ع ۱۷)

تو جو کوئی بھی جب بھی کھانا کھانے لگے گا۔ اور وہ کھانے سے پہلے اس کھانے پر جو اس کے سامنے پڑا ہے۔ بسم اللہ یعنی قرآن پڑھے گا۔ نہ پڑھے گا۔ تو ساتھ شیطان بیٹھ کر کھانے لگے گا۔ پڑھے گا۔ تو اپنے ہی قول کے مطابق کھانے پر قرآن پڑھ کر اسے حرام کر کے حرام کھائے گا معلوم ہوا۔ کہ یہ سب مانعین بھی ختم و فاتحہ ہی کا کھانا کھا رہے ہیں۔ مدوح

البیان کی ایک روایت ہے۔ کہ

کل العلوم فی الکتب الاربعة وعلومها فی القران وعلومه فی الفاتحه وعلومها فی البسملة۔

سارے علوم چار کتابوں زبور۔ انجیل۔ توراۃ اور قرآن میں ہیں۔ اور یہ سب علوم قرآن میں ہیں۔ اور قرآن کے سارے علوم سورۃ فاتحہ میں ہیں۔ اور سورۃ فاتحہ کے سارے علوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہیں۔ (روح البیان ج ۱ ص ۲)

اس روایت کے مطابق کھانے پر بسم اللہ پڑھی گئی۔ تو گویا سارا قرآن ہی پڑھا گیا۔ ہم جو جو سورتیں بھی کھانے پر پڑھتے ہیں وہ ایک بسم اللہ پڑھنے سے سب پڑھی گئیں گویا پورا ختم ہی پڑھا گیا۔ معلوم ہوا کہ مانعین اگر کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ تو گویا اپنے کھانے پر پہلے قرآن پڑھ لیتے ہیں۔ اور اگر نہیں پڑھتے۔ تو شیطان ان کے کھانے میں شریک ہو جاتا ہے۔

غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ ایک شخص کھانا کھانے لگا۔ تو بسم اللہ پڑھنا بھول گیا۔ کھاتے کھاتے آخر میں جب اُسے یاد آیا۔ کہ بسم اللہ نہیں پڑھی۔ تو اس نے کہا بسم اللہ اولہ وآخرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ فرمایا۔ اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی۔ تو شیطان اس کے ساتھ بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا۔ اور جب اس نے آخر میں بسم اللہ پڑھی۔ تو میں نے دیکھا۔

اِسْتَقَاءَ مَا فِی بَطْنِہٖ۔

جو اس نے کھایا تھا سب قے کر دیا ص ۳۵۷

معلوم ہوا جس کھانے پر قرآن پڑھا جائے۔ وہ شیطان کو نہیں بچتا۔

بہر حال مدینہ منورہ سے دونوں سے درود شریف بھی ثابت ہے۔ اور فاتحہ بھی۔

درود شریف پڑھنے پر دو متحارب فریقوں کا لڑائی بند کر دینا عجب ایمان افروز واقعہ ہے۔ یہاں میں شمہ کر اپنے حج کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ میرے ساتھ میرے دو بیٹے بلال احمد ورشید احمد بھی تھے۔ ننھے سے تھے۔ آپس میں لڑتے جھگڑتے بھی رہتے تھے۔ مدینہ منورہ میں قیام تھا۔

میں اپنی قیامگاہ پر آیا۔ تو دیکھا دونوں آپس میں لڑ رہے ہیں۔ میں نے دیکھا قصور رشید احمد کا تھا۔ مجھے غصہ آیا اور چپت لگانے کو ہاتھ اوپر اٹھایا۔ تو رشید جھٹ بولا۔

ابا جی صلِّ علی النبی

میں یہ سن کر بڑا متاثر ہوا اور بجائے چپت لگانے کے اسے چومنے لگا۔ حج سے واپسی پر کراچی پہنچا۔ تو میمن احباب نے ایک محفل میلاد کا انعقاد کیا۔ تاکہ میں اس میں مدینہ شریف کی باتیں سناؤں۔ چنانچہ میں نے اپنی تقریر میں رشید کا یہ واقعہ بھی بیان کیا۔ تو ایک میمن بزرگ عالم وجد میں اٹھے۔ اور کہا۔ میرے تو ہاتھ ایک گُر آگیا ہے۔

مولانا! قیامت کو اگر خدا نے مجھے بھی عذاب دینا چاہا۔ تو میں خدا سے کہوں گا

اللھم صلِّ علی النبی۔

تو یقیناً رشید کی طرح میں بھی بچ جاؤں گا۔ سبحان اللہ۔ کیا اچھا سوچا ہے

قیامت میں کوئی بھی جب سہارا ہم نہ پائیں گے

تبھی آکر ہمیں دو گے سہارا یا رسول اللہ

حکایت نمبر

لیفٹیننٹ گورنر مدرسہ دیوبند میں

مولانا اشرف علی نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔ کہ مجھ کو اس کا تحمل نہیں کہ ایک بے علم جاہل کسی عالم پر اعتراض کرے۔ یا اس کی اہانت کرے۔

نگینہ ایک قصبہ ہے۔ وہاں پر ایک جلسہ ہوا تھا۔ علماء کے احترام کے لئے جلسہ گاہ کو سجایا گیا تھا۔ بلیوں پر کپڑا منڈھا گیا۔ پنڈال بنایا گیا۔ بعض علماء دیوبند یہ حالت دیکھ کر وہاں سے واپس ہو گئے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں مدرسہ دیوبند میں لاٹوس صاحب لیفٹیننٹ گورنر آئے تھے۔ وہاں ان کے لئے اسی قسم کا تکلف کیا گیا تھا۔ اس پر ایک صاحب نے میرے سامنے اعتراض کیا۔ کہ اپنے لئے مولوی سب کچھ جائز کر لیتے ہیں۔ اور دوسروں کے لیے ناجائز۔ میں نے کہا کہ اکرام ضیف کا اس کے مذاق کے موافق کیا جاتا ہے۔ سو وہاں ضیف تھا۔ ایک دنیادار اس کا احترام یہی تھا۔ اور یہاں ضیف تھے علماء یہاں ان کا

یہ احترام نہ تھا تم کو بالکل فہم نہیں تم دونوں کو ایک ہی بات سمجھے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے اس جواب کا منشاء زیادہ تر یہ تھا۔ کہ عوام کو علماء پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو۔

(الافاضات الیومیہ ص۱۵۳ ملفوظ ۲۱۱)

سبق

قصبہ گھرا کے جلسہ میں علماء کے احترام کے لئے جو تکلفات کئے گئے۔ بعض علماء نے انہیں ناجائز و حرام اور بدعت سمجھا اسی لئے واپس ہو گئے۔ اور مدرسہ دیوبند میں جب ایک مشرک انگریز گورنر آیا۔ تو اسی کے احترام کے لئے انہی تکلفات کو جو حرام و بدعت تھے اپنا لیا گیا۔ اور ایک مسلمان کے اعتراض کرنے پر حضرت والا نے تاویل یہ فرمائی کہ اکرام ضیف مذاقِ ضیف کے موافق ہونا ضروری ہے۔

اس بناء پر ہماری گذارش ہے۔ کہ گھرا کے جلسہ میں بالفرض اگر علماء کے لئے شراب مہیا کی جاتی۔ تو یقیناً یہ تکلف علماء کے مذاق کے موافق نہ ہوتا۔ اور علماء کا وہاں سے واپس ہو جانا برحق ہوتا۔ اور اگر مدرسہ دیوبند میں ایک انگریز کے لیے شراب مہیا کی جاتی۔ تو یقیناً یہ تکلف مذاقِ انگریز کے موافق ہوتا۔ اور برحق ہوتا حضرتِ والا کی تاویل کے مطابق تو انگریز کے لیے شراب مہیا کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اگر شراب گھرا کے جلسہ میں ناجائز اور حرام تھی۔ تو یقیناً مدرسہ دیوبند میں بھی ناجائز اور حرام ہی ہوگی۔ مگر حضرتِ والا کا ارشاد ہے۔ کہ یہ نافہمی کی بات ہے۔ دونوں کو ایک بات نہ سمجھنا چاہیئے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔

علماء دیوبند جس شریعت میں ایسے تکلفات کو حرام و بدعت بتاتے ہیں۔ اسی شریعت میں شراب بھی حرام و ناجائز ہے۔ معترض نے سچ ہی تو کہا کہ اپنے لئے دیوبند کا مولوی سب کچھ جائز کر لیتے ہیں۔ اور دوسروں کے لئے ناجائز۔

حضرت والا نے اس معترض کو جو جواب دیا۔ اس کا منشا بقول انہی کے یہ تھا۔ کہ

عوام کو علماء (دیوبند) پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو

گویا شریعت کا فیصلہ سنانا منشاء نہ تھا۔ منشاء صرف یہ تھا۔ کہ ہم جو کچھ کریں عوام اُسے جائز ہی سمجھیں اور ہم پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ کریں۔ شریعت کا فیصلہ اگر سناتے تو وہ

تو صاف یہی تھا۔ کہ جو چیز لکھر کے جلسہ میں ناجائز تھی۔ وہ مدرسہ دیوبند میں بھی ناجائز ہے۔

یہ شرف مدرسہ دیوبند ہی کو حاصل ہے۔ کہ حاکم وقت جو کوئی بھی ہو عیسائی کہ ہندو ہو۔ اپنے "قدوم میمنت لزوم" سے اُسے نوازتا ہے۔ انگریز حاکم تھا۔ تو انگریز لیفٹیننٹ نے خود وہاں پہنچ کر مدرسہ کو نوازا۔ اور ہندو حاکم ہوئے۔ تو دیوبند کے جشن صد سالہ میں ہندوستان کی وزیر اعظم اندرا گاندھی شریک ہوئی۔ اور اس کی آمد پر دیوبندی علماء اس کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوگئے۔ ان دنوں میں نے ایک رباعی لکھی تھی ۔

تیرا اے دیوبند اب کھل گیا راز ۔ تیری اندرا گاندھی ہے دمساز

تمہارے جشن میں وہ کیوں نہ آتی

حکایت ۴۳ ۔ کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

"تھانہ بھون میں بیٹھے ہوئے علی گڑھ میں پایا جانا"

علی گڑھ میں حکیم الامت کے ایک معتقد نے نمائش میں دکان لگائی تھی۔ ایک روز عین فروخت کے وقت ان کے قلب میں وحشت سی شروع ہوئی۔ اور انہوں نے نقصان کا خیال کئے بغیر سارا سامان قبل از وقت سمیٹنا اور صندوق میں بھرنا شروع کیا۔ صندوق بھر چکے تھے کہ نمائش میں آگ لگ گئی۔ ان کو پریشانی ہوئی۔ کہ اکیلے ایسے وزنی صندوق کس طرح اٹھائے جائیں۔ عین اس پریشانی میں دیکھا کہ حکیم الامت آگئے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں۔ جلدی کرو۔ چنانچہ ایک طرف سے مالک دکان اور دوسری طرف سے حضرت شیخ نے پکڑ کر ایک ایک صندوق کر کے سارا سامان بچالیا۔ جب سامان اٹھ چکا۔ حضرت وہاں سے غائب تھے۔ اور در حقیقت آپ اس وقت تھانہ بھون میں تھے۔ جب آپ سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو فرمایا مجھ کو اس کی کچھ خبر نہیں۔ البتہ بعض اوقات حق تعالیٰ کسی کی دستگیری اور اعانت اس صورت سے فرماتے ہیں۔ کہ کسی لطیفہ غیبیہ کو کسی مانوس شکل میں ظاہر فرما دیا اور اس کے ذریعہ سے اس کا کام بنوا دیا۔ اور خود اس شکل والے کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔

(حیات اشرف ص ۲۳۷ - ۲۳۸)

سبق

"حیات اشرف" کوئی صاحب مولانا غلام محمد صاحب ہیں۔ جنہوں نے تالیف کی ہے۔ اس میں "مولانا اشرف علی صاحب کے سوانح حیات جمع کئے گئے ہیں۔ آخر کتاب میں "حکیم الامت کی کرامات" کے زیر عنوان ایک یہ کرامت بھی درج ہے۔ جو اوپر کی حکایت میں آپ نے پڑھی۔

حکایت کا جو عنوان ہے۔ یہی عنوان حیاتِ اشرف میں بھی درج ہے۔ یعنی یہ عنوان ہمارا قائم کردہ نہیں۔ بلکہ جیسا حیات اشرف میں درج ہے بعینہٖ ہم نے وہی عنوان یہاں لکھ دیا ہے چونکہ مؤلف نے مولانا اشرف علی کی کرامات کا ذکر کرنا تھا۔ اس لئے عنوان ایسا قائم کیا جس سے حکایت پڑھنے سے پہلے ہی مولانا اشرف علی کی کرامت کا پتا چل جائے۔ یہ عنوان تو مولانا اشرف علی کی کرامت ظاہر کر رہا ہے۔ آخر حکایت میں خود مولانا اشرف علی کا یہ قول درج کر کے کہ۔

"مجھ کو اس کی کچھ خبر نہیں"۔

مولف نے اپنے ہی قائم کردہ عنوان کی تردید کر دی۔ اس لئے کہ جب انہیں اس کی کچھ خبر نہیں۔ تو پھر یہ ان کی کرامت کیسے ہوئی۔ کرامت خارق عادت امر کے وقوع کا نام ہے۔ تھانوی صاحب اگر واقعی تھانہ بھون میں بھی بیٹھے ہوتے۔ اور علی گڑھ میں بھی پائے جاتے۔ یعنی یہاں بھی ہوتے اور وہاں بھی تو یہ ایک خارق عادت امر ہوتا۔ اور ان کی کرامت ہوتی۔ مگر یہاں تو قصہ یہ ہے۔ کہ تھانوی صاحب تو تھانہ بھون ہی میں ہیں۔ اور علی گڑھ میں وہ نہیں تھے بلکہ کوئی لطیفہ غیبیہ تھا جو ان کی شکل میں ظاہر ہو گیا وہ مولوی اشرف علی نہیں تھا۔ بلکہ کوئی اور تھا۔ پھر یہ ان کی کرامت کیسے ہوئی۔

ہاں مولوی اشرف علی صاحب کے اس قول سے مسلک اہلسنت کی تصدیق ضرور ہو گئی۔ اور وہ اس طرح کہ بقول ان کے حق تعالیٰ کسی کی دستگیری و اعانت اس طرح فرماتا ہے کہ کسی لطیفہ غیبیہ کو کسی مانوس شکل میں ظاہر کر کے اس کے ذریعہ کسی کا کام بنوا دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ جس لطیفہ غیبیہ کو کسی مانوس شکل میں ظاہر فرمائے گا وہ شکل یقیناً مخلوق اور غیر اللہ ہوگی تو اس مخلوق اور غیر اللہ کے ذریعہ خدا کی دستگیری و اعانت کو تسلیم کرنا ثابت کرتا ہے کہ حقیقی مددگار تو اللہ ہی ہے۔ اور اس کے مقبول و مقرب بندے اسی کی مدد کا ذریعہ و مظہر ہیں۔ علی گڑھ کے وہ بندے اس لطیفہ غیبیہ

بشکل مولوی اشرف علی صاحب سے جو اپنا سامان اٹھوانے میں مدد حاصل کی یہ مدد اللہ ہی کی طرف سے تھی ۔ مگر بذریعہ بشکل مولوی اشرف علی ۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے اللہ کے مقبول بندوں کا ذریعہ ضروری ہے یہ مسلمان جو اولیاء کرام کے حضور حاضر ہوتے ہیں ۔ انہیں مظہر عونِ الٰہی ہی سمجھ کر حاضر ہوتے ہیں ۔

حکایت میں مذکور ہے کہ علی گڑھ کے دکاندار پر برا وقت آیا ۔ اور اس کی مدد کرنے مولوی اشرف علی صاحب یا لطیفہ غیبیہ بشکل مولوی اشرف علی صاحب اس کی مدد کرنے آ پہنچے ۔ اور یہ مولف حیات اشرف کے لئے مولوی اشرف علی صاحب کی کرامت ہے ۔ لیکن دیوبندی حضرات کی مرکزی کتاب تقویۃ الایمان میں مولوی اسمٰعیل صاحب یوں فرماتے ہیں کہ

برے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء و اولیاء کی پیرو شہید کی بھوت و پری کی یہ شان نہیں ۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۱)

حکایت میں مذکور ہے ۔ کہ علی گڑھ کے دکاندار پر برا وقت آیا تو لطیفہ غیبیہ بشکل مولوی اشرف علی صاحب مدد کے لئے آ پہنچا ۔ یہ لطیفہ غیبیہ بشکل مولوی اشرف علی صاحب یقیناً اللہ ہی تھا ۔ مگر برے وقت میں آ پہنچنا اب اگر تقویۃ الایمان کی نہیں ۔ تو حیات اشرف میں لکھی ہوئی مولوی اشرف علی صاحب کی ساری یہ کرامت ہی غلط ہے اور اگر یہ کرامت صحیح ہے ۔ تو تقویۃ الایمان میں لکھا ہوا سب غلط ہے ۔

مولانا اشرف علی نے علی گڑھ میں پائے جانے والے اشرف علی کو ایک لطیفہ غیبیہ لکھا ہے ۔ جو خدا نے ان کی شکل میں ظاہر کیا ۔ مگر ان حضرات کے ممدوح و مقتدا ابن تیمیہ نے کچھ اور ہی لکھا ہے ۔ کتاب الوسیلہ ابن تیمیہ کی کتاب ہے ۔ جس کا اردو ترجمہ ادارہ ترجمان السنۃ شیش محل روڈ لاہور نے شائع کیا ہے ۔ اس کے صفحہ ۴۱ پر لکھا ہے ۔

فرشتے شرک میں کسی کی امداد نہیں کرتے نہ حیات میں نہ موت میں اور نہ اسے پسند کرتے ہیں ۔ البتہ شیاطین کبھی کبھی ان کی مدد کرتے اور انسانی شکل میں ان کے سامنے نمودار ہوتے ہیں ۔ چنانچہ وہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ۔ پھر کبھی تو شیطان ان سے کہتا ہے ۔ میں ابراہیم ہوں ۔ مسیح ہوں ۔ محمد ہوں ۔ خضر

ہوں ابو بکر عمر عثمان علی یا فلاں شیخ طریقت ہوں۔

ابن تیمیہ کا گویا فیصلہ یہ ہے کہ علی گڑھ کے دکاندار کی مدد کرنے والا بشکل مولوی اشرف علی کوئی لطیفہ غیبیہ نہ تھا۔ بلکہ وہ شیاطین میں سے کوئی شیطان تھا جسے دکاندار نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اس سے سنا کہ میں تمہارا شیخ طریقت ہوں۔

تھی کرامت حضرت والا کی تو دکان تک

ابن تیمیہ اُسے لے پہنچا ہے شیطان تک

آیئے ہم آپ کو حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی ایک کرامت سنائیں۔ جو واقعی کرامت ہے۔ اور اس کرامت کو حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ خود ہی بیان فرماتے ہیں۔ گویا آپ کو اپنی کرامت کی خبر ہے۔ اور یہ کرامت آپ کے صاحب کرامت مولانا اشرف علی جنہیں اپنی ہی کرامت کی کچھ خبر نہ تھی سنا رہے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ اور عجیب واقعہ ہے یہ غالباً میں نے شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت غوث اعظم نماز تہجد کے لیے معمول کے مطابق اٹھے اور خانقاہ سے جانب صحرا تشریف لے چلے۔ اور یہ خادم بھی ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی چل کر ایک شہر میں پہنچے۔ یہ مرید بھی ہمراہ رہے۔ وہاں ایک مکان میں داخل ہو گئے۔ اس مکان میں ایک مجمع ہے۔ وہ لوگ آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپ مسند پر بیٹھ گئے۔ یہ مرید بھی کسی گوشہ میں جا بیٹھے۔ قریب کوئی کوٹھڑی ہے اس میں سے کسی مریض کے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آواز بند ہو گئی۔ پھر ایسا معلوم ہوا۔ کہ جیسے کسی کے غسل کے وقت پانی گر رہا ہے۔ پھر وہ آواز بھی موقوف ہو گئی۔ اور چار شخص ایک جنازہ لئے ہوئے نکلے ان کے ساتھ ایک بوڑھے شخص بھی ہیں۔ اور وہ جنازہ حضرت کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا۔ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور پھر لوگ جنازہ کو لے کر چلے گئے اور حضرت پھر اسی طرح اپنی جگہ پہ آبیٹھے مع اپنے مجمع سالکین کے گئے۔ مجھ

دیر گزری تھی ایک شخص نصرانی حاضر ہوا۔ حضرت نے اس کے گلے سے صلیب اتار لی۔ اور اس کا زنار توڑا۔ اور کلمہ پڑھا کر اس مجمع سے یہ فرما کر کہ یہ ہے وہاں سے واپس تشریف لے چلے۔ اور مکان پر تشریف لے آئے۔ اور نماز تہجد میں مشغول ہو گئے شب گذر جانے کے بعد مریدنے صبح کے وقت حضرت سے سوال کیا۔ کہ رات کا کیا معاملہ تھا حضرت نے فرمایا کہ وہ مقام شہر موصل تھا۔ اور وہ جماعت ابدال کی تھی۔ اور وہ بیمار بھی اسی جماعت کا ایک فرد تھا۔ اس جماعت نے باطنی طور پر مجھ کو اطلاع دی تھی کہ یہ قریب مرگ ہیں۔ ان کی جگہ کسی کو معین فرما دیجئے۔ اس لیے میں وہاں گیا تھا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا۔ تو میں نے جناب باری تعالیٰ سے ان کی جگہ کسی کو مقرر کرنے کے لیے عرض کیا۔ حکم ہوا کہ روم میں ایک نصرانی کنیسہ میں صلیب پرستی میں مشغول ہے اس کو ان کی جگہ کر دیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کو کیسے حاضر کیا جائے۔ سو وہ خرق عادت کے طور پر حاضر ہو گیا اور اسی وقت مسلمان کر کے ابدال کے مرتبہ پر فائز کر دیا۔ (الافاضات الیومیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ ملفوظ ۳۱۳)

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ تہجد پڑھنے لگے تو بغداد سے فوراً شہر موصل پہنچے۔ وہاں جا کر ایک ابدال کا جنازہ پڑھایا اور روم سے ایک نصرانی کو حاضر کر کے اُسے کلمہ پڑھا کر ابدال کے عہدہ پر فائز کر کے پھر اپنے شہر کے مکان میں آ پہنچے تو وہی وقت تہجد کا تھا۔ سبحان اللہ! یہ ہے کرامت کہ آپ خود آن کی آن میں شہر موصل پہنچے نماز جنازہ پڑھا کر اور ایک نصرانی کو روم سے خرق عادت کے طور پر بلا کر اس کو نہ صرف مسلمان بلکہ ابدال بنا دیا۔ اور پھر فوراً اپنے مکان پر اسی تہجد کے وقت پر آ پہنچے اور نماز تہجد پڑھی۔

تاج و تخت میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے

جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

یہ تو تھی [illegible] حضرت غوث اعظم کی ہے اب آئیے اب مجذوب کی کرامت پڑھیئے جسے قطب العالم مولوی رشید احمد صاحب نے لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

قصبہ لوہاری میں جس جگہ حضرت میانجو نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے وہاں ایک مجذوب پنجابی رہتے تھے۔ اور اتفاقاً اس جگہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے۔ وہ مجذوب اکثر حضرت حاجی صاحب شہید کے خدام سے یوں کہا کرتے تھے کہ او تمہارا حاجی بڑا بزرگ ہے۔" حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ جب بغرض زیارت حرمین شریفین عرب کو گئے۔ تو ایک دن جہاز میں حضرت کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا۔ ذرا سی دیر گزری تھی۔ کہ ایک ہاتھ سمندر میں سے لوٹا تھامے ہوئے نکلا۔ اور لوٹا حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ میں پکڑا کر غائب ہو گیا۔ ادھر لوہاری میں ان مجذوب صاحب نے حضرت کے خدام سے فرمایا۔ کہ تمہارے حاجی کے ہاتھ میں سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا تھا میں نے ان کو لوٹا پکڑا دیا" حضرت کے خدام نے سمجھا کہ بڑ ہانک رہے ہیں۔ جب جب حضرت حاجی صاحب حج سے فارغ ہو کر واپس ہوئے۔ اور لوہاری میں تشریف فرما ہوئے۔ تو کسی کو مجذوب کی بات یاد آ گئی۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا سچ ہے بے شک یہ واقعہ جہاز میں پیش آیا۔ مگر اس وقت وہ ہاتھ میری شناخت میں نہیں آیا کہ کس کا ہے۔ (تذکرۃ الرشید ج۲ ص۲۵۷)

دیکھئے صاحب کرامت کو اپنی کرامت کا سب پتا ہے۔ قصبہ لوہاری میں رہتے ہوئے سمندر میں بھی جا پہنچے۔ اور قصبہ سے غیر حاضر بھی نہیں ہوئے۔ اور حاجی صاحب کی مدد کر آئے۔ تقویۃ الایمان کو یہاں بھی چلانا چاہیئے۔ کہ

برے وقت میں پہنچانا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء اور اولیاء کی پیر و شہید کی بھوت پری کی یہ شان نہیں۔ (تقویۃ الایمان ص۱۰)

مولوی اشرف علی صاحب سے تو یہ پنجابی مجذوب بڑھ گیا۔ کہ خود کہہ رہا ہے۔ میں لوہاری سے سمندر میں پہنچا اور حاجی صاحب کا لوٹا دے آیا۔ اور مولوی اشرف علی کو خبر ہی نہیں۔ کہ میں آگ بجھانے علی گڑھ پہنچا تھا۔ خبر تو تب ہوتی۔ جب کہ ایسا کوئی واقعہ ہوا ہوتا۔ جب کہ

قصہ ہی من گھڑت معلوم ہوتا ہے ؎

یہ تعلّی بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے

حکایت ۲۲۳

تھانہ بھون اور ایک چابک سوار

تھانہ (یعنی تھانہ بھون) پہلے زمانہ میں مثل اپنے نام کے تھا۔ کہ یہاں کے کمالات کی تھا (یعنی انتہا) نہ تھی۔ یہاں پر عبدالرحمان ایک چابک سوار تھے وہ نئے گھوڑے کو ہاتھ پھیر رسے بڑھا کر دیتے تھے جب وہ گھوڑے سے بیٹھنے کو کہہ دیتے۔ تو وہ پڑا رہتا تھا۔ اور جب تک اٹھنے کو نہ کہتے اٹھتا نہ تھا۔ مظفر نگر میں ایک بنئے نے اپنا گھوڑا پھرانے کو دیا۔ جب وہ درست ہو گیا۔ تو جس قدر روپیہ طے ہوا تھا۔ اس نے اس سے کچھ کم دیا۔ اور باوجود کہنے کے بھی اس نے اس کمی کو پورا نہ کیا۔ تب انہوں نے اس بنئے سے کہا۔ کہ اس کے اندر ایک کمی رہ گئی ہے۔ لاؤ وہ بھی سکھلا دوں۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ بس اس گھوڑے کو یہ سکھلا دیا۔ کہ سوار کو لے کر فوراً قصاب کی دکان پر جا کھڑا ہو جایا کرے۔ چنانچہ وہ بنیا جب گھوڑے پر سوار ہوتا۔ وہ گھوڑا اسے فوراً قصاب کی دکان پر لے جا کر کھڑا کر دیتا۔ بیچارہ بہت سخت پریشان ہوا۔ اور مجبور ہو کر ان کو روپے پورے دیئے۔ تب انہوں نے اس قصاب کی دکان پر لے جا کر کھڑا کر دینے کی عادت چھڑائی ایک گھوڑے کو انہوں نے یہ سکھلا دیا تھا کہ جب اس پر کوئی سوار ہوتا۔ بس وہ پیچھے کو ہٹتا چلا جاتا تھا۔ یہاں میں عجیب کمال تھا کہ جو کمال چاہیں پیدا کر دیں۔ اور جو عیب چاہیں پیدا کر دیں۔

(مولوی اشرف علی صاحب کے ملفوظات حسن العزیز ص)

سبق

مولوی صاحب نے پہلے تو اپنے شہر تھانہ بھون کی نعت خوانی کی ہے۔ کہ

"یہاں کے کمالات کی تھا (یعنی انتہا) نہ تھی"

مگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کے کمالات کی واقعی کوئی انتہا نہیں۔ اور جن کے فضائل کی یہ شان ہے کہ ؎

؎ فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ حَدٌّ

اور جن کے اوصاف کا یہ عالم ہے کہ ؎

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری

اس ذاتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ پاک پر یوں کہا جانے لگے۔ کہ دیکھنا حد سے نہ بڑھنا انتہا کے اندر ہی رہنا۔ بے انتہا کمالات بیان کر کے انہیں خدا نہ بنا دینا۔ اور یہاں تک لکھ دیا جائے۔ کہ جو بشر کی سی تعریف ہو اس میں بھی اختصار کرو۔ (تقویۃ الایمان)

کسی بھی ادنیٰ کے تصرفات کے ذکر میں ہم اگر یوں کہہ دیں۔ کہ فلاں مقبولِ خدا نے اپنے دستِ کرم سے تقدیر پلٹ دی۔ مفلس کو غنی اور بیمار کو تندرست کر دیا۔ ڈوبتے کو کنارے لگا دیا۔ اور نامراد کو بامراد کر دیا۔ تو جھٹ یہ لوگ یہ وعظ سنانا شروع کر دیتے ہیں کہ

کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ انبیاء میں اس بات کی کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے عالم میں تصرف کی کچھ قدرت دی ہو کہ مرادیں پوری کر دیں۔ یا فتح و شکست دے دیں یا غنی کر دیں ان باتوں میں سب بندے بڑے اور چھوٹے برابر ہیں اور عاجز بے اختیار۔ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں (تقویۃ الایمان)

مگر اپنے تھانہ بھون کے ایک چابک سوار کے لئے یہ لکھ دیا جائے۔ کہ

ان میں عجیب کمال تھا۔ کہ جو کمال چاہیں پیدا کر دیں اور جو چاہیں عیب پیدا کر دیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو یہ عقیدہ ہو کہ

سارا کاروبار اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان)

اور تھانہ بھون کے ایک چابک سوار کے لئے یہ اعتراف کہ

جو کمال چاہیں پیدا کر دیں اور جو چاہیں عیب پیدا کر دیں۔

فیصلہ قارئین کرام خود کریں۔ کہ ایک چابک سوار میں تو کمال و عیب کا پیدا کر دینا بھی تسلیم۔ اور انبیاء و اولیاء کو عاجز و بے اختیار سمجھنے کی تلقین و تعلیم۔ یہ ان لوگوں کی چابک دستی نہیں تو

اور کیا ہے: ؎

پیدا نہ ہو زمیں سے نیا آسماں کوئی
دل کانپتا ہے آپ کی رفتار دیکھ کر

حکایت [illegible]

دافع البلاء والوباء (صلی اللہ علیہ وسلم)

مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں۔

"میں نے ایک کتاب نشر الطیب لکھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں۔ اس کے لکھنے کے زمانہ میں خود اس قصبہ میں طاعون تھا۔ تو میں نے یہ تجربہ کیا کہ جس روز اس کا کوئی حصہ لکھا جاتا تھا۔ اس روز کوئی حادثہ نہیں سنا جاتا تھا۔ اور جس روز وہ ناغہ ہو جاتی تھی۔ اس روز دو چار اموات سننے میں آتی تھیں۔ ابتداء میں تو میں نے اس کو اتفاق پر محمول کیا۔ لیکن جب کئی مرتبہ ایسا ہوا۔ تو مجھے خیال ہوا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی برکت ہے۔ آخر میں نے یہ التزام کیا کہ روزانہ کچھ نہ کچھ حصہ اس کا ضرور لکھ لیتا تھا۔ آج کل بھی لوگوں نے مجھے طاعون ہونے کے متعلق اطراف و جوانب سے لکھا ہے۔ تو میں نے ان کو بھی جواب میں یہی لکھا ہے۔ کہ نشر الطیب پڑھا کرو۔ (وعظ النور صفحہ ۹)

سبق

معلوم ہوا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک سے بھی بلائیں اور وبائیں دور ہو جاتی ہیں پھر وہ ذات اقدس جس کے ذکر میں بھی اتنی برکت ہے۔ خود کسی بلا و وبا کو کیوں دور نہ فرما سکے گی؟ اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ پڑھنا کیوں جائز نہ ہوگا؟ اور اسے بدعت کہنے والا کیوں خاطی نہ ہوگا؟ یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جس طرح ذکر نبوی کے لئے ایک کتاب لکھنے کا اہتمام کرنا جب کہ ایسی کوئی کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھی نہ کسی صحابی نے جائز ہے۔ اسی طرح ذکر نبوی کے لیے محفل میلاد کا بھی اہتمام و انعقاد کرنا جائز ہے۔ اور اگر ذکر نبوی کے لئے محفل میلاد کا اہتمام کرنا اس لئے بدعت قرار دیا جائے کہ اس طرح کی کوئی محفل صحابہ نے منعقد نہیں کی تھی۔ تو پھر ذکر نبوی کے لئے کوئی کتاب لکھنے کا بھی اہتمام کرنا

بدعت قرار پائے گا۔ اس لئے کہ اس قسم کی کوئی کتاب بھی صحابہ نے نہیں لکھی۔ اور اگر کسی مجلس کا نام محفل میلاد رکھنا جائز نہیں تو پھر کسی کتاب کا نام نشر الطیب رکھنا بھی جائز نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ذکر نبوی کے لئے کسی بات کا التزام کر لینا یہ بھی بدعت نہیں۔ مثلاً کوئی شخص ذکر نبوی کے لیے پیر کے دن کا التزام کرے یا ۱۲۔ ربیع الاول شریف کا التزام کرے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ مولوی اشرف علی صاحب نے خود بھی ایک التزام کر لیا تھا۔ کہ

میں نے یہ التزام کیا کہ روزانہ کچھ اس حصہ اس کا ضرور لکھ لیا کرتا تھا

دیکھ لیجئے التزام یہاں بھی پایا گیا۔ ذکر نبوی کے کچھ حصہ کا روزانہ التزام بہرحال ایک التزام تو ہے۔ التزام سال بھر میں ایک دن کا ہو مہینے بھر میں ایک دن کا ہو۔ یا روزانہ کا ہو۔ بہرحال التزام ہے۔ محفل میلاد کو زیادہ تر التزام کے باعث ہی بدعت بتلایا جاتا ہے۔ تو یہ روزانہ کا التزام اگر جائز ہے۔ تو سالانہ یا ماہانہ کا التزام بھی جائز ہے اگر یہ بدعت ہے تو وہ بھی بدعت ہے۔ بلکہ یہ اگر سالانہ بدعت ہے تو وہ روزانہ بدعت ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشکل اور مصیبت کے وقت ذکر نبی کا کرنا۔ سننا۔ سنانا۔ لکھنا اور لکھا ہوا پڑھنا پڑھانا مشکل و مصیبت کو دور کر دیتا ہے ؎

ہو وے برباد وہ گھر جس میں تیری یاد نہ ہو

اجڑے وہ شہر جہاں محفلِ میلاد نہ ہو

حکایت ۷۶

نماز میں نقشہ نعل شریف کا خیال

ایک روز حکیم الامت صاحب نے مغرب کے فرضوں کے بعد فرمایا کہ آج مدت کے بعد ایک بہت بڑا شبہ نماز میں حل ہوا۔ شبہ یہ تھا۔ کہ نقشہ نعل شریف جو بزرگوں نے واسطے تحصیل برکت کے لکھا ہے۔ اور زاد السعید کے آخر میں میں نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ اس نقشہ کے مطابق اگر کوئی چمڑے کا نعل بنا کر اس کا وہی ادب و معاملہ کرنے لگے۔ جو کہ نقش سے کیا جاتا ہے۔ تو آیا یہ معاملہ ٹھیک ہو گا یا نہیں۔ ہر چند کہ جی اس کو قبول نہیں کرتا تھا۔ کہ چمڑے کے نمونہ نعل کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے۔ جو کہ نقش کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مگر وجہ

فرق کی بھی دونوں کے درمیان سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ چونکہ شبہ میرے خیال میں تھا اسی لئے میں نے کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ کہ امید نہیں تھی کہ جواب شافی میسر ہو سکے۔ مگر اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ آج نماز میں وہ شبہ حل ہو گیا۔ حل اس کا یہ ہے۔ کہ نقش کا ادب اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ دال ہے اصل پر۔ یہ نقش کی تو وضع ہی دلالت کے لئے ہے۔ اور اس میں استقلال کا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو مناسبت بھی اصل سے کم ہے اور غلو کا بھی اس میں اندیشہ ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ وہ معاملہ درست نہ ہو گا۔ (مقالاتِ حکمت صـ ۴۳)

سبق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے انور سے لگ جانے والے نعل شریف کے نقشہ کا بھی خیال اگر نماز کے اندر آجائے تو بڑی بڑی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ اور شبہات زائل ہو جاتے ہیں۔ دوسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل شریف کے نقشہ کا خیال نماز میں آجانا مفسد نماز نہیں۔ پھر اگر یوں کہا جائے کہ نماز میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے۔ تو نماز ٹوٹ جاتی ہے تو یہ کس قدر بے خبری اور بے ادبی کی بات ہے۔ حکیم الامت صاحب نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل شریف کے نقش میں محو ہو کر مشکل حل کریں۔ اور کوئی یوں کہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال لانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے ان دونوں میں سے بہر حال ایک کی بات غلط ہے۔ اور غلط وہی ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک لانے کو مفسد نماز بتاتا ہے۔

تیسری بات یہ ثابت ہوئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش نعل شریف میں بھی اتنا نفع ہے کہ مدت کی مشکلیں اس سے حل ہو جاتی ہیں۔ پھر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے متعلق یوں کہنا۔ کہ وہ کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے کتنا بڑا ظلم ہے ؎

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

حکایت ۲۲۷ —

ختم شریف

مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں۔

اہل دیوبند پر ختم بخاری کے باب میں لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ خود تو ختم وتہالیل کو منع کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی خود اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ختم بخاری حصول ثواب کے لئے پڑھ کر کبھی اس پر نذرانہ نہیں لیا جاتا۔ بلکہ شفاء مریض کے لئے یا مقدمہ حق میں غلبہ حاصل کرنے کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ (ملفوظات مقالات حکمت ص۹۸)

سبق

"کبھی کبھی خود اس کے مرتکب ہوتے ہیں" کا جملہ صاف بتا رہا ہے۔ کہ اہل دیوبند کا ختم بخاری بھی اسی قسم کا ختم شریف ہے جس سے وہ منع کیا کرتے ہیں۔ مگر اپنے ختم شریف کو مولوی صاحب نے جائز کر لیا ہے۔ اور جواز کی صورت یہ بتائی ہے۔ کہ "ہم نذرانہ نہیں لیتے حصول ثواب کے لئے پڑھتے ہیں اور شفاء مریض یا مقدمہ میں غلبہ حاصل کرنے کے لئے پڑھتے ہیں"

ہماری گذارش ہے۔ کہ ہمارے ختم شریف کو بدعت اس لئے قرار دیا جاتا ہے۔ کہ ایسا ختم شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ صحابہ کرام سے بھی ثابت نہیں اور امام اعظم سے بھی ثابت نہیں۔ تو بتایا جائے ختم بخاری کیا حضور سے یا صحابہ کرام یا حضرت امام اعظم سے ثابت ہے؟ بہرحال یہ ایک ایسا طریق ہے۔ جس کا وجود اس شکل میں پہلے نہ تھا۔ تو یہ نیا کام اگر محض حصول ثواب اور شفاء مریض کی نیت سے جائز ہے۔ تو ہمارا ختم شریف ایصال ثواب یا شفاء مریض کے لیے بدعت کیوں ہے؟

رہی نذرانہ کی بات تو یہ حقیقت ہے۔ کہ نذرانہ لیا یہاں بھی نہیں جاتا۔ اور اگر کہیں نذرانہ کا وجود ہو بھی تو دیا جاتا ہے لیا نہیں جاتا یعنی پڑھنے والا اس شرط سے نہیں پڑھتا۔ کہ مجھے کچھ دو تو پڑھتا ہوں۔ علاوہ ازیں اکثر طور پر نذرانے کا وجود یہاں بھی نہیں ہوتا۔ اگر اسی بات پر اصرار ہو۔ کہ نہیں تمہارے ہاں نذرانہ ضرور ہوتا ہے۔ تو انصاف یہ ہے کہ نذرانے سے روکنا چاہیئے نہ یہ کہ ختم شریف ہی سے روک دیا جائے۔

دیوبندی حضرات کو ختم شریف کے متعلق کچھ کہتے ہوئے اپنے حکیم الامت کا یہ ارشاد پیش نظر رکھنا چاہیے کہ

"ختم کو منع کرتے ہیں اور کبھی کبھی خود اس کے مرتکب ہوتے ہیں"۔

ہم جو بھی کریں شرک ہے بدعت ہے برا ہے

وہ جو بھی کریں ٹھیک ہے جائز ہے روا ہے

حکایت نمبر ۷۸

جس کا نام محمدؐ ہے

صلی اللہ علیہ وسلم

ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا۔ کہ مولانا دیوبندی کے مردانہ مکان میں دروازہ کے سامنے جو چبوترہ ہے اس کے کنارے پر ایک چارپائی بچھی ہے۔ اور اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہیں۔ جو بہت نازک دبلے پتلے قد بھی اچھا کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے۔ انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا۔ جس پر لکھا ہوا تھا کہ ہم نے تم کو عزت دی اللہ اس کاغذ پر بہت سی مہریں تھیں جو نہایت صاف تھیں اور مہر میں یہ صاف لکھا ہوا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (مولوی اشرف علی صاحب)

(حکایات الاولیا صفحہ ۳۴۵ حکایت نمبر ۴۳۵)

سبق

معلوم ہوگیا نا آپ کو کہ مولوی اسمٰعیل نے تقویۃ الایمان میں بالکل جھوٹ لکھا ہے کہ

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔

جس کا نام محمد ہے وہ تو اس قدر اختیار رکھتا ہے۔ کہ مولوی اشرف علی کو عزت بھی اسی نے دی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور یہ بھی معلوم ہوگیا نا آپ کو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی خداداد صفت کے بیان پر قرآن کی کوئی آیت پڑھ کر اسے شرک کہہ دینا ایسا ہی ہے جیسا آپ کے اس خواب پر کوئی آیت "وتعز من تشاء" پڑھ کر آپ پر شرک کا فتویٰ جڑ دے۔

اور یہ بھی معلوم ہوگیا نا آپ کو کہ محمد بخش۔ نبی بخش جیسے نام رکھنے شرک نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ کی اپنی عزت کا نام بھی محمد بخش اور نبی بخش ہے۔ اگر آپ ایسے ناموں کو اب بھی شرک کہیں گے۔

تو کہا جائے گا۔ کہ آپ کو اپنی عزت کا بھی خیال نہیں ہے

لاو رب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

حکایت ۷۹

مالِ مشتبہ

حضرت والا مولوی اشرف علی صاحب نے
والد ماجد کی دولت و ثروت کو مشتبہ پاکران کے ترکہ سے ایک حبہ بھی لینا گوارا
نہ کیا۔ (حیات اشرف ص ۸۲)

اور حضرت والا نے امداد المشتاق میں لکھا۔ کہ
اپنے کو کمترین مخلوقات سمجھنا چاہیے اور یہ کہ تا امکان خود قوتِ حرام و مشتبہ
سے پرہیز واجب جانے کیونکہ لقمہ مشتبہ و حرام سے برابر نقصان ہے۔
(امداد المشتاق ص ۱۳)

سبق

حضرت والا کے والد ماجد
عبد الحق صاحب مرحوم ایک مقتدر رئیس صاحب نقد و جائداد اور کشادہ دست
انسان تھے میرٹھ کی ایک بڑی ریاست کے مختار عام تھے اور با جازت رئیس
کمسریٹ کے ٹھیکے بھی لیا کرتے تھے۔ (حیات اشرف ص ۱۸)

ظاہر ہے کہ ٹھیکے کے کام میں خورد برد ضرور ہوتی ہے۔ اور ایسا مال مشتبہ ہوتا ہے۔
اسی لیے حضرت والا نے والد کی دولت کو مشتبہ پاکران کے ترکہ سے ایک حبہ بھی نہ لیا۔
مگر یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ حضرت والا کی پرورش اور تعلیم اسی مال مشتبہ سے ہوئی چنانچہ
حضرت والا کے والد نے اپنے چھوٹے صاحبزادے اکبر علی کو تو انگریزی پڑھائی۔ اور بڑے صاحبزادے
حضرت والا مولوی اشرف علی کو عربی و دینیات میں لگایا۔ اور وہ
اکبر علی سے کہیں زیادہ حکیم الامت ہی پر روپیہ مشتبہ صرف کرتے تھے

اور کہتے تھے۔ مجھے اس پر حکیم الامت پر رحم آتا ہے۔ (حیات اشرف ص ۱۹)

اب کیا جواب ہے۔ اس امر کا۔ کہ جن کی پرورش و تعلیم مال مشتبہ سے ہوئی ہو۔ ان سے ارادت و عقیدت کے ساتھ تربیت حاصل کرنا کیسا ہے؛ جب کہ خود حضرت والا لکھ چکے ہیں۔ کہ

لقمہ مشتبہ و حرام سے برابر نقصان ہے

تو جو خود برابر نقصان میں جا رہا ہو۔ وہ کسی دوسرے کو نفع کیا پہنچائے گا۔

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

حکایت ۸۰

مشرک فی الرسالۃ

عبداللہ خاں صاحب مذکور کے ماموں صاحب نے کہا۔ کہ سنا گیا ہے۔ کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میں برسوں رہے ہیں کیا یہ سچ ہے؟ مولوی اشرف علی صاحب نے فرمایا ہاں میں نے یہ روایت ایک ثقہ سے سنی ہے اور ان کی نسبت غلط بیانی اور مبالغہ کا بھی خیال نہیں۔ وہ خوش عقیدہ بلکہ متصلب شخص ہیں۔ ہمارے ہم عقیدہ ہیں اور علماء کی صحبت بہت پائی ہے ان کی طرف مجھے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ بدعتیوں کی طرح انہوں نے بلا تحقیق ایسی بات صرف شیخ کے ساتھ عقیدت ہونے کی وجہ سے مان لی ہو۔ اور بات فی نفسہ محالات میں سے بھی نہیں۔ اسی کے قریب ایک بات ہے۔ خود مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہے۔ فرماتے تھے۔ کہ جب میں نے حدیث شروع کی تو مجھے بداہۃً معلوم ہوا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متحد ہوں۔ اور وہ علوم القا ہوتے تھے کہ اب نہیں ہوتے ان میں نے بعض علوم بیان بھی کئے۔ تو عجیب عجیب علوم تھے جو کسب سے حاصل نہیں ہوتے۔ (قصص الاکابر ص ۸۷)

سبق

یہ ہے دیوبندی علماء کی جرأت و ہمت کہ اپنے پیر کو حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمشکل و ہمصورت اور اپنے استاد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متحد بنا دیا ـــ حالانکہ اس حقیقت کو مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوصاف و کمالات میں بھی اور اپنی مقدس و نورانی صورت مبارکہ میں بھی بے مثل و بے نظیر ہیں۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ جیسی کسی کی سیرت ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت منورہ جیسی کسی کی صورت۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اسی حقیقت کو اس شعر میں ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا نہ ہوگا نہ کوئی ہوا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

یہی حقیقت اور یہی ایمان ہے۔ کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جملہ فضائل و اوصاف میں اور اپنی نورانی صورت و ہیئت میں منفرد و یکتا ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی صفتِ احدیت کے مظہرِ اتم ہیں۔ اعلیٰ حضرت ہی نے لکھا ہے کہ ؎

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا
تجھے اک نے اک بنایا

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔ کہ
لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ (بخاری شریف ص ۲۶۳ ج ۱)
میں تمہارے کسی آدمی کی مانند نہیں۔
اِنِّی لَسْتُ مِثْلَکُمْ (بخاری شریف ص ۲۶۳ ج ۱)
میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے باوجود ممکن تھا کوئی یوں کہہ دے۔ کہ اوصاف و کمالات میں حضور ہماری مثل نہیں۔ مگر نفس بشریت و صورت کے لحاظ سے وہ ہماری مثل ہیں۔ اس امکان کے ازالہ کے لیے یوں فرما دیا۔
اِنِّی لَسْتُ کَہَیْئَتِکُمْ (بخاری شریف ص ۲۶۳ ج ۱)
میں تمہاری شکل و صورت کی مثل نہیں ہوں۔
ہیئت کا معنی شکل و صورت ہے (دیکھئے غیاث اللغات) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہیئت مبارکہ کو بھی بے مثل فرما رہے ہیں۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی صورت مبارکہ کا بھی یہ عالم تھا کہ
کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْہِہٖ۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۶۷۹)
گویا سورج آپ کے چہرہ میں جاری ہے۔

إِذَا ضَحِكَ يَتَلَأْلَأُ فِي الْجُدُرِ (حوالہ مذکور)

جب آپ تبسم فرماتے تو دیواریں چمک اٹھتیں۔

يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ (حوالہ مذکور)

چہرہ مبارک اس طرح چمکتا تھا جس طرح چودھویں کا چاند چمکتا ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بے مثل و بے نظیر چہرۂ انور کے متعلق ایک شاعر نے لکھا ہے۔ کہ ؎

چودھویں کا چاند ہے روئے حبیب
اور ہلالِ عید ابروئے حبیب

حضرت امام قسطلانی شارح بخاری اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّ مِنْ تَمَامِ الْاِيْمَانِ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِيْمَانُ وَالتَّصْدِيْقُ بِاَنَّ اللّٰهَ جَعَلَ بَدَنَهُ الشَّرِيْفَ عَلٰى وَجْهٍ لَمْ يَظْهَرْ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ خَلْقُ آدَمِيٍّ مِثْلَهٗ (زرقانی شرح مواہب اللدنیہ ص ۲۴۸ ج ۱)

جان لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہونے کی تکمیل یہ ہے کہ آدمی اس بات پر ایمان لائے اور تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن شریف کو اس شان کا پیدا فرمایا ہے کہ کوئی بھی آدمی آپ سے پہلے اور نہ ہی آپ کے بعد آپ کی مثل پیدا ہوا۔

ایک عربی شاعر نے بھی لکھا ہے کہ ؎

مِثْلُ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ لَا يُمْكِنُ
مَنْ قَالَ بِالْاِمْكَانِ فَهُوَ كَافِرٌ

یہ بات ممکن ہی نہیں کہ حضور محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی مثل کوئی شخص ہو جو ممکن کہے، وہ کافر ہے۔

اس حقیقتِ مسلّمہ کے باوجود دیوبندی حضرات کی کتنی بڑی جرأت و دلیری ہے۔ کہ اپنے پیر کے لیے یوں لکھ دیا کہ

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صورت مبارکہ تیار ہو رہی ہے

اور اپنے استاد نے یہ بھی لکھ دیا کہ انہیں بداہتہً معلوم ہوا کہ وہ
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ متحد ہیں۔

اور پھر اس اتحاد کی بنا پر یہ بھی لکھ دیا۔ کہ انہیں وہ علوم القاء ہونے لگے جو کسب سے حاصل نہیں ہوتے"
اس سے تو یہی سمجھا سکتا ہے۔ کہ متحد ہو جانے کے بعد پھر وہ علوم کسب سے نہیں وحی سے حاصل ہوئے۔
مرزا قادیانی بیچارہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل و بروز ہی بنتا رہا۔ مگر داد دیجیے اِن حضرات کی ہمت کی۔
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم صورت اور حضور سے متحد بن کر آپ سے بھی پیچھے چھوڑ گئے ؎

اہل ہمت منزل مقصود تک آ بھی گئے
بندۂ تقدیر قسمت کا گلہ کرتے رہے

اپنے پیر اور اپنے استاد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمصورت اور حضور سے متحد بتا کر پھر اسی پر اکتفا نہیں
کیا۔ بلکہ مولوی اشرف علی صاحب آگے بڑھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ ہمارے پیر صاحب اور استاد
صاحب اسی حالت میں چند روز رہے پھر وہ اسی حالت میں نہ رہے بلکہ۔

حضرت شیخ قدس سرہ کی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں حالتیں
کبھی زائل نہیں ہوئیں (قصص الاکابر ص ۹)

پھر اور آگے بڑھے اور کہا۔

یہاں سے ان لوگوں کی فضیلت نکلتی ہے جنہوں نے حضرت شیخ کو دیکھا گویا انہوں نے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اور جنہوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی انہوں نے
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھی (قصص الاکابر ص ۹)

گویا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا" یعنی گویا وہ صحابی بن گئے" مولوی
ایک کے مرید ہیں اور دوسرے کے شاگرد۔ اس مرید و شاگرد نے دونوں کو ہی جی بھر کے دیکھا ہے۔ تو گویا
یہی جی بھر کے صحابی بن گئے۔

اپنے پیر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمصورت بنانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فضائل وکمالات
اور برکات تھے۔ لازماً انہیں بھی اپنے پیر میں ثابت کرنا تھا۔ چنانچہ تھانوی صاحب کہتے ہیں کہ۔
حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی نسبت بار بار رحمۃ للعالمین

فرماتے تھے (قصص الاکابر ص۱۰۹)

لیجئے پیر صاحب رحمۃ للعالمین بھی بن گئے۔ آگے چلیے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ تخلیق عالم ہیں۔ خدا تعالیٰ نے زمین و آسمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر پیدا فرمایا۔ چنانچہ اس حقیقت پر حدیث قدسی لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ شاہد ہے۔ مگر مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے فرمایا کہ

ہم تو حضرت حاجی صاحب کو ایسا سمجھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی یوں کہے کہ حضرت حاجی صاحب کی پیدائش سے پہلے اور آسمان زمین تھے خدا تعالیٰ نے حاجی صاحب کی خاطر سے نیا آسمان اور نئی زمین پیدا فرمادی تو ہم تو اس کا بھی یقین کرلیں (قصص الاکابر ص۶۶)

یہ لیجئے پیر صاحب لولاک لما خلقت الافلاک کا مصداق بھی بن گئے۔ اور آگے چلیے تھانوی صاحب فرماتے ہیں۔

جیسا کہ مدینہ شریف میں رہ کر میل کچیل والا نہیں رہ سکتا۔ اللہ کا شکر ہے۔ کہ حضرت حاجی صاحب کی برکت سے ایسا ویسا یہاں (تھانہ بھون) پر بھی نہیں رہ سکتا (افاضات الیومیہ ص۲۶۵ ج۴)

تھانوی صاحب نے اپنے اس تحریر سے دو شکار کئے ہیں۔ ایک تو اپنے پیر کی برکت کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت کے مثل ہونا بتایا۔ دوسرے اپنے شہر (تھانہ بھون) کو مدینہ منورہ کی مثل بناڈالا حالانکہ مدینہ منورہ کا نام ہی سن کر مومن کی روح وجد میں آجاتی ہے۔ اور تھانہ بھون تو ایسا نام ہے کہ لطیف الطبع آدمی اس نام میں بھی ثقل و کثافت محسوس کرتا ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری کے لیے ہر مومن بے چین رہتا ہے۔ اور تھانہ کا نام ہی سن کر ہر شریف آدمی گھبرا جاتا ہے۔ کہاں مدینہ منورہ مرجع زمانہ۔ اور کہاں تھانوی صاحب کا تھانہ۔ چہ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہ تو تھا مولوی تھانوی کا اپنے پیر و استاد کو اتنا اونچا لے جانا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا ڈالا۔ اب اس کے برعکس ان کی یہ جرأت بھی دیکھئے کہ ایک خواب کے تذکرے میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ لکھ دیا۔ کہ

آپ کا قد مبارک اور رنگت اور چہرہ شریف اعلیٰ اور تن مبارک حضرت مولانا اشرف علی جیسا تھا۔ (اصدق الرؤیا ص۳)

شکل ایسی ہی ہے۔ جیسے ہمارے مولانا تھانوی کی (اصدق الرویا ص ۳۷)

کیوں مسلمانو! ہمارے وہ آقا و مولی صلی اللہ علیہ وسلم جن کے متعلق مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا اور مانتا ہو۔ کہ ہمارے حضور جیسا نہ کوئی ہوا نہ ہے نہ ہوگا اور نہ ہو سکتا ہے۔ ان کے لیے کوئی یوں کہہ دے کہ

شکل ایسی ہے جیسے ہمارے مولانا تھانوی کی

تو کیا کوئی صاحب ایمان اسے سن سکے گا؟

ہمارے قصبہ میں ایک سنی سے ایک بے ادب و گستاخ نے کہا۔ کہ تم لوگ رسول کو اتنا بڑھا دیتے ہو۔ کہ انہیں خدا سے ملا دیتے ہو۔ سنی نے جواب دیا۔ اور تم رسول کو اتنا گھٹا دیتے ہو۔ کہ انہیں اپنے ساتھ ملا لیتے ہو۔ اب تم خود ہی فیصلہ کر لو۔ گھاٹے میں کون ہے! ہم پر یہ بہتان ہے کہ ہم حضور کو بڑھا کر خدا سے ملا دیتے ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں نے حضور کو بزعم خویش گھٹا کر اپنے مولویوں سے ملا دیا۔ مگر ع

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے

جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

دیوبندی علماء کا ہی یہ حوصلہ ہے کہ اپنے بزرگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل و ہم صورت بناتے پھرتے اور خود صحابی بنتے پھرتے ہیں۔ اوپر کی حکایت کے علاوہ ان کی کتابوں میں اس قسم کی اور باتیں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے پیر سید احمد بریلوی کے متعلق "سید صاحب کے ظہور کے قبل" جیسے جملے سوانح احمدی میں ملتے ہیں۔ دیکھئے اس کا صفحہ ۲۵۔ پھر اس ظہور کے بعد ان کے جو خلیفے بنے۔ ان کے ذکر میں یوں لکھا گیا ہے۔ کہ

آپ کے بڑے خلیفوں میں مولوی عبدالحی اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید ہیں۔ یہ دونوں بزرگ بمنزلہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے آپ کے خلفاء راشدین سے تھے۔ (سوانح احمدی ص ۱۸۶)

لیجئے۔ حاجی امداد اللہ صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کو دیکھنے والے تو عام صحابی تھے۔ مگر مولوی عبدالحی اور مولوی اسمٰعیل ان سب سے بڑھ چڑھ کر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بن گئے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو یہ سارے راستے بتانے ہی ان لوگوں نے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مرزائی اپنی کتابوں میں مولوی قاسم صاحب نانوتوی کا نام بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ لکھ کر ان کی کتاب تحذیر الناس کی عبارت سے اجراء نبوت پر دلیل قائم کرتے ہیں۔

یہ ہیں وہ لوگ جو بات بات پر اہل سنت کو مشرک و بدعتی بناتے پھرتے ہیں۔ ہم اگر بقول ان کے رسول

کو خدا سے ملا دینے کے باعث مشرک ہیں۔ تو یہ سب اپنے مولویوں کو رسول سے ملا دینے کے باعث مشرک فی الرسالت کیوں نہیں۔

اور ہم اگر بقول ان کے ایسے کاموں کے باعث جو قرنِ اول میں نہ تھے بدعتی ہیں۔ تو یہ سب ایسی حرکتوں کے باعث جن کا قرنِ اول میں نام و نشان تک نہ تھا بدعتی کیوں نہیں ہیں؟ ؎

مسکرائے وہ حالِ دل سن کر

اور گویا جواب تھا ہی نہیں

حکایت ۸۱

لندن میں

(فرمایا مولوی اشرف علی صاحب نے) ایک مغربی شخص نے ایک رئیس سے ۱۵۰ روپیہ قرض مانگے۔ رئیس نے کہا کہ ایک صاحب میرے دوست ہیں ان کا ایک دشمن لندن میں ہے۔ اگر تم اس کو کسی ترکیب سے مار دو تو میں تمہیں ان سے ۵۰۰ روپیہ دلوا دوں گا۔ اس شخص نے وعدہ کر لیا چنانچہ صاحب کے پاس گئے۔ اس شخص نے ایک آئینہ منگوایا۔ اور صاحب سے اس آئینہ میں دیکھنے کے واسطے کہا۔ چنانچہ دیکھا۔ تو اس میں لندن نظر آیا اور وہ دشمن بازار میں جا رہا تھا۔ اس شخص نے صاحب سے کہا کہ آپ نشانہ درست کر کے تپنچہ کا فیر کیجئے۔ چنانچہ فیر کیا۔ گولی غائب ہو گئی۔ وہ صاحب برابر آئینہ میں دیکھتے رہے۔ کہ وہ شخص گولی کھا کر گرا۔ پھر انہوں نے احتیاطاً لندن سے بذریعہ تار اپنے کسی دوست سے خبر منگائی۔ کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے۔ وہاں سے خبر آئی۔ کہ وہ فلاں تاریخ اس طرح ہلاک ہوا۔ کہ دفعتہً گولی آ کر لگی۔ اور یہ پتہ نہ چلا۔ کہ کس نے گولی چلائی۔ پولیس تحقیقات میں مصروف ہے۔ قاتل کا ابھی پتا نہیں چلا۔ جب صاحب کو اپنے دشمن کی ہلاکی کا یقین ہو گیا تو انہوں نے معاہدہ سے کچھ روپیہ زیادہ پیش کئے۔ تو اس مغربی نے صرف ۵۰۰ روپیہ لے کر باقی زائد واپس کر دیئے۔ حسن العزیز ملفوظات ص ۹۲

سبق

مولوی اشرف علی صاحب نے یہ حکایت بیان کر کے اس مغربی شخص کے تصرف اور اختیار کو تسلیم کر لیا ہے جس نے ہندوستان میں بیٹھے ہوئے سمندر پار کے شہر لندن میں صرف ایک آئینہ کے ذریعہ سے دشمن کو گولی سے مروا دیا۔ اس نے چاہا کہ اس رئیس کو آئینہ میں لندن نظر آنے لگے۔ تو اسے آئینہ میں لندن نظر آنے لگا۔ اس نے چاہا۔ کہ یہ رئیس گولی یہاں چلائے۔ مگر یہ گولی سمندر پار کر کے اسی وقت لندن کے بازار میں دشمن کو

جا لگے تو اس کے چاہنے کے مطابق گولی یہاں چلی اور اسی وقت وہاں لندن میں دشمن کو جا لگی۔ مولوی اشرف علی صاحب نے یہ گولی تو چلوا دی۔ مگر اس گولی پر مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمانی طمنچہ سے فیر کر کے جو گولی مولوی صاحب کو ماری ہے وہ بھی دیکھئے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب شرک فی العلم کے سلسلہ میں انبیاء و اولیاء کے تصرف و اختیار کے متعلق لکھتے ہیں۔

اور اس بات کی ان میں کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے انہیں عالم میں تصرف کرنے کی کچھ قدرت دی ہو کہ جس کو چاہیں مار ڈالیں۔ (تقویۃ الایمان ص ۲۸)

اور دوسری جگہ یہ لکھا کہ

سارا کاروبار جہاں کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے۔ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

(تقویۃ الایمان ص ۶۲)

مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس مغربی شخص نے اپنے تصرف کے ساتھ لندن کے بازار میں دشمن کو مار ڈالا اور اس کے چاہنے سے اس رئیس کو گھر بیٹھے لندن نظر آنے لگا۔ یہ تسلیم کر کے مولوی اشرف علی صاحب تقویۃ الایمانی گولی کھانے کے لائق ہو گئے۔ اور یہ گولی اہل سنت کو تو کیا لگتی۔ مولوی صاحب کو یقیناً لگی۔ اور اس سے مولوی صاحب کے ایمان کا بھی وہی حشر ہوا جو لندن کے بازار میں دشمن کا ہوا تھا۔

قابلِ رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی
پردے پردے ہی میں کمبخت جو رسوا ہو جائے

حکایت ۸۲

مکّار پیر

کسی نے یہاں کے ایک مقیم بزرگ کو خط بھیجا تھا۔ کہ مولانا (اشرف علی) کے معمولات مجھ کو لکھ بھیجو۔ اس اطلاع پر فرمایا۔ کہ معمولات بزرگوں کے ہوتے ہیں میرے کیا معمولات ہوتے۔ نہ میرا کوئی معمول نہ مجھ میں کوئی کمال البتہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ اس کو خواہ کمال کہئے۔ فضیلت کہئے۔ کرامت کہئے۔ وہ یہ کہ اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ معلوم ہے اور بتلا بھی سکتا ہوں۔ بس اور مجھے کچھ نہیں آتا۔ نہ کچھ کرتا ہوں۔ (الافاضات الیومیہ ص ۱۵۸ ج ۱)

سبق

مولوی صاحب کی سادگی نہیں ہشیاری دیکھئے۔ آپ چلے تو فرمایا "معمولات تو بزرگوں کے ہوتے ہیں نہ میرا

کوئی معمول نہ مجھ میں کوئی کمال"۔ البتہ۔ اس البتہ سے اپنے کمال کا اظہار بھی شروع کر دیا۔ وہ یہ کہ اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ مجھے معلوم ہے۔ اور بتلا بھی سکتا ہوں۔ اس کو کمال کہتے فضیلت کہئے۔ کرامت کہئے۔ گویا مجھ میں کمال بھی ہے۔ فضیلت بھی ہے کرامت بھی ہے۔

اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ معلوم ہونا اور بتلانا اس سے بڑا کمال اور کیا ہو گا۔ اولاً مولوی صاحب کی کسر نفسی محض اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ہے۔ شاعر نے لکھا ہے ؎

کیوں بوریا نشین ہے زاہد
اس سے حرفِ ریا نکلتا ہے

اس طرح لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا یہ بھی مولوی صاحب کا ایک کمال ہے۔ اور اپنے ایسے ہی کمالات کی وجہ سے آپ خود ہی لکھتے ہیں۔

ایک صاحب کا خط آیا ہے کہ میں بہت دنوں سے حضرت والا سے بیعت کی درخواست کر رہا ہوں۔ مگر حضور ہمیشہ حیلہ حوالہ ہی کرتے رہے ہیں۔ میں نے جواب میں لکھ دیا ہے۔ ایسے مکار اور بے رحم پیر سے تعلق رکھنا ہی بے کار ہے۔ (الافاضات الیومیہ صفحہ ۱۵۱)

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً صاحبِ مکر و ریا سے

حکایت نمبر ۸۳

حکیم الامت کی فحش گوئی

خواجہ عزیز الحسن صاحب اشرف السوانح کے مولف لکھتے ہیں۔ کہ مولوی اشرف علی صاحب۔ لطیفوں بلکہ بیہودہ اور فحش فحش حکایتوں سے بھی وہ نتائج اور نصائح مستنبط فرما لیتے ہیں۔ کہ سبحان اللہ اور یہ لطائف و حکایات و تمثیلات کبھی مجمع کو رلا دیتی ہیں اور کبھی ہنسا دیتی ہیں۔ (اشرف السوانح صفحہ ۱۱۱)

حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ۔

مومن نہ طعنہ زن، نہ لعنت گر، نہ فحش گو اور نہ بدزبان ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۱۳)

دوسرے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا كَانَ الفُحشُ فِي شَيءٍ إلَّا شَانَهُ وَمَا كَانَ الحَيَاءُ فِي شَيءٍ إلَّا زَانَهُ۔

فحش گوئی جس چیز میں ہو اسے عیب ناک کر دیتی ہے اور حیا جس چیز میں ہو۔ اسے آراستہ کر دیتی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف صـ ۴۰۷)

مولوی اشرف علی صاحب بیہودہ بیہودہ لطیفوں اور فحش فحش حکایتوں سے مجمع کو جو ہنسایا کرتے تھے۔ اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنیے۔

إنَّ العَبدَ يَقُولُ الكَلِمَةَ لَا يَقُولُهَا إلَّا لِيُضحِكَ بِهِ النَّاسَ يَهوِي بِهَا أبعَدَ مِمَّا بَينَ السَّمَاءِ وَالأرضِ۔

بندہ جب لوگوں کو ہنسانے کے لیے بات کرتا ہے۔ تو اس کے سبب آسمان و زمین کے فاصلہ سے بھی زیادہ دوزخ کی پستی میں جا گرتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف صـ ۴۱۳)

اب آئیے حضرت حکیم الامت کے بیہودہ بیہودہ لطیفے اور فحش فحش حکایتیں سنیے۔ اور سر دھنیے۔ عوام کے اعتقاد کے متعلق ایک مثال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہ تو فحش مگر ہے بالکل چسپاں فرمایا کرتے تھے کہ عوام کے عقیدہ کی بالکل ایسی حالت ہے۔ کہ جیسے گدھے کا عضو مخصوص بڑھے تو بڑھتا ہی چلا جائے۔ اور جب غائب ہو تو بالکل پتہ ہی نہیں۔ واقعی عجیب مثال ہے۔ (الافاضات الیومیہ صـ ج ۴)

واقعی عجیب مثال ہے۔ معتقدین کو یہ مثال اپنے ذہن میں محفوظ رکھنی چاہیے۔ غائب نہ ہونے پائے اپنے ماموں جان کی دولت باطنی کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ماموں صاحب بولے کہ میں بالکل ننگا ہو کر بازار میں ہو کر نکلوں۔ اس طرح کہ ایک شخص تو آگے سے میرے عضو تناسل کو پکڑ کر کھینچے اور دوسرا پیچھے سے انگلی کرے ساتھ میں لڑکوں کی فوج ہو اور وہ یہ شور مچاتے جائیں بھڑوا ہے بھڑوا۔ بھڑوا ہے رے بھڑوا۔ اور اس وقت میں حقائق و معارف بیان کروں۔ (الافاضات الیومیہ صـ ۸۳ ج ۴)

بھانجے نے گدھے کے عضو مخصوص کا ذکر کیا۔ تو ماموں جان نے اپنا عضو مخصوص پیش کر دیا۔ کتنی وسیع النظری ہے ماموں اور بھانجے کی کہ کہاں کہاں جا پہنچی۔

شریعت کے احکام پر عمل کرنے سے سکون ملتا ہے۔ یہ بات بیان کرنے سے سمجھ میں نہیں آتی بلکہ عمل کرکے سمجھ میں آتی ہے۔ اس بات کو سمجھانے کے لئے فرماتے ہیں۔

ایک اندھے حافظ جی کی حکایت ہے گو فحش ہے مگر تفہیم کے لیے گوارا کی جاتی ہے کتب کے لڑکوں نے حافظ جی کو نکاح کی ترغیب دی کہ حافظ جی نکاح کرلو بڑا مزہ ہے۔ حافظ جی نے کوشش کرکے نکاح کیا۔ اور رات بھر روٹی لگا لگا کر کھائی۔ مزہ کیا خاک آتا۔ صبح کو لڑکوں پر خفا ہوتے ہوئے آئے۔ کہ سسرے کہتے تھے کہ بڑا مزہ ہے بڑا مزہ ہے۔ ہم نے روٹی لگا کر کھائی۔ ہمیں تو نہ نمکین معلوم ہوئی نہ میٹھی نہ کڑوی۔ لڑکوں نے کہا۔ حافظ جی مارا کرتے ہیں۔ آئی شب حافظ جی نے بیچاری کو خوب زدوکوب کیا دے جوتا دے جوتا۔ تمام محلہ جاگ اٹھا۔ اور جمع ہوگیا۔ اور حافظ جی کو برا بھلا کہا۔ پھر صبح کو گئے اور کہنے لگے کہ سسروں نے دق کردیا۔ رات ہم نے مارا بھی کچھ بھی مزہ نہ آیا۔ اور رسوائی بھی ہوئی۔ تب لڑکوں نے کھول کر حقیقت بیان کی کہ مارنے سے یہ مراد ہے۔ اب جو شب آئی تب حافظ جی کو حقیقت منکشف ہوئی۔ صبح کو جو آئے تو مونچھ کا ایک ایک بال کھل رہا تھا۔ اور خوشی میں بھرے ہوئے تھے۔ تو حضرت بعض کام کی حقیقت کرنے سے معلوم ہوتی ہے

(الافاضات الیومیہ ص ۷۱۲ ج ۴)

دیکھئے کس قدر فحش مثال ہے۔ مولوی صاحب خود بھی تسلیم کررہے ہیں۔ کہ
گو فحش ہے مگر تفہیم کے لیے گوارا کی جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آپ پڑھ چکے کہ مومن فحش گو نہیں ہوتا۔ مگر مولوی صاحب "گو فحش ہے" کہہ کر بھی تفہیم کے لیے اسے گوارا کررہے ہیں گویا تفہیم کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی بھی پروا نہ کرنا مولوی صاحب کو گوارا ہے۔

کوئی صاحب حکیم الامت سے پوچھ بیٹھے کہ حضرت! اللہ کا ذکر کرنے میں جو پہلے مزا آتا تھا۔ اب نہیں آتا۔ تو حکیم الامت اسے جواب دیتے ہیں۔

کہ میاں مزا تو مذی میں ہوتا ہے یہاں کہاں مزا ڈھونڈتے پھر رہے ہو۔

(الافاضات الیومیہ ص ۳۰۷ ج ۱)

مزید یہاں حکیم الامت کے لیے کیسا مزیدار جواب ہے۔ اس جواب پر اعتراض کر کے بدمزگی کیوں پیدا کی جائے؛

ایک مجلس میں حکیم الامت سامعین کو یہ حقیقت سمجھا رہے ہیں۔ کہ بعض بدکار لوگ بھی بڑے ذہین ہوتے ہیں اس سلسلہ میں آپ نے یہ مثال سنائی۔

ایک شخص پیران کلیر میں ایک عورت لے کر ایک مکان میں اپنا منہ کالا کر رہا تھا۔ اتفاق سے اور بھی مسافر آ گئے ان کو بھی ٹھہرنے کے لیے مکان کی ضرورت تھی۔ اس نے اس مکان کی اندر سے کنڈی لگا رکھی تھی۔ ان لوگوں نے دستک دی۔ تو آپ اندر سے کہتا ہے۔ کہ میاں یہاں جگہ کہاں۔ یہاں خود ہی آدمی پر آدمی پڑا ہے۔ دیکھ لیجیے کیسا سچا آدمی تھا جھوٹ نہیں بولا کیسی ذہانت کا جواب ہے۔ (الافاضات الیومیہ ص۵ ج۴)

حکیم الامت کی ذہانت کا بھی جواب نہیں۔ کہ بدکاروں کی ذہانت ذہن نشین کرانے کے لیے ایک ذہین بدکار کی مثال آپ کے ذہن میں آ گئی۔ جو آپ نے پیش فرما دی۔

بعض حقائق ایسے بھی ہیں جو زبان سے بیان نہیں کیے جا سکتے۔ اس سلسلہ میں حکیم الامت فرماتے ہیں۔

ایک اردو کی کتاب میں چند سہیلیوں کی حکایت لکھی ہے کہ ان میں آپس میں یہ عہد ہوا تھا کہ ہم میں سے جس کی شادی پہلے ہوگی۔ تو وہ اپنے سب حالات ظاہر کرے گی کہ کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک کی شادی ہو گئی۔ تو اس سے ان سہیلیوں نے دریافت کیا۔ کہ اپنا وعدہ پورا کرو۔ تو اس نے جواب دیا کہ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی کہ ؎

بیاہ یونہی جب تمہارا ہوئے گا
تب مزا معلوم سارا ہوئے گا

(الافاضات الیومیہ ص۲۳۳ ج۲)

حکیم الامت صاحب کس مزے سے مختلف مزے بیان فرما رہے ہیں۔ کبھی فرماتے ہیں۔ کہ مزا تو مذی میں ہے۔ کبھی اردو کی کتاب سے بیاہ کا مزا نقل فرما رہے ہیں۔ اور کبھی مکان کے اندر کنڈی لگا کر منہ کالا کرنے کا ذکر کر رہے ہیں۔ ایسی باتوں سے سامعین کے جذبات میں ہیجان پیدا کرنا کوئی کمال نہیں —— اس لئے کہ ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

حکیم الامت صاحب کا ایک اور مزے کا ارشاد سنیئے۔ فرماتے ہیں۔

ایک شخص میرے پاس آیا۔ اور کہا کہ میری تو ندبڑھی ہوئی ہے۔ ناپاکی کے بال کس طرح لوں۔ اور کہا کہ فلاں عالم نے میرے سوال پر یہ بتلایا کہ بیوی سے اتروایا کرو۔ جنہوں نے یہ بتلایا تھا بہت بڑے عالم ہیں۔ اس وجہ سے وہ شخص پریشان تھا۔ میں نے کہا کہ یہاں ایک لطیفہ ہے گو کثیفہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر بیوی خفا ہو جائے اور استرہ سے صفائی کر دے۔ تو بڑا مزا ہو۔

(الافاضات الیومیہ ص ۳۹۳ ج ۵)

یعنی یہ مزا ان مزوں سے بڑا مزہ ہو۔ سبحان اللہ کیا ہی مزیدار باتیں ہیں حکیم الامت کی۔ آجکل کے عقل پرستوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عقل کا ایک اقتضا تو یہ بھی ہے۔ جیسا ایک شخص نے کہا تھا وہ اپنی ماں سے بدکاری کیا کرتا تھا۔ کسی نے کہا کہ ارے خبیث یہ کیا حرکت ہے۔ تو کہتا ہے۔ کہ جب میں سارا ہی اس کے اندر تھا۔ تو اگر میرا ایک جزو اس کے اندر چلا گیا تو حرج کیا ہوا۔ یہ حکم بھی تو عقلیات میں سے ہو سکتا ہے۔ ایک شخص گوہ کھایا کرتا تھا۔ اور منع کرنے پر کہا کرتا تھا کہ جب یہ میرے ہی اندر تھا تو پھر اگر میرے ہی اندر چلا جاوے تو اس میں کیا حرج ہے۔ تو ان چیزوں کو عقل کے فتوی سے جائز رکھا جاوے گا۔

ان عقل پرستوں کی تردید اور کئی باتوں سے بھی ہو سکتی تھی۔ مگر جو انداز حکیم الامت کا ہے۔ اس کا مزا ہی کچھ اور ہے۔

نئی تہذیب اور آج کل کے جینٹلمین کا رد فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ ان کی ایسی مثال ہے جیسے بے حیا عورت کی حیا کی مثال۔ جس کا قصہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے مکان پر اس کو دریافت کرنے آیا۔ تو اس کی بیوی نئی بیاہی ہوئی تھی۔ زبان سے کیسے بولے۔ اور بتلانا ضرور تھا۔ اس لئے کہاتے ہے نہیں لہنگا اٹھا کر اور موت کر اس کو پھاند کر گئی۔ جس سے بتلا دیا کہ دریا پار گیا ہے۔ بس یہ شرم کی کہ منہ سے تو نہیں بولی اور شرمگاہ

دکھا دی۔ یہی حالت ہے آجکل کے ان نئے مہذبین اور ادب والوں کی۔

(الافاضات الیومیہ ص ۱۳۳ ج ۵)

دیکھ لیجئے۔ ہر مثال آپ کی ایک ہی مرکز کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ سچ کہا خواجہ عزیز الحسن نے کہ حکیم الامت۔

بیہودہ سے بیہودہ اور فحش فحش حکایتوں سے بھی وہ نتائج اور نصائح مستنبط فرما لیتے ہیں کہ سبحان اللہ! (اشرف السوانح ص ۱۱ ج ۱)

علماء کرام تو استنباط فرماتے ہیں تو قرآن و حدیث سے۔ مگر حضرت حکیم الامت استنباط فرماتے ہیں۔ تو بیہودہ بیہودہ اور فحش فحش حکایتوں سے۔ سچ ہے کہ

فکر ہر کس بقدرِ ہمت اوست

حکیم الامت کو یہ فحش گوئی کچھ اپنے اکابر سے بھی حاصل ہوئی ہے چنانچہ حکایات اولیاء میں حافظ محمد ضامن صاحب کے متعلق لکھا ہے۔ کہ

"حافظ صاحب کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک بار ندی پر شکار کھیل رہے تھے۔ کسی نے کہا حضرت ہمیں۔ آپ نے فرمایا۔ اب کے ماروں تیری"

(حکایات اولیاء ص ۲۴۷ حکایت نمبر ۲۱)

مولانا قاسم صاحب کی پھلجھڑی بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ایک دفعہ چھتے کی مسجد میں مولانا فیض الحسن صاحب استنجے کے لیے لوٹا تلاش کر رہے تھے اور اتفاق سے سب لوٹوں کی ٹونٹیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ فرمانے لگے۔ کہ تو بہ سارے لوٹے تو مخنث ہی ہیں۔ حضرت (مولانا قاسم صاحب) نے ہنس کر فرمایا۔ پھر آپ کو تو بڑا استنجا نہیں کرنا ہے۔ مگر یا مخنثوں سے کیا ڈر ہے۔ (حکایات اولیاء ص ۲۸۶ حکایت نمبر ۲۴۳)

حکیم الامت جن اکابر سے مستفید ہوئے۔ ان کے مذاق کا یہ عالم ہے۔ تو پھر حکیم الامت فحش گوئی کیوں نہ فرمائیں حکیم الامت کی ایک مشہور کتاب بہشتی زیور ہے یہ کتاب آپ نے صرف لڑکیوں کے لیے لکھی ہے۔ چنانچہ دیباچہ میں آپ لکھتے ہیں۔

مدت دراز سے اس خیال میں تھا۔ کہ عورتوں کو اہتمام کر کے علم دین گو اردو ہی میں کیوں نہ

سو ضرور سکھایا جائے۔ (بہشتی زیور ص ۳)

اور یہ بھی لکھا۔ کہ

جو احکام صرف مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں ان کو اس میں نہ لیا جاوے ص۴

مگر آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے۔ کہ اسی بہشتی زیور کے آخر میں ایک عنوان ہے۔

مردوں کے امراض

اس عنوان کے تحت جو جو کچھ لکھا گیا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ وہ ہمیں یہاں نقل کرتے ہوئے بھی شرم و حیا آتی ہے۔ اس عنوان کے تحت چند ذیلی عنوان ملاحظہ فرمایئے۔

جریان۔ سفوف مغلظ منی اور مسک۔ ضعف باہ اور سرعت کا بیان۔ حلوہ مقوی باہ مغلظ منی دافع سرعت کثرت خواہش نفسانی کا بیان۔ کثرت احتلام خصیہ کا اوپر چڑھ جانا۔ فوطے کا بڑھنا۔ پھر ان عنوانات کے تحت جس تفصیل کے ساتھ عضو مخصوص کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور مجامعت پر بحث کی گئی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوک شاستر پیش نظر ہے قارئین کرام بہشتی زیور کے گیارھویں حصہ کا صفحہ ۱۰ ملاحظہ فرمائیں۔ اسی صفحہ پر مردوں کے امراض کا عنوان ہے۔ آپ اسے اول سے آخر تک پڑھ جائیے۔ اور پھر خود ہی انصاف سے کہئے۔ کہ کیا یہ کتاب لڑکیوں کے پڑھنے کے لائق ہے۔

الغرض حکیم الامت کے متعلق اشرف السوانح میں خواجہ عزیز الحسن صاحب نے جو کچھ لکھا تھا کہ وہ بیہودہ بیہودہ اور فحش حکایتوں سے بھی وہ نتائج اور نصائح مستنبط فرما لیتے ہیں۔ کہ سبحان اللہ۔

وہ آپ نے دیکھ لیا کہ سو فیصد درست ہے۔ حضرت والا بیہودہ اور فحش باتیں کرنے میں واقعی مشاق ہیں۔ اور ان کے معتقدین ان کی فحش گوئی پر خوش ہو کہتے ہیں کہ سبحان اللہ! یہ سبحان اللہ کہنے کا بھی کیا اچھا موقعہ ہے۔ ایسے موقعہ پر سبحان اللہ کہنا بھی حکیم الامت کے متعلق شاگردوں ہی کو زیب دیتا ہے ؎

جب دیکھتے تھے مئے و معشوق پر نگاہ
باایں ہمہ ریاض بڑے پارسا بھی ہیں

دیوبندی حضرات کے قاسم العلوم والخیرات

مولانا محمد قاسم نانوتوی

کی

حکایات

حکایت نمبر ۸۴

شیعوں سے مقابلہ

مولوی محمد قاسم صاحب ایک ایسے گاؤں میں پہنچے۔ جہاں شیعوں کی کثرت تھی۔ شیعوں کو ان کی آمد کا علم ہوا انہوں نے ان کے وعظ کا اعلان کر دیا۔ اعلان سن کر شیعہ گھبرا گئے۔ انہوں نے لکھنؤ سے چار مجتہد بلائے۔ اور پروگرام یہ بنایا۔ کہ مجلس وعظ میں چاروں کونوں پر یہ چاروں مجتہد بیٹھ جائیں۔ اور چالیس اعتراضات منتخب کر کے دس دس اعتراض چاروں پر بانٹ دیئے گئے۔ اثنائے وعظ میں ہر ایک مجتہد الگ الگ اعتراض کرے اول فلاں سمت کا مجتہد دس اعتراض کرے۔ اس سے حضرت نمٹیں تو دوسرے کونہ کا اور پھر اسی طرح تیسرے اور چوتھے کونہ کا۔ اور اس طرح وعظ نہ ہونے دیا جائے یہ پروگرام بن گیا تو۔

اب غیبی امداد اور حضرت والا کی کرامت کا حال سنیئے۔ کہ حضرت نے وعظ شروع فرمایا جس میں گاؤں کی تمام شیعہ برادری بھی جمع تھی۔ اور وہ وعظ اسی ترتیب سے اعتراضوں کے جواب پر مشتمل شروع ہوا۔ جس ترتیب سے اعتراضات لے کر مجتہدین بیٹھے تھے گویا ترتیب کے مطابق جب کوئی مجتہد اعتراض کرنے کے لیے گردن اٹھاتا تو حضرت اسی اعتراض کو خود نقل کر کے جواب دینا شروع فرما دیتے یہاں تک کہ وعظ پورے سکون کے ساتھ پورا ہو گیا اور شیعوں کے ان مقررہ شبہات کے مکمل حل سے گاؤں کے شیعہ اس قدر مطمئن اور منشرح ہوئے کہ اکثریت نے توبہ کر لی اور سنی ہو گئے۔ (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۱۲)

سبق

یہ تو ہے مولوی قاسم صاحب کی کرامت کہ انہوں نے چاروں مجتہدوں کے چالیس اعتراضات کو جان لیا اور انہیں علم ہو گیا کہ ان چاروں کے دلوں میں کیا کیا اعتراضات ہیں۔ چنانچہ ان کے اعتراضات پیش کرنے سے پہلے ہی یہ ان کے اعتراض کو خود ہی نقل کر کے ان کا جواب دیتے رہے۔ اور ادھر دیوبندی حضرات کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان پکار پکار کر یوں کہہ رہی ہے کہ جو انبیاء و اولیاء ہیں۔

اس بات میں بھی ان کو بڑائی نہیں ہے کہ اللہ صاحب نے غیب دانی ان کے اختیار میں دے دی ہو کہ جس کے دل کا احوال جب چاہیں معلوم کر لیں یا جس غائب کا احوال

جب چاہیں معلوم کرلیں کہ وہ جیتا ہے یا مرگیا۔ یا کس شہر میں ہے۔ (تقویۃ الایمان ص۲۵)

اب کیا فرماتے ہیں علمائے دیوبند۔ کہ خدا نے جب کسی نبی ولی کو بھی غیب دانی کا اختیار نہیں دیا۔ کہ وہ جب چاہیں۔ کسی کے دل کا حال معلوم کریں۔ تو مولوی قاسم صاحب کو ان چاروں مجتہدوں کے دلوں کے حالات اور وہ اعتراضات جو وہ اپنے دلوں میں چھپا کر لائے تھے۔ کیسے معلوم ہو گئے؟ کیا یہ مفروضہ حضرات انبیاء کرام بالخصوص سید الانبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہی کے لیے ہے۔ اور دیوبندی علماء اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اگر یہی بات ہے۔ تو پھر آپ لوگوں کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ مولوی قاسم صاحب کا پڑھیئے۔ جو یہ بات بھی لکھ چکے ہیں۔ کہ

بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (تحذیر الناس ص۲۵ مطبوعہ قاسمی پریس دیوبند۔)

دیوبندی حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہو کر اپنے مولویوں کا کلمہ پڑھا بھی ہے چنانچہ مولوی اشرف علی صاحب کا ایک مرید تھانوی صاحب کو لکھتا ہے کہ

خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ حضور (اشرف علی) کا نام لیتا ہوں۔

(یعنی یوں پڑھتا ہوں لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ) اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا۔ کہ مجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف کے پڑھنے میں اس کو صحیح پڑھنا چاہیئے۔ اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں۔ دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جاوے لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے۔

اس کے بعد لکھتا ہے۔ کہ خواب سے بیدار ہوا تو

دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں۔ لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا و مولانا اشرف علی۔ حالانکہ اب بیدار ہوں۔ خواب نہیں لیکن بے اختیار ہوں مجبور ہوں زبان اپنے قابو میں نہیں۔

(رسالہ الامداد ص۳۵ بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ مطبع امداد المطابع تھانہ بھون)

ایک مسلمان کی ایسا کلمہ اور ایسا درود شریف سن کر روح کانپ اٹھتی ہے۔ اور مومن کا ایمان ایسے کلمہ و درود کو ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ مرزا قادیانی نے جب "محمد رسول اللہ" کو اپنا الہام بتا کر اپنا نام یہی رکھا۔ تو دنیائے اسلام نے اس پر کفر و ارتداد کا فتویٰ لگایا۔ مگر جناب مولوی اشرف علی صاحب محمد رسول اللہ کی جگہ اپنا نام دیکھ کر مطلق نہیں گھبرائے بلکہ خوش ہوئے۔ اور اپنے مرید کو اطمینان دلایا۔ اور تسلی دی۔ کہ تم سے کوئی کفر صادر نہیں ہوا۔ بلکہ

اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔

(حوالہ مذکورہ)

حالانکہ مولوی صاحب کا فرض تھا۔ کہ وہ اپنے اس مرید کو ڈانٹتے اور کہتے کہ کیوں اپنے ایمان کے ساتھ میرے ایمان کا بھی بیڑہ غرق کرنے لگے ہو۔ توبہ کرو۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ کوئی نصیحت نہیں کی۔ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کی۔ کہ گھبراؤ نہیں میں متبع سنت ہوں۔

ایک پاکستانی صدر ضیاء الحق کو لکھے۔ کہ میں نے خواب میں اپنا قومی ترانہ پڑھنا چاہا۔ مگر بجائے اپنے قومی ترانہ کے ہندوستانی قومی ترانہ پڑھنے لگا۔ بہت چاہا کہ اپنا قومی ترانہ پڑھوں مگر بے ساختہ ہندوستانی ترانہ منہ سے نکل جاتا تھا۔ بیدار ہوا۔ تو اس غلطی کا تدارک کرنے کے لیے میں نے "پاکستان زندہ باد" کا نعرہ لگانا چاہا۔ مگر منہ سے بے ساختہ "جے ہند" کا نعرہ نکل گیا۔ پھر میں نے آپ کے نام کا نعرہ لگانا چاہا کہ کہوں صدر ضیاء الحق زندہ باد۔ مگر منہ سے بے ساختہ راجیو گاندھی زندہ باد نکل گیا۔ صدر ضیاء الحق ایسے برائے نام پاکستانی کا یہ لکھا پڑھ کر کیا خوش ہوں گے؟ اور اسے ان لفظوں میں تسلی دیں گے۔ کہ گھبراؤ نہیں۔

اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس ملک میں تم رہتے ہو۔ وہ ہندوستان کے ساتھ دوستی کا خواہاں ہے۔ اور میرے نام کے بجائے تم جو راجیو گاندھی کا نام لے کر نعرہ لگاتے ہو۔ اس میں تسلی ہے۔ کہ میں راجیو گاندھی کا بہی خواہ ہوں۔

یا اسے یہ جواب دیں گے۔ کہ تم بظاہر پاکستانی اور بباطن کٹر کانگریسی ہو۔ ابو الکلام اور حسین احمد کے دلدادہ ہو۔ پاکستان میں رہ کر پاکستان سے غداری کر رہے ہو۔ تم غدار ہو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ خواب میں بھی ہندوستانی ترانہ گاتے ہو۔ اور بیداری میں بھی جے ہند کے نعرے لگاتے ہو۔

الغرض کفر و ایمان کے بارے فتوے اہل سنت ہی کے لیے ہیں۔ دیوبندی حضرات ان سے

سکتے ہیں۔ دلوں کے حالات کوئی نبی ولی، پیر شہید بھوت پریت نہیں جانتا۔ ہاں دیوبندی علماء جان لیتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ تو بھوت پریت ہیں نہ پیر شہید۔ اور نہ نبی ولی سے

کہتے ہیں اہل ہوش جب افسانہ آپ کا
ہنستا ہے دیکھ دیکھ کے دیوانہ آپ کا

حکایت ۸۵

مار ڈالا

پچھلی حکایت آپ پڑھ چکے۔ یہ حکایت بھی اسی حکایت سے متعلق ہے۔ یا اس کا بقیہ سمجھ لیجئے۔
مولوی قاسم صاحب جب چاروں مجتہدوں کے چھپے ہوئے اعتراضات کا جواب دے چکے۔ تو

"مجتہدین اور مقامی شیعہ چودھریوں کو اس میں اپنی انتہائی سبکی اور خفت محسوس ہوئی۔ تو انہوں نے حرکت مذبوحی کے طور پر اس شرمندگی کو مٹانے اور حضرت والا کے اثرات کا ازالہ کرنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ ایک نوجوان لڑکے کا فرضی جنازہ بنایا۔ اور حضرت سے آ کر عرض کیا۔ کہ حضرت نماز جنازہ آپ پڑھا دیں۔ پروگرام یہ تھا۔ کہ جب حضرت دو تکبیریں کہہ لیں۔ تو صاحب جنازہ اک دم اٹھ کھڑا ہو۔ اور اس پر حضرت کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا جاوے۔ حضرت والا نے معذرت فرمائی۔ کہ آپ لوگ شیعہ ہیں۔ اور میں سُنّی۔ اصول نماز الگ الگ ہیں۔ آپ کے جنازہ کی نماز مجھ سے پڑھوانے میں جائز کب ہو گی؟ شیعوں نے کہا کہ حضرت بزرگ ہر قوم کا بزرگ ہی ہوتا ہے۔ آپ تو نماز پڑھا ہی دیں۔ حضرت نے ان کے اصرار پر منظور فرما لیا۔ اور جنازہ پر پہنچ گئے۔ مجمع تھا۔ حضرت ایک طرف کھڑے ہوئے تھے۔ کہ چہرے پر غصہ کے آثار دیکھے گئے۔ آنکھیں سرخ تھیں اور انقباض چہرے سے ظاہر تھا۔ نماز کے لیے عرض کیا گیا۔ تو آگے بڑھے۔ اور نماز شروع کی۔ دو تکبیریں کہنے پر جب طے شدہ پروگرام کے مطابق جنازہ میں حرکت نہ ہوئی تو پیچھے سے کسی نے "ہوں ہوں" کے ساتھ صاحب جنازہ کو اٹھ کھڑے ہونے کی ہنکاری دی۔ مگر وہ نہ اٹھا۔ حضرت نے تکبیرات اربعہ پوری کر کے اسی غصہ کے لہجہ میں فرمایا کہ اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اٹھ سکتا۔ دیکھا گیا۔ تو مردہ تھا۔ شیعوں میں رونا پیٹنا پڑ گیا۔ (سوانح قاسمی ص ۲ ج ۲)

سبق

اس حکایت میں یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ مولوی قاسم صاحب کو اس فرضی جنازہ کا علم ہو گیا۔ اور مردہ

جان گئے۔ کہ میرے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے کے لیے شیعوں نے یہ ڈھونگ رچایا ہے۔ چنانچہ جب وہ جنازہ پر پہنچے۔ تو چہرے پر غصے کے آثار دیکھے گئے۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں گو انہیں علم ہو چکا تھا۔ کہ صاحب جنازہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے۔ پھر آپ نے جب اس کا جنازہ پڑھوایا۔ تو صاحب جنازہ نے ... کی سنکاری سے بھی حرکت نہ کی تو مولوی قاسم صاحب نے نماز جنازہ پوری کر کے فرمایا۔ کہ اب یہ قیامت ... سے پہلے نہیں اٹھ سکتا۔ گویا آپ نے اس زندہ شیعہ کو اپنے اختیار و تصرف سے مار ڈالا۔

سوانح قاسمی کے مولف رئیس القلم حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے اس حکایت میں مولوی قاسم میں خدائی صفات ثابت کر کے یہ بتایا ہے کہ مولوی قاسم صاحب جسے چاہتے تھے مار ڈالتے تھے۔ اُدھر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے متعلق مولوی محمود حسن صاحب اپنے مرثیہ میں لکھتے ہیں ؎

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا

اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم — مرثیہ محمود حسن ص۳۳

گویا اگر مولوی قاسم صاحب زندوں کو مار ڈالتے تھے۔ تو مولوی رشید احمد مردوں کو زندہ کر لیا کرتے تھے۔ قرآن پاک میں خدا فرماتا ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ هُوَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ۔

یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ اور اللہ ہی وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ خدا تو یہ فرماتے۔ اور دیوبندی علماء یہ دونوں صفتیں اپنے دو مولویوں میں ثابت کریں۔ اور شرک کے فتوے لگائیں اہل سنت پر۔ حالانکہ یہ لوگ اپنی ہی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کے فتویٰ کے مطابق خود مشرک بن چکے ہیں۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل صاحب کا فتویٰ سنیئے لکھتے ہیں۔

عالم میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء و اولیاء کی پیر و مرشد کی بھوت و پری کی یہ شان نہیں۔ جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے۔ سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص۱۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

اور اس بات کی ان میں کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے ان کو عالم میں تصرف کرنے کی کچھ قدرت دی ہو۔ کہ جس کو چاہیں مار ڈالیں۔ (تقویۃ الایمان ص۲۸)

ناظرین کرام! تقویۃ الایمان کا یہ وعظ صرف ان مسلمانوں کے لیے ہے جو تصرف کی یہ قوت انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام میں مانتے ہیں۔ مسلمان اگر کسی نبی یا ولی میں یہ قوتِ تصرف مانیں تو شرک۔ اور خود ہی حضرات اگر یہ قوت تصرف اپنے مولویوں میں مانیں۔ تو عین توحید ہے

ہم جو چپ ہوں تو بنیں سودائی
شیخ چپ ہوں تو توکل ٹھہرے

حکایت ۸۷

مناظرہ

ایک دیو بندی طالب علم، پنجاب کی طرف کسی علاقہ میں چلا گیا۔ اور کسی قصبہ کی مسجد میں لوگوں نے ان کو امام کی جگہ دے دی۔ قصبہ والے ان سے کافی مانوس ہو گئے۔ اور اچھی گذر بسر ہونے لگی۔ اسی عرصہ میں کوئی مولوی صاحب گشت کرتے ہوئے اس قصبہ میں بھی آ گئے۔ وعظ و تقریر کا سلسلہ شروع کیا۔ لوگ ان کے کچھ معتقد ہو گئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ یہاں کی مسجد کا امام کون ہے جو کہا گیا کہ دیو بند کے پڑھے ہوئے ایک مولوی صاحب ہیں۔ دیو بند کا نام سننا تھا کہ واعظ مولانا صاحب آگ بگولا ہو گئے۔ اور فتویٰ دے دیا کہ اس عرصہ میں جتنی نمازیں اس دیو بندی کے پیچھے تم لوگوں نے پڑھی ہیں۔ وہ سرے سے ادا ہی نہیں ہوئیں۔ اور جیسا کہ دستور ہے۔ دیو بندی یہ ہیں۔ وہ ہیں۔ یہ کہتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ اسلام کے دشمن ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

قصباتی مسلمان بے چارے سخت حیران ہوئے۔ کہ مفت میں اس مولوی پر روپے بھی برباد ہوئے اور نمازیں بھی برباد ہوئیں۔ ایک وفد اس غریب دیو بندی امام کے پاس پہنچا۔ اور دستہ بستہ عرض کیا۔ کہ مولانا واعظ صاحب جو ہمارے قصبہ میں آئے ہیں۔ ان کے جو الزامات ہیں۔ یا تو ان کا جواب دیجئے۔ ورنہ پھر بتائیے کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ کیا کریں جان بھی غریب کی خطرے میں آ گئی۔ اور نوکری ووکری کا قصہ تو ختم شدہ ہی معلوم ہونے لگا چونکہ علمی مواد بھی ان کا معمولی تھا۔ خوف زدہ ہو گئے کہ خدا جانے یہ واعظ مولانا صاحب کس پائے کے عالم ہیں۔ منطق و فلسفہ بگھاریں گے اور میں غریب اپنا سیدھا سادھا ملا ہوں۔ ان سے بازی لے بھی جا سکتا ہوں یا نہیں، تاہم چارہ کار اس کے سوا اور کیا تھا۔ کہ مناظرہ کا وعدہ ڈرتے ڈرتے کر لیا۔ تاریخ اور مقام و محل سب کا مسئلہ طے ہو گیا۔ واعظ مولانا صاحب بڑا زبردست عمامہ طویل و عریض سر پہ لپیٹے ہوئے کتابوں کے پشتارے

کے ساتھ مجلس میں اپنے حواریوں کے ساتھ جلوہ فرما ہوئے۔ ادھر یہ غریب دیوبندی امام منحنی وضعیف مسکین آواز۔ مسکین شکل خوف زدہ۔ لرزاں و ترساں بھی اللہ اللہ کرتے ہوئے سامنے آیا۔ سننے کی بات یہی ہے۔ جو اس کے بعد اس دیوبندی امام مولوی نے مشاہدہ کے بعد بیان کی کہتے تھے۔ کہ مولانا واعظ کے سامنے میں بھی بیٹھ گیا۔ ابھی گفتگو شروع نہیں ہوئی تھی مگر اچانک اپنے بازو میں مجھے محسوس ہوا۔ کہ ایک شخص اور جسے میں نہیں پہچانتا تھا۔ وہ بھی آکر بیٹھ گیا ہے اور مجھ سے وہ اجنبی اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کہتی ہے۔ کہ ہاں گفتگو شروع کرو۔ اور ہرگز نہ ڈرو۔ دل میں غیر معمولی قوت اس سے پیدا ہوئی۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ دیوبندی امام صاحب کا بیان ہے۔ کہ میری زبان سے کچھ فقرے نکل رہے تھے اور اس طور پر نکل رہے تھے کہ میں خود نہیں جانتا تھا۔ کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ جس کا جواب مولانا واعظ صاحب نے ابتداء میں تو دیا۔ لیکن سوال وجواب کا سلسلہ ابھی زیادہ دراز بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ ایک دفعہ مولانا واعظ صاحب کو دیکھتا ہوں کہ اٹھ کھڑے ہوئے میرے قدموں پر سر ڈالے ہوئے رو رہے ہیں۔ پگڑی بکھری ہوئی ہے۔ اور کہتے جاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا۔ کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں۔ للہ معاف کیجئے۔ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہی صحیح اور درست ہے میں ہی غلطی پر تھا۔

(سوانح قاسمی صفحہ ۳۲۰ ج ۱)

سبق

کوئی دیوبندی مولوی یا طالب علم جس قصبہ میں پہنچ جاتے۔ وہاں ایک نہ ایک دن شور ضرور مچتا ہے اور مسلمانوں میں انتشار ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جس قصبہ میں یہ دیوبندی طالب علم پہنچا۔ کچھ دنوں کے بعد وہاں بھی شور مچا۔ اور مناظرہ تک نوبت جا پہنچی۔ واعظ مولانا صاحب وہاں پہنچے۔ تو دیوبندی امام کا سن کر آگ بگولہ ہو گئے۔ اور

جیسا کہ دستور ہے۔

دیوبندی یہ ہیں وہ ہیں۔ اسلام کے دشمن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ ہیں۔ کہنے لگے۔ ملک میں مدرسے اور بھی ہیں۔ مگر یہ بدنامی مدرسہ دیوبندی کو حاصل ہے کہ اس کے متعلق یہ دستور بن گیا ہے کہ جو دیوبندی ہو اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ دشمن اسلام اور گستاخ رسول ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ مدرسہ دیوبند کے عقائد کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان ہے۔ اور اس کتاب کے مصنف مولوی اسمٰعیل نے خود لکھا ہے۔ کہ

میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی (حکایات اولیاء ص)

اس کتاب میں انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام کی بڑی بے باکی سے گستاخیاں درج ہیں۔ اور بڑی دلیری سے جمہور مسلمین کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ اکابر دیوبند نے اس کتاب کی تعریف کی اور اسے نہایت عمدہ کتاب اور قرآن و حدیث کے مطابق لکھ کر اپنایا۔ اس لیے کوئی دیوبندی مولوی جہاں بھی پہنچے گا۔ تقویۃ الایمانی خیالات لے کر پہنچے گا۔ تو لازماً وہاں شورش بھی ہوگی۔ اور مسلمانوں کو مشرک بھی بنایا جائے گا۔ اور پھر وہاں مناظرہ تک کی نوبت بھی آ پہنچے گی۔ چنانچہ جہاں یہ دیوبندی طالب علم پہنچا۔ وہاں بھی یہی کچھ ہوا۔

حکایت میں مناظرہ کی جو کیفیت درج ہے۔ وہ ان حضرات کے اپنے ہی عقائد کے سراسر خلاف ہے دیوبندی طالب علم جب مناظرہ کے لیے بیٹھا۔ تو اچانک اس کے بازو میں ایک اجنبی شخص آ بیٹھا۔ اور اس نے دیوبندی طالب علم سے کہا ڈرو نہیں۔ اور گفتگو شروع کرو۔ یہ اجنبی شخص صرف دیوبندی طالب علم کو نظر آ رہا تھا۔ دوسروں کو نظر نہیں آیا۔ ورنہ واعظ مولانا کہتے۔ کہ یہ دوسرا شخص تمہارے پاس کون آ بیٹھا ہے یہ اجنبی شخص گویا دیوبندی طالب علم کے اندر حلول کر گیا۔ زبان دیوبندی طالب علم کی تھی۔ اور کلام اجنبی شخص کر رہا تھا۔ چنانچہ دیوبندی طالب علم کا بیان ہے۔ کہ

> میری زبان سے کچھ فقرے نکل رہے تھے اور اس طور پر نکل رہے تھے کہ میں خود نہیں جانتا تھا۔ کہ کیا کہہ رہا ہوں۔

جیسے کسی پر جن آ جائے۔ تو اس میں ایک غیر معمولی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور بظاہر بولتا وہ ہے۔ لیکن اصل میں جن بولتا ہے۔ کچھ یہی صورت یہاں بھی تھی۔ کہ بول دیوبندی طالب علم رہا تھا۔ لیکن اصل میں وہ اجنبی شخص بول رہا تھا اس اجنبی شخص نے آ کر دیوبندی طالب علم کی کایا ہی پلٹ دی۔ اور اسے مغلوب نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اسے ایسی فتح دلا دی۔ کہ واعظ مولانا صاحب اس کے قدموں میں گر کر رونے لگے اور اس سے معافی مانگنے لگے۔

یہ اجنبی شخص تھے کون؟ آگے چل کر سید مناظر احسن گیلانی مولف سوانح قاسمی لکھتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن فرماتے تھے میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت

گیا۔ کہ اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کا حلیہ کیا تھا۔ حلیہ جو بیان کیا۔ فرماتے تھے کہ سنتا جاتا تھا اور حضرت الاستاذ (مولوی محمد قاسم صاحب) کا ایک ایک خال وخط نظر کے سامنے آتا چلا جا رہا تھا جب وہ بیان ختم کر چکے تو میں نے ان سے کہا۔ کہ یہ تو حضرت الاستاذ (مولوی محمد قاسم) رحمۃ اللہ علیہ تھے جو تمہاری امداد کے لئے حق تعالےٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے۔

(سوانح قاسمی ج۱ ص۳۳۲)

یعنی دیوبندی طالب علم کی شکل کے وقت امداد کے لئے فوراً پہنچ جانے والے مولوی محمد قاسم صاحب تھے۔ جو اپنے اصلی روپ میں دیوبندی طالب کے بازو میں آ بیٹھے۔

مولوی محمد قاسم صاحب نے ہشیاری سے کام لیا۔ اور خود کو صرف دیوبندی طالب علم کے سامنے ظاہر کیا اور دوسروں سے غائب رہے، اگر واعظ مولانا صاحب کو بھی نظر آجاتے۔ تو وہ یقیناً ان سے پہلا سوال یہ کرتے۔ کہ مولوی قاسم صاحب! آپ تو مر کر مٹی میں مل چکے تھے۔ یہ اپنے جسم اور اصل شکل وصورت میں آپ یہاں کیسے آگئے۔ آپ کا یہ دیوبندی طالب علم بری شکل میں تھا۔ خوف زدہ۔ لرزاں و ترساں برے حال میں تھا۔ ایسے بُرے وقت میں امداد کے لئے پہنچنا تو اللہ کی شان ہے۔ چنانچہ تقویۃ الایمان میں بھی لکھا ہے۔ کہ

بُرے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء اولیا کی پیر و شہید کی بھوت و پری کی یہ شان نہیں۔ (تقویۃ الایمان ص۱۱)

باوجود اس کے آپ یہاں کیسے پہنچ گئے۔ اس کے بُرے وقت میں اس کی امداد کرنے یہاں پہنچ کر آپ نے اس کی مدد تو کر دی۔ مگر تقویۃ الایمان کا گلا گھونٹ دیا۔ اور اسے مٹی میں ملا دیا۔ واعظ مولانا کے اس سوال سے مولوی قاسم صاحب کی آپ بیتی پر جاتی۔ اس لئے آپ نے خود کو دیوبندی طالب علم کے سوا کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ واعظ مولانا تو یہ سوال نہ کر سکے۔ مگر ہمارا سوال دیوبندی حضرات سے ضرور ہے۔ کہ وہ بتائیں۔ کہ مولوی قاسم صاحب کو اپنی قبر میں یہ کیسے علم ہو گیا۔ کہ فلاں قصبہ میں ایک دیوبندی طالب علم مشکل میں ہے۔ اس کا ایک مولانا سے مناظرہ ہونے والا ہے۔ اور وہ سخت خوف زدہ لرزاں و ترساں ہے۔ اور پھر غیب کا یہ علم ہونے کے بعد مولوی صاحب فوراً اپنی قبر سے کیسے نکلے۔ اور اپنی اصلی شکل وصورت میں طالب علم کی مدد کرنے کے لیے آناً فاناً وہاں کیسے پہنچ گئے۔ اور پھر انہیں یہ تصرف

بھی حاصل تھا تو کیسے ہو کہ اپنی اصلی شکل وصورت صرف دیوبندی طالب علم پر ظاہر کی۔ اور دوسروں سے غائب ہی رہے۔ ہے کوئی جو ہمارے اس سوال کا جواب دے؟

دیوبندی حضرات کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کا اعلان یہ ہے۔ کہ

مرادیں پوری کرنا حاجتیں برلانی۔ بلائیں ٹالنی۔ مشکل میں دستگیری کرنی۔ برے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء واولیاء کی۔ پیرو شہید کی۔ بھوت وپری کی یہ شان نہیں۔ (تقویۃ الایمان ص۱۱)

یعنی کسی نبی ولی اور پیرو شہید میں زندہ ہو یا وصال فرمودہ مراد پوری کرنے۔ حاجت برلانے۔ بلا ٹالنے مشکل میں دستگیری کرنے اور برے وقت میں مدد کے لیے پہنچنے کی کوئی طاقت نہیں۔ اور حکایت میں یہ سنایا جا رہا ہے۔ کہ مولوی محمد قاسم صاحب مرنے کے بعد بھی ایک مشکل میں پھنسے ہوئے۔ خوف زدہ۔ لرزاں وترساں طالب علم کی مدد کے لئے آپہنچے۔ اور اس کی بلا بھی ٹال گئے۔ اور اس کی حاجت بھی پوری کر گئے۔ اس مشکل کو سوانح قاسمی کے مولف سید مناظر احسن گیلانی نے جس طرح حل فرمایا ہے۔ وہ بھی پڑھنے سننے کے لائق ہے۔ لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلہ میں علماء دیوبند کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہلسنت والجماعت کا ہے۔ آخر جب ملائکہ جیسی روحانی ہستیوں سے خود قرآن ہی میں ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی امداد کراتے ہیں۔ صحیح حدیثوں میں ہے کہ واقعہ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تخفیف صلوٰت کے مسئلہ میں امداد ملی۔ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں بشارتیں ملیں تو اسی قسم کی ارواح طیبہ سے کسی مصیبت زدہ مومن کی امداد کا کام قدرت اگر لے تو قرآن کی کس آیت یا کس حدیث سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ آدمی کو عام طور پر جو امداد بھی مل رہی ہے۔ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات ہی سے تو یہ امدادیں پہنچا رہے ہیں۔ روشنی آفتاب سے ملتی ہے۔ دودھ ہمیں گائے اور بھینس سے ملتا ہے۔ یہ تو ایک واقعہ ہے۔ بھلا یہ بھی انکار کرنے کی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ ہاں سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کے امدادی پہلوؤں سے استفادہ یا ان کے نقصان رساں پہلوؤں سے بچنے کی قدرتی راہ کیا ہے۔

مشرک قوموں کا طریقہ کار یہ ہے۔ کہ بجائے امداد پہنچانے والی حقیقی قوت کے امداد کے ان ذرائع اور وسائط ہی کو پوجنے لگتی ہیں۔ مثلاً روشنی کے لیے آفتاب کو پوجتی ہیں۔ یا زہر سے بچنے کے لیے سانپ کو پوجتی ہیں۔ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ کہ نفع ہو یا نقصان خواہ بلا واسطہ پہنچے یا بالواسطہ ہر حال میں سب کو اسی کی طرف سے سمجھتے ہیں جو ان ذرائع اور وسائط سے نفع اور نقصان کی صورتوں کو پیدا کر رہا ہے ہم دودھ کے لیے بھینس یا گائے کو نہیں پوجتے بلکہ اسکو پڑھتے ہیں۔ اس سے مانگتے ہیں۔ جو گوشت کی ان تھیلیوں میں دودھ پیدا کرتا ہے پس بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں۔ (حاشیہ سوانح قاسمی صفحہ ۳۳۲)

"الفضل ما شہدت بہ الاعداء" کے مطابق اس ساری تحریر میں ساری باتیں وہ لکھی گئی ہیں۔ جو دیوبندی حضرات کو ہم سنایا کرتے ہیں۔ آج مولوی محمد قاسم صاحب کی اس حکایت کو ثابت کرنے کے لیے انہیں وہی راہ اختیار کرنی پڑی۔ جو اہل سنت کی راہ ہے۔ انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ

سچ تو یہ ہے کہ آدمی کو عام طور پر جو امداد بھی مل رہی ہے حق تعالیٰ اپنی مخلوقات ہی سے تو یہ امدادیں پہنچا رہے ہیں۔

یہ حقائق لکھنے کے بعد بزرگوں کی ارواح سے امداد لینے کے متعلق یہ لکھا کہ

قرآن کی کس آیت یا کس حدیث سے اس کی تردید ہوتی ہے؟

یہ سوال ہم سے نہیں۔ خود دیوبندی حضرات سے ہے۔ جن کا تقویۃ الایمان کے اس وعظ پر ایمان ہے کہ

مرادیں پوری کرنا حاجتیں برلانی۔ بلائیں ٹالنی۔ مشکل میں دستگیری کرنی۔ برے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے۔ اور کسی انبیاء و اولیاء کی۔ پیر و شہید کی بھوت پری کی یہ شان نہیں۔ (تقویۃ الایمان صفحہ ۱۱)

الحمد للہ۔ مولوی محمد قاسم صاحب کے اس واقعہ کو کسی نہ کسی طرح ثابت کرنے کے لیے انہیں یہ لکھنا ہی پڑا کہ

بس بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں۔

یہ بھی بزرگان دین کی ایک کرامت ہے۔ کہ ان کے قلم سے وہ بات لکھوا کر شائع کرادی۔

جو ان کے اپنے ہی مسلک کے سو فیصد خلاف ہے۔

شکر ہے داغ کامیاب ہوا
حق تعالیٰ بھلا کرے سب کا

حکایت نمبر ۸۷

تو زندہ ہے واللہ

مولوی احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی۔ اور اس لیے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمت اور منازعت کی صورت اختیار کرلی۔ اور مولانا محمود حسن صاحب کو اصل جھگڑے میں نہ شریک تھے نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی۔ مگر صورت حالات ایسی پیش آئی۔ کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے۔ اور یہ واقعہ کچھ طول پکڑ گیا۔ اسی دوران میں ایک دن علی الصباح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود حسن صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا جو دارالعلوم دیوبند میں ہے۔ مولانا حاضر ہوئے۔ اور بند حجرے کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ موسم سخت سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ پہلے میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا۔ اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ ہے۔ کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور میرا لبادہ تر بتر ہو گیا۔ اور یہ فرمایا۔ کہ محمود حسن کو کہہ دو۔ کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ پس میں نے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا۔ کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں۔ کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔" (حکایات اولیاء صفحہ ۲۸۶ حکایت نمبر ۲۴۶)

سبق

اس حکایت میں بتایا گیا ہے۔ کہ مولوی قاسم صاحب نے اپنی وفات کے بعد جب دیکھا کہ مدرسہ دیوبند کے مدرسین میں جھگڑا پیدا ہو گیا ہے۔ اور اس جھگڑے میں مولانا محمود حسن بھی کود پڑے ہیں۔ تو آپ اپنی قبر سے جسد عنصری کے ساتھ باہر نکلے۔ اور اپنی اصلی شکل وصورت میں مدرسہ دیوبند کے بند حجرے میں مولانا رفیع الدین کے پاس پہنچے۔ اور مولانا محمود حسن کو اس جھگڑے میں غیر جانبدار رہنے کا پیغام دے گئے۔ مولانا رفیع الدین نے مولانا قاسم کو زندوں کی طرح اپنے پاس آتے دیکھا۔ تو ڈر کے مارے پسینہ

پسینہ ہو گئے۔ اور بیادہ تر بتر ہو گیا۔

ایک بات تو اس سے یہ ثابت ہوئی کہ مولوی قاسم صاحب کو اپنی قبر میں اس بات کا علم ہو گیا کہ مدرسہ دیو بند کے مدرسین میں جھگڑا پیدا ہو گیا ہے۔ اور مولانا محمود حسن بھی اس جھگڑے میں کود پڑے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ مولوی صاحب مرنے کے بعد مٹی میں نہیں مل گئے تھے۔ بلکہ اسی جسم کے ساتھ موجود تھے جس جسم کے ساتھ وہ مولانا رفیع الدین کے پاس آپہنچے۔ اور مولانا ڈر کے مارے پسینہ پسینہ ہو گئے۔

اب کون ہے جو اس حقیقت کا انکار کر سکے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں بجسدہ شریف زندہ ہیں اور اپنی ساری امت کے احوال و اعمال سے ہر وقت باخبر ہیں۔ آپ سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ مولوی قاسم صاحب جو محض ایک مولوی ہیں۔ اگر وہ اپنی قبر میں بجسدہ زندہ ہیں۔ اور مدرسہ دیو بند کے جملہ حالات سے باخبر ہیں۔ اور مولانا محمود حسن کو اس جھگڑے سے بچانے کے لیے بجسدہ العنصری مدرسہ دیو بند پہنچ سکتے ہیں۔ تو جو ساری کائنات کے آقا و مولیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ کیوں اپنی ساری امت کے حالات سے باخبر نہیں؟ اور مشکل کے وقت اپنے کسی غلام کو بچانے کی خاطر کیوں تشریف نہیں لا سکتے؟ اسی لیے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ علیہ نے فرمایا ہے ؎

فریاد امتی جو کرے حال زار کی
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

تقویۃ الایمان میں مولوی اسمٰعیل صاحب نے یہ لکھ دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔ کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں (معاذ اللہ) (تقویۃ الایمان ص ۶۹)

اور دوسرے مقام پر لکھا۔ کہ حضور نے خود فرمایا ہے کہ

میری قدرت کا تو حال یہ ہے کہ اپنی جان تک کے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ دوسرے کا تو کیا کر سکوں۔ (تقویۃ الایمان ص ۲۸)

حالانکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہرگز نہیں فرمایا۔ مگر دیو بندی حضرات کی بنیادی کتاب یہی کہہ رہی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو یہ عقیدہ اور اپنے مولوی قاسم کے لیے یہ کہ وہ قبر میں بجسدہ زندہ ہیں۔ اور دوسروں کو نفع پہنچانے کے لیے قبر سے نکل کر آ بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ حکایت میں یہی مذکور ہے۔ کہ مولوی قاسم صاحب زر شکل و صورت میں مدرسہ دیو بند میں صرف اس لیے آئے کہ

انہیں وہاں کے جھگڑے کا قبر میں علم ہو گیا تھا۔ اور وہ مولانا محمود حسن کو اس جھگڑے سے بچانے کا نفع پہنچانے کے لیے آئے تھے۔

مولوی اسمٰعیل صاحب نے تو یہ لکھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اور یہی عقیدہ دیوبندی حضرات کا ہے۔ اس لیے کہ ان کی بنیادی کتاب یہی بتا رہی ہے۔

مگر مولوی اشرف علی صاحب کچھ اور فرما رہے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب سے۔

ایک مولوی صاحب نے عرض کی کہ حضرت شیطان بھی آپ کا بڑا ہی دشمن ہے۔ جس قدر تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے دشمنی ہوگی۔ اتنی ایسے حضرت سے ہے۔ یہ حضرت کے مکر و فریب سے اللہ کی مخلوق کو آگاہ فرماتے رہتے ہیں۔ وہ اس پر جلتا بھنتا ہوگا۔ فرمایا کہ ممکن ہے مگر ساتھ وہ مجھ کو نفع بھی بہت پہنچاتا ہے اس طرح سے کہ وہ لوگوں کو بہکاتا ہے وہ مجھ کو ناحق گالیاں دیتے ہیں میں اس پر صبر کرتا ہوں۔ اللہ میرے گناہ معاف فرماتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ۱۱۴/۱۴)

بقول مولوی اسمٰعیل صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے۔ مگر مولوی اشرف علی صاحب کو شیطان نے بڑا نفع پہنچایا۔ اتنا نفع کہ مولوی صاحب کے درجات بلند ہو گئے۔ کس قدر ظلم ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی نفع حاصل نہ ہو۔ اور شیطان سے اس قدر نفع ہو کہ درجات بلند ہو جائیں۔ حالانکہ درجات بھی بلند اس کے ہوتے ہیں۔ جس کے دل میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو اور جس نے سچے دل سے حضور کا کلمہ پڑھا ہو۔ درجات بلند ہونے کے لیے شرط اول حضور کی محبت ہے۔

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اور یہ کلمہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر پڑھایا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا نفع ہو گا۔ کہ حضور نے کلمہ پڑھایا۔ مسلمان بنایا۔ جہنم سے بچایا اور مقامِ جنت عطا فرمایا۔

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

مسلمانوں کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے جو منافع۔ فیوض و برکات حاصل ہوئے۔

انہیں مبارک اور جنہیں شیطان سے نفع ہوا۔ وہ انہیں مبارک۔

الغرض حکایات میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ مولوی قاسم صاحب زندہ ہیں اور وہ مریدوں کو مضرات سے بچانے کے لیے جہاں چاہیں جا بھی سکتے ہیں۔ خدا جانے یہ حکایت درست بھی ہے یا نہیں۔ مگر یہ بات حقیقت اور سو فیصد درست اور حق ہے۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی زندہ اور اپنی امت کے حالات سے باخبر ہیں ۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

حکایت ۸۸

لڑکے سے عشق

مولانا منصور علی خاں صاحب مرحوم مراد آبادی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ طبیعت کے بہت پختہ تھے۔ اس لیے جدھر طبیعت مائل ہوتی تھی۔ پختگی اور انہماک کے ساتھ ادھر جھکتے تھے۔ انہوں نے اپنا واقعہ خود بھی مجھ سے نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہوگیا۔ اور اس قدر اس کی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اسی کے تصور میں گزرنے لگے۔ میری عجیب حالت ہوگئی۔ تمام کاموں میں اختلال ہوگیا۔ حضرت (نانوتوی) کی فراست نے بھانپ لیا۔ لیکن سبحان اللہ تربیت و نگرانی اسے کہتے ہیں۔ کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا۔ اور اسے اس قدر بڑھایا۔ کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا۔ فرمایا کہ ہاں بھائی وہ (لڑکا) تمہارے پاس کبھی آتے بھی ہیں یا نہیں؟ میں شرم و حجاب سے چپ رہ گیا۔ تو فرمایا کہ نہیں بھائی یہ حالات تو انسان پر ہی آتے ہیں اس میں چھپانے کی کیا بات ہے۔ غرض اسی طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار کرالیا۔ اور کوئی خفگی اور ناراضگی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ دلجوئی فرمائی۔ اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ میں ایک دن تنگ آگیا۔ اور دل میں سوچنے لگا۔ کہ محبت میری رگ و پے میں سرایت کر گئی مجھے تمام امور سے بے کار کر دیا۔ کیا کروں کہاں جاؤں۔ آخر تنگ آکر دوڑتا ہوا حضرت (نانوتوی) کی خدمت میں پہنچا اور مودب عرض کیا کہ حضرت میری اعانت فرمائیے۔ میں تنگ آگیا ہوں اور عاجز ہوچکا ہوں۔ ایسی دعا فرما دیجیے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے۔

تر جنبش کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب! کیا تھک گئے۔ بس جوش ختم ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا نکما ہو گیا اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔ خدا کے لئے میری امداد فرمائیے۔ فرمایا بہت اچھا۔ بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔ میں نماز مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب حضرت صلوۃ الاوابین سے فارغ ہوئے۔ تو آواز دی مولوی صاحب! میں نے عرض کیا۔ حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لاؤ۔ میں نے ہاتھ بڑھایا۔ میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا۔ جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں۔ اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا ہے۔ گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں۔ میں اس وقت لرزاں اور ترساں تھا۔ کہ ساری عمر مجھ پر یہ کیکپی اور یہ خوف طاری نہ ہوا تھا۔ میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور بالکل بے خودی سے گذر گیا۔ اور حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے ہیں۔ جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا۔ تو یہ حالت بھی فرو ہو گئی۔ فرمایا جاؤ۔ میں اٹھ کر چلا آیا۔ دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا حال ہے میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت اس لڑکے کا تصور یا عشق تو کجا دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں۔ (حکایات اولیاء صفحہ ۲۹۳ حکایت نمبر ۲۵۱)

سبق

دیوبندی علماء کے اس مخصوص عشق میں جس میں بجائے تصور شیخ کے "تصور شوخ" میں دن رات گذریں۔ ہم کوئی مداخلت نہیں کرتے بلکہ چند ایک حوالے انہی کی کتابوں سے پیش کر کے یہ بات قارئین کے سپرد کرتے ہیں۔ کہ وہ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ اس حکایت سے سبق کیا ملتا ہے۔

جناب مولوی نانوتوی صاحب ہی کے ایک عقیدتمند حکیم عبدالسلام ملیح آبادی اپنے والد کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے والد جہاں کسی خوبصورت شے کا ذکر سنتے تو سفر کر کے اسے دیکھنے وہاں پہنچ جاتے تھے۔

ایک مقام پر ایک عالم رہتے تھے۔ وہ ایک لڑکے پر عاشق تھے اور اس کو بہت محبت سے پڑھاتے تھے۔ جب والد صاحب کو اس کے حسن کا قصہ معلوم ہوا تو وہ حسب عادت اسے دیکھنے چل دیئے۔ جس مسجد میں وہ رہتے تھے اس کے جنوب میں ایک سہ دری تھی اور اس سہ دری کے اندر جانب غرب ایک کوٹھڑی اور اس کوٹھڑی کے آگے شمالاً اور

جنوباً ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ جس وقت والد صاحب پہنچے ہیں۔ تو اس وقت لڑکا کوٹھری کے اندر تھا۔ اور وہ عالم اس چارپائی سے کمر لگاتے ہوئے اور کوٹھری کی طرف پشت کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ والد صاحب اسباب رکھ کر ان عالم سے مصافحہ کرنے گئے۔ جب یہ سہ دری میں پہنچے ہیں۔ تو وہ لڑکا ان کو دیکھ کر کوٹھری میں سے نکلا۔ والد صاحب نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تھے کہ ان کی نظر اس لڑکے پر پڑ گئی۔ جس سے مصافحہ تو رہ گیا اور والد صاحب اس لڑکے کو دیکھنے میں مستغرق ہو گئے۔ ان عالم نے جب یہ دیکھا کہ یہ مصافحہ کرنا چاہتے تھے مگر مصافحہ نہیں کر سکے۔ تو انہوں نے منہ پھیر کر اپنے پیچھے دیکھا۔ تو ان کو معلوم ہوا۔ کہ لڑکا کھڑا ہے۔ اور یہ اس کے دیکھنے میں مصروف ہیں۔ جب ان کو معلوم ہوا۔ کہ یہ حضرت بھی ہمارے ہم رنگ معلوم ہوتے ہیں۔ تو انہوں نے اس لڑکے کو آواز دی۔ اور کہا۔ کہ ان سے مصافحہ کرو۔ وہ لڑکا آیا۔ اور اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اس وقت ان عالم صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

این ست کہ خوں خوردہ و دل بردہ بسے را
بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

(حکایاتِ اولیاء صـ ۲۵۸ حکایت ۲۱۵)

مولوی نانوتوی صاحب کے عقیدت مند حکیم عبدالسلام کس مزے سے اپنے ایک عالم کا لڑکے پر عاشق ہونا اور پھر اپنے والد کا اس حسین لڑکے کو دیکھنے کے لیے "مستغرق حال" کرنا بیان کر رہے ہیں۔ کوٹھری میں جب وہ لڑکا اور وہ رقیب جمع ہوتے تو ایک عاشق کا دوسرے کو اپنا ہم رنگ کہنا اور پھر اُسے شعر پڑھ کر بتانا کہ یہ ہے وہ جس پہ ہم مرتے ہیں۔ ان سب باتوں سے صاف پتہ چل رہا ہے کہ دیوبندی علماء کا ذوق کس قسم کا تھا؟ ان کے اس ذوق کو پیش نظر رکھیے۔ اور پھر مولوی اشرف علی صاحب کا اپنا ایک ارشاد سنیئے۔

فرمایا کہ میں نے اپنے لوگوں کو ممانعت کر دی تھی کہ تصنیف کے کمرہ میں جہاں میں تنہا رہتا ہوں۔ کسی نوعمر لڑکے کو نہ بھیجا کریں۔ مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا۔ کہ خانقاہ کے سب لوگ لڑکوں سے پرہیز و احتیاط کرنے لگے۔

(مجالس حکیم الامت صـ ۵۷)

اس ارشاد سے قبل خانقاہ میں گویا بد پرہیزی و بے احتیاطی موجود تھی۔

اوپر کی یہ ساری باتیں ملحوظ رکھ کر آخر میں جناب مولوی اشرف علی صاحب ہی کا ایک ملفوظ پڑھ لیجئے۔ اور جو سبق حاصل ہوتا ہے۔ اُسے ذہن نشین کر لیجئے۔ جناب مولوی اشرف علی صاحب نے فرمایا۔ کہ بعض اہل علم نے لکھ دیا ہے کہ جنت میں (نعوذ باللہ) لواطت ہوگی حالاں کہ یہ فعل قبیح لعینہٖ ہے۔ اس لیے اس کی اجازت وہاں بھی نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں کی طبیعت اس جانب مائل ہے۔ وہ دنیا میں تو بوجہ تقویٰ اس فعل سے بچے رہے مگر انہوں نے وہیں کے لیے گنجائش نکالی۔ (ملفوظات حسن العزیز ص ۸۹)

یہ اہل علم اور متقی کون ہیں، اوپر کے واقعات پھر پڑھئے اور خود ہی اندازہ کر لیجئے اور ہمیں خاموش ہی رہنے دیجئے۔

اے صیاد نے کچھ گل نے کچھ بلبل نے کچھ سمجھا
چمن میں کتنی معنی خیز تھی اک خاموشی میری

حکایت ۸۹

دریائے علم کا سیلاب

ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چھتہ کی مسجد میں فرمایا۔ جب کہ لوگوں کا مجمع تھا۔ کہ بھائی آج ہم تو صبح کی نماز میں مر جاتے۔ بس کچھ ہی کسر رہ گئی۔ عرض کیا گیا۔ کیا حادثہ پیش آیا۔ فرمایا کہ آج صبح کی نماز میں سورہ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گزرا۔ کہ میں تحمل نہ کر سکا۔ قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے مگر وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا۔ اس لئے میں بچ گیا۔ نماز کے بعد جب میں نے غور کیا۔ کہ یہ کیا معاملہ تھا۔ تو منکشف ہوا۔ کہ حضرت مولانا قاسم (نانوتوی) ان ساعتوں میں میری طرف سیر تھے میں متوجہ ہوئے تھے۔ یہ ان کی توجہ کا اثر تھا۔ پھر فرمایا۔ کہ اللہ اکبر! جس شخص کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ علوم کے دریا دوسروں کے قلوب پر موجیں مارنے لگیں اور تحمل دشوار ہو جائے۔ تو خود اس شخص کے قلب کی وسعت و قوت کا کیا حال ہوگا جس میں خود وہ علوم ہی سمائے ہوتے ہوں اور وہ کس طرح ان علوم کا تحمل کئے ہوتے ہوگا۔

(حکایاتِ اولیاء ص ۳۱۴ حکایت ۲۶۸)

سبق

یہ ہے جناب مولوی قاسم صاحب کے علوم کے دریاؤں کی ناپیدا کنار وسعت - اور مولوی صاحب کے کوزۂ قلب کی اس سے بھی زیادہ وسعت کہ یہ سارے دریا مولوی صاحب کے طویل و عریض اور عمیق کوزہ میں سما گئے - مولوی یعقوب صاحب نے دریا کو کوزہ میں بند نہیں کیا بلکہ دریاؤں کو ایک کوزہ میں بند کر کے دکھا دیا -

مولوی یعقوب صاحب نے جہاں مولوی قاسم صاحب کے علوم کی وسعت بیان کی ہے - وہاں ساتھ ہی ساتھ اپنے علم و انکشاف کا بھی سکہ بٹھایا ہے - اور کہا ہے کہ میں نے جب غور کیا - تو منکشف ہوا - کہ ان ساعتوں میں مولانا نانوتوی نے میر ٹھ میں میری طرف توجہ فرمائی - تو ان کی محض توجہ ہی ہے یہ عظیم الشان دریائے علم ایسی خطرناک صورت میں میرے قلب پر آپہنچا - کہ مجھے جان کے لالے پڑ گئے - قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جاتی یعنی میں اس میں ڈوب کر مر جاتا - مگر وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا - اس لئے میں بچ گیا -

حکایت میں یہ لفظ مذکور ہیں کہ

"عرض کیا گیا کیا حادثہ پیش آیا"

"میں مر جاتا" اور "قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جاتی" جیسے خطرناک الفاظ سن کر یہی شک گزرتا ہے کہ شاید نماز پڑھتے ہوئے کوئی سانپ وانپ نکل آیا ہو - کوئی دشمن حملہ آور ہو گیا ہو - یا اسی قسم کا کوئی اور حادثہ پیش آ گیا ہو - مگر مولوی صاحب نے جب واقعہ سنایا تو حادثہ کی بجائے احداث نکلا -

یہ تو ہے دیوبندی علماء کا اپنے اور اپنے اکابر کے متعلق ایمان - اب آئیے ان کے جو خیالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیے -

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں کہ

شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو) دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں - (براہین قاطعہ صا۵)

اس روایت کو حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کر کے یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے - اور حضرت کا بھی

یہی عقیدہ تھا۔ حالانکہ حضرت شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے یہ روایت لکھنے کے بعد یہ تحریر فرمایا ہے۔ کہ "جوابش آنست کہ ایں سخن اصلے ندارد و روایتے بداں صحیح نشدہ" اس کا جواب یہ ہے کہ اس قول کی کوئی اصل وحقیقت نہیں۔ اور ایسی کوئی روایت صحیح نہیں۔

(مدارج النبوۃ فارسی ص۵)

مولوی خلیل احمد صاحب نے اس بے اصل اور غیر صحیح روایت کو محض اس لیے درج کر دیا۔ تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ اس پر مزید ظلم یہ کہ اسے حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا۔ اور انہوں نے اس روایت کو جو بے اصل و غیر صحیح لکھا ہے۔ اس کو درج ہی نہیں کیا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔

رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (تقویۃ الایمان ص۵۸)

یہ ہے ان حضرات کا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خیال۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ اور حضور کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

مگر ان کے مولوی محمد یعقوب صاحب شہر دیوبند میں ہیں۔ اور مولوی محمد قاسم صاحب شہر میرٹھ میں۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے جب چاہا کہ اپنی توجہ سے علم کا ایک عظیم الشان دریا بہا کر مولوی یعقوب صاحب کے دل کے اوپر گزار دیں۔ تو ایسا ہوگیا۔ ادھر مولوی یعقوب صاحب نے جب غور کیا۔ کہ اس فلڈ کی وجہ کیا ہے؟ تو مولوی یعقوب صاحب کے مقام اور اس سے میلوں دور شہر میرٹھ کے درمیان جتنی دیواریں۔ مکانات اور حجابات تھے سب دور ہوگئے۔ اور مولوی یعقوب صاحب کی نظر ہر چیز کو چیرتی پھاڑتی ہوئی مولوی قاسم تک جا پہنچی۔ اور ان کی اس توجہ کا بھی علم ہوگیا۔ جس کے باعث مولوی صاحب ڈوبتے ڈوبتے بچ گئے تھے۔ گویا جو کمال مولوی قاسم صاحب اور مولوی یعقوب صاحب کو حاصل تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لئے ثابت نہیں ہے

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

ہمارے خیال میں مولوی نانوتوی صاحب نے یہ فلڈ کسی دوسرے علاقہ میں بھیجا جاتا۔ مگر راستے

میں مولوی یعقوب صاحب خواہ مخواہ زد میں آ گئے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا اور مولوی صاحب بچ گئے۔ ورنہ اگر مولوی صاحب ہی کے لیئے یہ خط بھیجا گیا ہوتا تو مولوی یعقوب صاحب مولوی نانوتوی صاحب سے یوں مخاطب ہوتے کہ ؎

مہربان یہ مزار فانی ہے
آپ کا جان نثار تھا نہ رہا

حکایت ۹۰

انگریزوں سے جہاد

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض مفسدہ پردازوں نے جس میں رامپور کا ایک خاندان بھی شامل تھا جس کو حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے خاندان سے پشتینی عداوت تھی۔ حکومت میں یہ درخواست پیش کی۔ کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے دیوبند میں ایک مدرسہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں کھولا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے۔ کہ سرحد کے لوگوں سے تعلقات پیدا کیے جائیں۔ تاکہ گورنمنٹ سے جہاد آسان ہو جائے۔ یہ مدرسہ خفیہ طور پر طلبہ کو قواعد جنگ کی تعلیم دیتا ہے۔ اور ہندوستان پر چڑھائی کرنے کے لیے کابل کو تیار کر رہا ہے۔ ہم گورنمنٹ کو خیر خواہانہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ بیدار رہے۔ اور ہم بھی ہر قسم کی سراغ اور تفتیش حالات کے لیے گورنمنٹ کو مدد دینے کے لئے تیار ہیں۔

حکومت کے یہاں تفتیش حالات کے لیے احکام جاری ہوئے۔ اور تفتیش کے مراکز گنگوہ، نانوتہ، رامپور، جلال آباد قرار پائے۔ اور ان کا صدر مقام دیوبند بنا دیا گیا۔ حکام نے دورے کئے اور بعض حکام نے نانوتہ پہنچ کر حضرت نانوتوی کی زیارت کرنے کے لئے مسجد میں آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے اجازت دی۔ اور کہلوا دیا کر جوتہ نکال کر آئیں۔ حاکم آیا۔ اور بیٹھا نہیں بلکہ نہایت ادب سے چپ چاپ حضرت کے سامنے کھڑا رہا۔ واپس ہو کر اس نے حکومت ہند کو رپورٹ دی۔ کہ جو لوگ ایسی مقدس صورتوں پر تفتیش من اور غدر و فساد کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ خود مفسد ہیں۔ اور یہ بعض چند مفسدوں کی شرارت ہے۔

(حکایات اولیاء صف ۲۷۸ حکایت نمبر ۳۳۵)

سبق

دیوبندی حضرات اس بات کا بڑا پروپیگنڈہ کیا کرتے ہیں کہ ہمارے اکابر دیوبندی علماء نے انگریزوں

سے جہاد کیا اور جنگ آزادی لڑی۔ یہ حکایات اس غلط پروپیگنڈے کا پردہ چاک کر رہی ہے۔ اس میں اس امر کا اظہار و اقرار ہے۔ کہ مولوی قاسم صاحب اور ان کے مدرسہ دیو بند کو انگریزوں کے خلاف سمجھنا اور انگریزوں کے خلاف جہاد کے لیے اسلامی مملکت کابل سے ان کا رابطہ بیان کرنا مفسدہ پردازوں کی پشتینی عداوت کا نتیجہ ہے۔ اور علماء دیو بند جیسی مقدس صورتوں پر غدر و فساد اور جہاد کا الزام لگانا انہی مفسدین کی شرارت ہے۔

آج بھی جو لوگ دیو بندی علماء کو انگریزوں سے جہاد کرنے والے بتاتے ہیں۔ اس حکایت کے مطابق وہ بھی مفسدہ پرداز اور شریر ہیں۔ ایسی مقدس صورتوں پر انگریز دشمنی کا الزام لگانا کتنی بڑی شرارت ہے۔ جب کہ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو بدلائل شرعی انگریزوں کی مخالفت سے روکا ہے۔ چنانچہ سید احمد صاحب بریلوی جو دیو بندی علماء کے مجاہد اول ہیں۔ ان کے سوانح نگار محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں۔ کہ

آپ کی سوانح عمری اور مکاتیب میں بیس سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں جہاں کھلے کھلے اور اعلانیہ طور پر سید صاحب نے بدلائل شرعی اپنے پیرو لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت سے منع کیا ہے (سوانح احمدی ص ۲۳۶)

مجاہد دوم مولوی اسمٰعیل صاحب کا فتویٰ یہ ہے۔

ایک روز مولانا محمد اسمٰعیل دہلوی وعظ فرما رہے تھے ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا۔ کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا۔ کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد درست نہیں (سوانح احمدی ص ۵۷)

دیو بندی حضرات کے یہ دو عظیم مجاہد انگریزوں کے خلاف جہاد کو شرعاً منع بتا رہے ہیں۔ اور مجاہد اول جناب سید احمد صاحب کی جو شرعی پوزیشن ہے۔ وہ ان کے نزدیک یہ ہے۔

حضرت آدم سے لے کر سید صاحب تک جس قدر ہادی من اللہ مدرسہ قدرتی سے تعلیم پا کر اس دنیا میں آتے رہے۔ ان کی شرافت قومی خواہ اسرائیلی یا قریشی اور حالات طفولیت اور کیفیت تحصیل علوم ظاہری اور طرز معاشرت اور سادگی تحریر و تقریر و طریقہ تعلیم اور نشر ہدایت اور فیض باطنی اور قوت جاذبہ اور نفرت از حب دنیا و طلب جاہ اور غلبہ ایثار اور صبر و تحمل اور قناعت و عفت اور شجاعت اور ظہور کرامات اور خرق عادات ٹھیک ویسے ہی ہوتے رہے جیسا کہ سید صاحب کی ذات بابرکات میں ان خوبیوں کا

جمع ہونا اس سوانح میں بیان ہوا۔ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا (سوانح احمدی ص۳۶)

ملاحظہ فرمایئے۔ نبوت کے جس مقدس سلسلہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائی۔ سید صاحب کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی بتایا گیا ہے۔ اور جتنی خوبیاں اللہ کے ایک پیغمبر میں ہوتی ہیں۔ وہ سب سید صاحب میں بیان کر کے آیت لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا لکھ کر اس امر کا اعلان کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق سید صاحب کو بھی گویا مبعوث فرمایا ہے۔

دیوبندی حضرات کے اس "ہادی من اللہ" نے اپنے پیروکاروں کو سرکار انگریزی کے خلاف جہاد کرنے سے منع فرمایا ہے۔ "ہادی من اللہ" کی اس ہدایت کے برعکس اگر واقعی دیوبندی علماء نے انگریزوں سے جہاد کیا ہے۔ تو کیا فرماتے ہیں علماء دیوبند ہی کہ ایسے علماء جو ایک "ہادی من اللہ" کی صریح ہدایت کے باوجود انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے اٹھ کھڑے ہوں۔ ان کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ ؎

مسکرائے وہ حال دل سن کر

اور گویا جواب تھا ہی نہیں

دیوبندی حضرات کے ان کابر کے شرعی فیصلے کے خلاف جن دیوبندی علماء نے بقول ان کے انگریزوں سے جہاد کیا۔ یقیناً وہ شرعی مجرم ہیں اگر نہیں۔ تو پھر ان کے وہ اکابر جنہوں نے شرعی فیصلہ سنایا۔ انہوں نے ہادی من اللہ "بن کر دنیا کو دھوکا دیا۔ یا وہ غلط تھے یا یہ۔ اس امر کا فیصلہ دیوبندی حضرات نے خود کرنا ہے ؎

یہ میرے ہے کہ ڈوپٹہ اڑا رہی ہے ہوا

چھپاتے ہیں وہ جو سینہ کہ نہیں چھپتی

حکایت ۹۱ — تصرف

خورجہ میں ایک شخص تھے حاجی محمد اسحٰق خاں نہایت پابند صوم و صلوٰۃ اور ذاکر و شاغل تھے۔ یہ صاحب مولانا نانوتوی سے بیعت تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ دو تین روز مسجد میں نہیں آئے۔ میں سمجھا کہ شاید کچھ بیمار ہو گئے ہیں اس لیے میں ان کی عیادت کے لیے گیا۔ جا کر دیکھا تو ایک کوٹھڑی میں چھپے بیٹھے ہیں۔ اور دو تین روز سے فاقہ کر رکھا تھا۔ میں نے پوچھا کیا حالت ہے تم کئی روز سے نماز کے لئے

نہیں آئے۔ انہوں نے کہا اچھا ہوں۔ مگر کوئی چار روز سے ایک سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ وہ یہ کہ جب کوئی گاڑی نکلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر چل رہی ہے۔ اور جب بیلوں کے سونٹا مارا جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے لگتا ہے اور جب کتوں میں آپس میں لڑائی ہوتی ہے۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے کاٹتے ہیں۔ جب چکی چلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ گیہوں کے بدلے میں پس رہا ہوں لڑکے بھاگتے ہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر دوڑتے ہیں۔ اس لئے سخت تکلیف میں ہوں۔ اور باہر نہیں نکل سکتا۔ اور نہ چکی کی آواز سن سکتا ہوں۔ اسی لئے میں چھپا ہوا بیٹھا ہوں۔ اور میں نے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہے۔ میں نے کہا کہ اپنی اس حالت کی مولانا نانوتوی کو اطلاع دو۔ انہوں نے کہا تم ہی لکھ دو۔ میں نے کہا کہ تم لکھ کر مجھے دے دو۔ میں اپنے خط میں بھیج دوں گا۔ انہوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دے دی۔ اور میں نے اپنے عریضہ کے ساتھ اس کو مولانا کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ مولانا اس زمانہ میں دہلی میں تھے۔ مولانا نے جواب دیا۔ کہ اس کا جواب تحریر سے نہیں ہو سکتا تم ان سے کہو کہ وہ میرے پاس چلے آئیں۔ چنانچہ یہ گئے۔ مولانا نے کچھ نہیں کیا صرف اوراد اور اشغال کے اوقات بدل دیئے۔ یہ شخص دوسرے ہی دن اچھے ہو گئے۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اس پر حاشیہ آرائی فرمائی ہے۔ کہ

احقر کا وجدان یہ ہے کہ مولانا نے تصرف فرمایا ہے۔ اور اخفاء تصرف کے لیے اوراد و اشغال کے اوقات بدلے ہیں۔ (حکایات اولیاء صـ۲۶۳ حکایت نمبر ۲۱۹)

سبق

دیوبندی علماء ہر اس چیز کو جسے وہ انبیاء و اولیاء میں ثابت کرنا شرک بتاتے ہیں۔ اپنے علماء میں بڑی فراخدلی سے ثابت کر دیتے ہیں۔ اور پھر بھی مشرک اہل سنت کو کہتے ہیں۔ اور خود موحد کے موحد ہی رہتے ہیں۔ چنانچہ اس حکایت میں بھی یہ بتایا گیا ہے۔ کہ مولوی قاسم صاحب نے اس بیمار کو اپنی قوت تصرف سے تندرست کر دیا۔ اور بقول مولوی اشرف علی صاحب اوراد و مشاغل کا وقت بدلنا محض اس لیئے تھا کہ مولوی قاسم صاحب کا یہ تصرف مخفی رہے۔ گویا اُدھر مولوی قاسم صاحب کا تصرف ثابت کیا۔

اور ادھر مولوی اشرف علی صاحب نے مخفی چیز کو جان لینے سے اپنا کمال ثابت کر دیا۔ مولوی قاسم صاحب نے جو اپنے تصرف سے ایک بیمار کو تندرست کر دیا۔ یہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے نزدیک شرک ہے۔ چنانچہ وہ انبیاء و اولیاء کے متعلق تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں۔ کہ

اس بات کی ان میں کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے ان کو عالم میں تصرف کرنے کی کچھ قدرت دی ہو۔ کہ جس کو چاہیں مار ڈالیں ۔ ۔ ۔ ۔ یا کسی بیمار کو تندرست کر دیں۔ (تقویۃ الایمان ص ۲۸)

یعنی جو ایسا مانے وہ مشرک۔ اور یہاں یہ بات مانی اور منائی گئی ہے۔ کہ مولوی قاسم صاحب نے ایک بیمار کو اپنے تصرف سے تندرست کر دیا۔

دیوبندی حضرات نے تو اپنے علماء کے متعلق یہاں تک غلو کیا ہے۔ کہ وہ یہ تک بھی جانتے تھے کہ یہ بیمار ابھی مرے گا نہیں۔ مرے گا تو فلاں وقت۔ چنانچہ تذکرۃ الرشید کے مولف مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار سخت علیل ہو گئے۔ واقفین احباب بھی یہ خبر سن کر پریشان ہو گئے۔ اور حضرت (مولوی رشید احمد) سے عرض کیا کہ دعا فرمائیں حضرت خاموش رہے اور بات کو ٹال دیا۔ جب دوبارہ عرض کیا گیا۔ تو آپ نے تسلی دی اور یوں فرمایا۔ "میاں وہ ابھی نہیں مریں گے اور اگر مر گئے تو میرے بعد" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۰۹)

مولانا اسمٰعیل صاحب تقویۃ الایمان میں شرک فی العلم کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

جب کوئی اپنا حال نہیں جانتا کہ کل کو کیا کروں گا تو اور کسی کا کیونکر جان سکے اور جب اپنے مرنے کی جگہ نہیں جانتا تو اور کسی کے مرنے کی جگہ یا وقت کیوں کر جان سکے۔ (تقویۃ الایمان ص ۳۶)

مولوی رشید احمد صاحب کو یہ بھی علم تھا کہ فلاں شخص اب مرنے والا ہے۔ چنانچہ مولوی نظر محمد خاں نے ایک مرتبہ پریشان ہو کر عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص جو والد صاحب سے عداوت رکھتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد اب مجھ سے ناحق عداوت رکھتا ہے۔ بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا۔

وہ کب تک رہے گا۔

چند روز گذرے تھے۔ کہ دفعۃً وہ شخص انتقال کر گیا۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۱۴)

مولوی عاشق الٰہی صاحب مولوی رشید احمد صاحب کی ایسی کرامات لکھ کر لکھتے ہیں۔

یہ ثمرات ہیں ان تصرفات کے جو حق تعالیٰ نے اپنے مقبولین کو عطا فرماتے ہیں۔

(تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۲۳ ج ۱)

مولوی اسمٰعیل صاحب تو تقویۃ الایمان میں انبیاء و اولیاء کو کسی قسم کے تصرف نہ ملنے کا اعلان کرتے ہیں اور مولوی عاشق الٰہی صاحب اپنے علماء کے لیے ہر قسم کے تصرفات کو حق تعالیٰ کی عطا لکھتے ہیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کا اعلان اہلِ سنت کے لیے ہے۔ اور مولوی عاشق الٰہی کا بیان اپنے علماء کے لیے ہے۔

جو ہم کریں وہ شرک ہے بدعت ہے بُرا ہے

جو وہ کریں توحید ہے سنت ہے روا ہے!

مختصرات

المدد!

حضرت حکیم الامت قدس سرہ حضرت گنگوہی کو اپنے شیخ کا قائم مقام سمجھ کر مشکلات میں ان کی طرف رجوع فرماتے تھے۔" (مجالس حکیم الامت صفحہ ۳۹)

سبق

المدد گنگوہی صاحب پیرِ ما مشکلاتے پیش دار یم ما

یہ بے فکرے لوگ

بے فکرے لوگ پھر بھی علماء پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ علماء ان کو کافر بناتے ہیں۔ میں ان کے جواب میں کہتا ہوں کہ کافر بناتے نہیں کافر بتاتے ہیں، یعنی جو شخص اپنے باطل عقیدے کے سبب کافر ہو چکا ہے مگر اس کا کفر مخفی ہے، مسلمانوں کو تنبیہ کرنے کے لیے بتاتے ہیں۔ کہ یہ اپنے عمل سے کافر ہو چکا ہے" (مولوی اشرف علی صاحب) (قصص الاکابر صفحہ ۱۳۰)

سبق

مولوی صاحب! یہ بے فکرے لوگ زیادہ تر آپ ہی کے معتقدین ہیں۔

اجہل

میرا جاہل ہونا اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں جاہل بلکہ اجہل ہوں۔ (مولوی اشرف علی صاحب) (اشرف السوانح صفحہ ۱۴۰ ج ۱)

سبق

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔

گہرائی کی طرف

ہم سمجھتے تھے کہ امام رازی بہت ذہین ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا۔ کہ ان کا ذہن طول وعرض میں تو چلتا ہے۔ عمق اور گہرائی میں نہیں چلتا" (مولوی قاسم صاحب نانوتوی) (مجالس حکیم الامۃ صفحہ ۲۶۸)

سبق

اور کوئی تحذیر الناس میں گہرائی کی طرف ایسا چلا۔ کہ اپنا بیڑہ ہی غرق کر لیا۔

بے ادب

مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے کسی نے وہابی اور بدعتی کی تعریف پوچھی۔ تو فرمایا "کہ وہابی بے ادب با ایمان اور بدعتی باادب بے ایمان" کا نام ہے۔ (مجالس حکیم الامت صفحہ ۲۸۲)

سبق

دیوبندی علم کلام کا نمونہ۔ جیسے بے روح باحیوۃ اور باروح بے حیوۃ۔ یا جیسے بے نور بینا اور بانور اندھا۔ دوسرا سبق۔ گویا بے ادبی وگستاخی سے ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اور ادب وتعظیم سے کفر۔ غالباً اسی لئے یہ لوگ اپنی گستاخانہ عبارات سے رجوع نہیں کرتے کہ گستاخی ہی کو ایمان سمجھتے ہیں۔

بھائی

ایک غیر مقلد صاحب نے جو بہت نیک آدمی ہیں۔ انہوں نے مجھے خط لکھا کہ آپ کے یہاں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے" (مولوی اشرف علی صاحب) (مجالس حکیم الامۃ صفحہ ۱۹۳)

سبق

بھائی بھائیوں سے حصہ مانگا ہی کرتے ہیں۔

افیون کے دو روپیہ

مولانا نے پوچھا کہ بھائی کون ہو؟ کہنے لگا جی میں ہوں افیون والا۔ اور دو روپیہ نکال کر مولانا کو دیئے۔ اور کہا مولوی جی یہ افیون کے روپیہ ہیں، مولانا نے فرمایا۔ بھائی افیون کے روپیہ کیسے۔ کہنے لگا کہ میں دو روپیہ مہینہ کی افیون کھاتا تھا جب ہی نے چھوڑی تو نفس بہت خوش ہوا کہ دو روپیہ ماہوار بچے ہیں۔ میں نے

نفس سے کہا۔ کہ میں دو روپیہ تجھے ہرگز نہ دوں گا۔ میں اپنے پیر کو دوں گا (گنگوہی صاحب کا واقعہ)

(قصص الاکابر ص ۱۳۲)

سبق

کسی کی قسمت میں میلاد شریف کی مٹھائی، شب براۃ کا حلوہ۔ اور کسی کی قسمت میں اپنوں کے دو روپیہ

آمادہ نر آگیا

ایک سلسلۂ گفتگو میں (مولوی اشرف علی) نے فرمایا۔ کہ دیوبند کا بڑا جلسہ ہوا تھا۔ تو اس میں۔ ایک رئیس صاحب نے کوشش کی کہ دیوبندیوں میں اور بریلویوں میں صلح ہو جاتے۔ میں نے کہا ہماری طرف سے تو کوئی جنگ نہیں۔ وہ نماز پڑھاتے ہیں ہم پڑھ لیتے ہیں۔ ہم پڑھاتے ہیں وہ نہیں پڑھتے تم اُن کو آمادہ کرو۔ مزاحاً فرمایا کہ ان سے کہو آمادہ نر آگیا۔ (الافاضات الیومیہ ص ۲۲۰/۵)

سبق

نر بھی ایسا برا ہے نام نر کو دیو و مادہ بھی نکاح میں آئیں پھر بھی لاولد رہا۔

رہا سوال پڑھنے نہ پڑھنے کا۔ تو مادہ کی نماز نر کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ نر کی مادہ کے پیچھے نہیں ہوتی۔

خود ہی فیصلہ کریں کہ نر کون ہے اور مادہ کون؟

نماز تہجد

(سید احمد صاحب) بیعت لینے کے وقت ہر ایک مرید کو تہجد پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

اس وقت لکھوکھا مرد و عورت ہندوستان میں تہجد گذار تھے۔ بقول شاعر ؎

جھٹ نہا دھو کے تہجد کے لئے ہے تیار

اپنے شوہر سے ہوئی ہو جو کوئی ہمبستر (سوانح احمدی ص ۵۱)

سبق

دیوبندی حضرات کا مذاق سلیم ملاحظہ فرمائیے۔ پاکیزہ وقت کی پاکیزہ نماز تہجد کی تاکید کا اثر ایک بغیر نہائے دھوئے جنابت بھرے شعر سے دکھایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں سید صاحب کی دوسروں کو نماز تہجد کی تاکیداکید۔ اور خود

ایک دفعہ کا ذکر ہے سید صاحب سے شادی کی تھی نمازیں کچھ دیر سے آتے مولوی

(عبدالحی) صاحب نے سکوت کیا کہ شاید تقریب شادی کی وجہ سے اتفاقیہ کچھ دیر ہو گئی۔ اگلے دن پھر ایسے ہی ہوا۔ کہ سید صاحب کو اتنی دیر ہو گئی۔ کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی تھی۔ مولوی عبدالحی صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد کہا۔ کہ عبادت الٰہی ہو گی یا شادی کی عشرت۔ سید صاحب چپ ہو رہے اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ (حکایات اولیا ص ۱۷۶)

جنہیں تاکید کی گئی۔ وہ تو ہمبستر ہونے کے بعد فوراً نہا دھو کر تہجد کے لیے تیار ہو گئیں۔ اور خود تاکید کرنے والے کی اپنی شادی ہو گئی۔ تو بستر نے اس طرح پکڑ لیا۔ کہ فرض نماز کی بھی تکبیر اولیٰ جاتی رہنے لگی۔ جہاں فرض نماز میں تاخیر سے شریک ہونے لگے۔ وہاں نماز تہجد جو نفلی نماز ہے کے پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دورنگی

ایک ہندو ڈپٹی کلکٹر نے حضرت (مولوی اشرف علی) سے ملاقات مجلس میں کرنے کی خواہش کی۔ حضرت نے اجازت دے دی اور جب وہ آئے تو خود تعظیم کیلئے کھڑے ہو گئے۔ مگر اہل مجلس کو حکم دیا کہ وہ سب بیٹھے رہیں۔ (مجالس حکیم الامت ص ۲۳۹)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۲ پر غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ کے زیر عنوان حضرت والا کا ارشاد درج ہے۔ کہ

"میرا یہی مذاق ہے کہ غیر قوموں کی نہ تحقیر کرتا ہوں نہ تکریم و تعظیم"۔

حالاں کہ آپ نے ایک ہندو ڈپٹی کلکٹر کی تعظیم کی۔ اور اس کی خاطر کھڑے ہو گئے۔

سبق

کبھی دوستی ہے کبھی دشمنی

تری کونسی بات پر جائیے

انسانیت سے بالا

مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ میں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا ہے۔ وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔

(حکایات اولیا ص ۲۸۶)

سبق

مولوی اسمٰعیل کا سبق بھول گئے۔ کہ

کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو۔ سو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔ (تقویۃ الایمان صفحہ)

مولوی قاسم صاحب کو بشر و انسان ہی رہنے دیا انہیں اس قدر اونچا لے گئے۔ کہ انسانیت بہت پیچھے رہ گئی۔ اور وہ فرشتہ بن گئے۔ خدا جانے خورد و نوش اور شادی و اولاد کا جھگڑا اس فرشتے کے لیے ثابت ہے کہ نہیں۔

دل کی بات

(مولوی اشرف علی صاحب نے) فرمایا۔ کہ شاہ عبدالرحیم صاحب کے پہلے پیر کا نام بھی شاہ عبدالرحیم ہی تھا فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے پیر کا سر دبا رہا تھا۔ پیر صاحب نے فرمایا۔ کہ خوب اچھی طرح زور سے دباؤ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ جو بہت زور سے دباؤں گا۔ تو سر خربوزے کی طرح پچک جائے گا کیونکہ شاہ صاحب بہت قوی تھے۔ پیر صاحب نے فرمایا۔ نہیں بھائی تم خوب زور سے دباؤ خربوزہ کی طرح نہیں پچکیگا۔ (حسن العزیز ملفوظات صفحہ ۹۳)

سبق

دل کی بات غیب ہوتی ہے۔ اور اس کا علم۔ علم غیب۔ خدا کی شان کہ علم غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین نے خود ہی اس علم غیب کو اپنے پیر کے لئے ثابت کر کے اپنے ہی عقیدہ کا گندہ خربوزہ پچکا کر رکھ دیا۔

عاشق و معشوق

ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا۔ کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما سے گئے۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا۔ تو بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے۔ اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا۔ جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین

دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں۔ کہ میاں کیا کر رہے ہو۔ یہ لوگ کیا کہیں گے۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ لوگ کہیں گے کہنے دو۔ (حکایات اولیاء ص ۲۳۹ حکایت ۲۰۵)

سبق

سوانح قاسمی کے مؤلف مولانا سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں۔

ان کی (مولانا قاسم کی) دست بوسی اور قدم بوسی کے واسطے ہاتھ اور پیر کی نزاکت اور خوبصورتی کافی تھی وہ کچھ ایسے موزوں اور دلکش تھے کہ بے اختیار بوسہ دینے کو جی چاہتا تھا...... ان کی سی نزاکت اور دلبری کسی معشوق میں بھی نہ دیکھی۔

(سوانح قاسمی ص ۱۵۵ ج ۱)

ایسے دلبر معشوق کے سینے پر مولانا رشید احمد جیسے عاشق صادق ہی کا ہاتھ زیب دیتا ہے جس کے ہاتھ اور پیر ایسے نازک اور خوبصورت ہوں۔ کہ بے اختیار بوسہ دینے کو جی چاہنے لگے اس کے رخ تاباں کی نزاکت و دلکشی کا کیا عالم ہوگا۔ مولانا رشید احمد صاحب ویسے ہی تو بے تاب نہیں ہو گئے تھے۔

محفل میلاد

مولوی اشرف علی صاحب نے فرمایا۔

کہ اس (محفل میلاد) کے متعلق پہلے میرا یہ خیال تھا۔ کہ اس محفل کا اصل کام ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سب کے نزدیک خیر و سعادت اور مستحب ہی ہے البتہ اس میں جو منکرات اور غلط رسمیں شامل کر دی گئی ہیں۔ ان کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہیے۔ اصل امر محفل مستحب کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہ دراصل ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا مسلک تھا۔ حضرت کی غائت شفقت و عنائت اور محبت کے سبب میرا بھی یہی ذوق تھا۔ اور یہی عام طور پر صوفیائے کرام کا مسلک ہے حضرت مولانا رومی بھی اسی کے قائل ہیں۔ (مجالس حکیم الامت ص ۱۶۰)

سبق

"پہلے میرا خیال تھا" اور اب نہیں ہے۔ حالانکہ مولوی صاحب کے پیر حاجی امداد اللہ صاحب اور صوفیائے کرام کا یہی مسلک ہے اور مولانا رومی کا بھی۔ مگر تمام صوفیائے کرام بشمولیت اپنے

پیر و مرشد کے برخلاف ان کا مسلک بدل گیا۔ اور اب یہ محفل ان کے نزدیک بدعت ہوگئی گویا پہلے تو ان کے پیر حضرت حاجی بدعتی نہ تھے۔ مگر اب بدعتی ہو گئے ہیں۔ اور لطف یہ کہ باوجود اس کے کہ پیر بدعتی ہے۔ یہ بدستور ان کے مرید ہیں۔ اور وہ ان کے پیر و مرشد۔

میرا باطن خراب ہے۔

ایک شخص نے مولوی اشرف علی صاحب کو خط لکھا۔ کہ میں داڑھی منڈاتا ہوں۔ آپ اجازت دیں تو میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ مولوی صاحب نے جواب لکھا۔

"آپ کا ظاہر خراب ہے اور باطن اچھا ہے اور میرا باطن خراب ہے ظاہر اچھا ہے"

(مجالس حکیم الامت ص ۱۳۰)

سبق

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

از بروں طعنہ زنی بر بایزید

وز درونت ننگ میدارد یزید

ایجادِ بندہ

(مولوی اشرف علی صاحب نے) فرمایا کہ نماز کے بعد کے لیے میں نے ایک مختصر جامع دعا اختیار کر رکھی ہے۔ جس میں اپنے اور سب مسلمانوں کے لیے دین و دنیا کے سارے مقصد کی دعا آجاتی ہے وہ یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ کل خیرٍ لِکُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ ۔ (مجالس حکیم الامت ص ۵۹)

سبق

حالانکہ یہ دعا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ہرگز ثابت نہیں۔ کہ حضور یا کوئی صحابی یا کوئی تابعی ہی نماز کے بعد یہ دعا پڑھتا ہو گویا یہ دعا ایجادِ بندہ ہے۔ ہم اگر درود تاج یا کوئی اور درود شریف پڑھیں۔ تو کہا جاتا ہے یہ خود ساختہ درود ہیں۔ اور خود آزاد ہیں۔ دعائیں بھی گھڑ سکتے ہیں ؎

ہم جو چپ ہوں تو نہیں سودائی

وہ جو چپ ہوں تو توکل ٹھہرے

یادِ حق سے غافل اور بکی

فرمایا مولوی اشرف علی صاحب نے

میرا عمل عزائم پر نہیں رخص پر ہے۔ نفلیں کم پڑھتا ہوں کبھی نوافل بیٹھ کر پڑھ لیتا ہوں۔
(الافاضات الیومیہ صہ ۲۵۹/۱)

دوسری جگہ فرمایا مولوی صاحب نے

میں اس قدر بکی (بکواسی) ہوں کہ ہر وقت بولتا ہی رہتا ہوں۔ مگر پھر بھی نہ معلوم لوگ کیوں اس قدر مجھ کو ہوّا بنائے ہوئے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ صہ ۱۸/۱)

سبق

علامت ہاں کہ درا حمق بود
او تا غافل زیادِ حق بود
گفتن بسیار عادت باشد ش
کاہلی اندر عبادت باشد ش

زندہ

ایک صاحب کشف حضرت حافظ (محمد ضامن) صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے۔ کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے۔ جاؤ فاتحہ کسی مردہ پر پڑھیو۔ یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو۔ یہ کیا بات ہے۔

لوگوں نے بتلایا کہ یہ شہید ہیں۔ حکایات اولیاء صہ ۲۲۵ حکایت نمبر ۲۰۵

سبق

یہ شان ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی۔ پھر کس قدر مردہ دل ہے وہ شخص جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ لکھ دیا۔ کہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے ہیں۔ (تقویۃ الایمان)

غلام زندہ۔ اور آقا مردہ؟ (معاذ اللہ) گویا نہر جاری اور دریا خشک۔

جولا ہہ

مولانا نانوتوی کی شان نہ عالمانہ تھی نہ درویشانہ بلکہ عاشقانہ شان تھی۔ اور آپ کی مجلس دوستانہ

ہوتی تھی۔ گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے۔ ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ کو تشریف لئے جاتے تھے۔ ایک جولاہہ نے بوجہ سادگی کے اپنا ہم قوم سمجھ کر پوچھا۔ کہ سوت کا آج کیا بھاؤ ہے۔ مولانا نے جواب دیا۔ کہ بھائی آج بازار جانا نہیں ہوا۔ وہ جولاہہ کچھ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ (حسن العزیز ملفوظات ص ۸۷)

سبق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ والوں کے متعلق ارشاد ہے "اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہ" جب انہیں دیکھا جائے۔ تو اللہ یاد آجائے۔ مگر دیوبندی اللہ والوں کی پہچان ہے۔ کہ جب ان میں سے کسی کو دیکھا جائے تو جولاہہ یاد آجائے۔

بلا معاوضہ وعظ

حضرت والا نے وعظ کہنے کا کبھی کسی قسم کا معاوضہ نہیں لیا۔ (اشرف السوانح ص ج۱)

حضرت والا جہاں سفر میں جاتے وعظ ضرور فرماتے اور فرمایا کرتے کہ بلا وعظ کہے کے کسی جگہ جا کر روٹیاں کھانے میں شرم آتی ہے۔ (اشرف السوانح ص ج۱)

سبق

وعظ ضرور فرماتے اس لئے کہ پرائی روٹیاں کھا مفت کی نہ ہوں بلکہ وعظ کے معاوضہ کی ہو جائیں اور کھانے میں شرم نہ آئے۔ کیا تماشہ ہے کہ صفحہ ۱ پر یہ پراپیگنڈہ کہ حضرت والا وعظ کہنے کا کبھی معاوضہ نہیں لیتے۔ اور دوسرے ہی صفحہ پر یہ کہ وعظ ضرور فرماتے تاکہ روٹی کھائی جا سکے۔ گویا وعظ کا معاوضہ لیتے نہیں۔ کھاتے ہیں۔

پھیکی اور بے لطف ہانڈی

مولانا اشرف علی فرماتے ہیں۔

بعض لوگ قلیل الکلام ہوتے ہیں۔ اس سے بھی رعب ہوتا ہے اور میں اس قدر بکی ہوں کہ ہر وقت بولتا ہی رہتا ہوں مگر پھر نہ معلوم لوگ کیوں اس قدر مجھ کو ہوا بنائے ہوئے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ص ج ۱۸)

سبق

حضرت والا دوسری جگہ خود ہی فرماتے ہیں۔

کہ جتنے آدمی زیادہ بولتے ہیں ان کا دماغ کچھ معتدل نہیں ہوتا مگر اتنا بھی کم نہ بولنا چاہیے کہ دوسرا آدمی منتظر ہی رہے۔ کہ نواب صاحب کچھ بولتے ہی نہیں۔ ہر چیز میں اعتدال ہی مناسب ہے ایک بار زیادہ بولنے کی خرابی اس مثال سے واضح فرمائی تھی کہ جو ہانڈی ہمیشہ ابلتی ہی رہے گی اس کا سارا مسالہ نکل جائے گا اور بالکل پھیکی بے لطف رہ جائے گی۔ الافاضات الیومیہ صفحہ ۲۹۳ ج ۲

شدت اور حدت

(۱) حضرت والا (مولوی اشرف علی صاحب) کی دادھیال فاروقی اور ننھیال علوی ہے۔

(اشرف السوانح صفحہ ۲۵ ج ۱)

(۲) حضرت والا کے لیے ایک انا یعنی دودھ پلائی مقرر کی گئی تھی جو ضلع میرٹھ کے کسی دیہات کی تھیں اور قوم کی قصائی تھیں۔ چنانچہ حضرت والا اکثر ظرافتاً فرماتے ہیں کہ میں نے قصائن کا دودھ پیا ہے۔ اس لئے میرے مزاج میں حدت ہے مگر الحمد للہ شدت نہیں۔ (اشرف السوانح صفحہ ۲۷)

سبق

جس کی دادھیال فاروقی اور ننھیال علوی ہو۔ اس کے مزاج میں شدت نہ ہو جب کہ حضرت فاروق و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی شان أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے مطابق ہے۔ تعجب ہے۔ کہ ایک قصائن کا دودھ اس شدت پر غالب آ گیا۔

کس قصائی سے پالا پڑا

ایک شخص صبح آئے تھے۔ میں اپنا کام چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔ کہ بھائی کچھ کہنا ہے تو کہو۔ جواب میں کہتا ہے۔ کہ اللہ کا شکر ہے۔ میں تو حیرت میں گیا کہ یہ کیا بات ہوئی ... مرید کی تب کہا کہ مرید ہونے کو آیا ہوں میں نے کہا نکل موذی یہاں سے۔ مگر بیٹھا رہا۔ میں نے کہا کہ نہیں اٹھتا تب بھی بیٹھا رہا۔ میں نے ڈنڈا اٹھایا اور اس کی طرف لے چلا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب یہ مارے گا۔ تب بھاگا ... لوگ تو کہتے ہوں گے۔ کہ کس قصائی سے ... میں کہتا ہوں کہ کن بیلوں سے پالا پڑا۔

(الافاضات الیومیہ ملفوظات حصہ پنجم صفحہ ۳۶۲)

سبق

یہ ہے حضرت والا کا اخلاق - ایک شخص ہاتھ میں ہاتھ دینے کو آتا ہے - یہ ہاتھ میں ڈنڈا لے لیتے ہیں - اور اس کے ہاتھ پاؤں توڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں - اور پھر خود ہی فرماتے ہیں -

لوگ تو کہتے ہوں گے کس قصائی سے پالا پڑا
اور میں کہتا ہوں کہ کن بیلوں سے پالا پڑا

"کن بیلوں سے پالا پڑا" گویا میں بیلوں کا قصائی یعنی بڑا قصائی ہوں - حضرت والا کی قصائینی آنا کا دودھ آخر رنگ لا کر رہا -

موت کا علم

آج شب میں نے خواب دیکھا - کہ ۲۵ - اگست کو قطعی بقول ایک شخص کے مر جاؤں گا - میں نے کہا تم ایسے ہی کہتے ہو اس نے کہا - اس میں خلاف نہیں ہے - میں اسی وقت سے سوچنے لگا - کہ جن کا کوئی حق ہو دے دوں - اور سامان میں پہنچا دوں اور اپنے بیٹے کے پاس دفن ہوں -

(مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید کا سوال)

مولوی اشرف علی صاحب جواب دیتے ہیں -

اس میں میری رائے دینے کی کیا بات ہے آپ کیا سمجھ رہے ہیں اور کیا بنتے ہیں - اس میں میرا کتنا اور کیوں کر دخل ہو سکتا ہے - (حسن العزیز بابت ماہ شوال ۱۳۴۹ھ صفحہ ۳۸)

سبق

اپنا مرید تھا نا اس لئے کنی کترا گئے - اور لکھ دیا میری رائے دینے کی کیا بات ہے - ورنہ اپنے عقیدہ کے مطابق اسے جواب دیتے کہ خواب میں نظر آنے والے شخص کو ۲۵ اگست ہی کو قطعی طور پر تمہارے مر جانے کا علم کیسے ہو گیا - تم اس کے کہنے پر یقین کر کے مشرک ہو گئے - قرآن کی یہ آیت بھی کہتے - وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا - پھر یہ لکھتے کہ تمہیں یہ کیسے علم ہو گیا کہ تم یہیں مرو گے اور اپنے بیٹے کے ساتھ دفن ہو گے -

بڑے ابا

ایک سلسلہ گفتگو میں (مولوی اشرف علی صاحب) نے فرمایا کہ یہاں قصبہ کے اندر جس قدر رہنے والے لوگ ہیں محبت تو سب کو ہے میں اس نعمت پر بھی حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں - اور یہ چیز

قصبہ کے ہندو بھنگی چماروں تک میں ہے چماروں کے پیچھے تک بڑے ابا کہہ کر سلام کرتے ہیں۔

(الافاضات الیومیہ ص۲۶۳)

سبق

اور فرمایا مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان میں کہ

ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا (بڑا ابا ہو یا چھوٹا) وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان ص۱۹)

گویا چماروں کے پیچھے تک اس شخص کو بڑے ابا کہہ کر سلام کرتے ہیں۔ جو خود اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

گنوار کا لونڈا اور بھینسا

مولانا فیض الحسن صاحب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے اور بہت زیادہ بے تکلف تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے عادت بے تکلفی اور ہمعصرانہ طریق پر حضرت نانوتوی کو فرمایا یہ حیا گنوار کے لونڈے تجھے ان چیزوں علوم سے کیا واسطہ تو جا کر ہل جوت کھیتی کر حضرت نے ہنس کر جواب دیا۔ ایک بھینسا زیر جوت ہے (اشارہ تھا مولانا فیض الحسن صاحب کی طرف کہ مولانا سیاہ فام اور بدن کے موٹے اور وزنی تھے) وہ مل جائے۔ تو ہل جوت جاتے۔ (حکایات اولیاء ص۲۸۶) سبق

سچے لوگ بے تکلفی میں بھی جھوٹ نہیں بولتے سچ ہی کہتے ہیں لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ دونوں نے جو کہا سچ ہی کہا ہے۔

تصور وخیال

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے ان سے پوچھا۔

رات دن ہمہ وقت بکثرت آپ کا تصور رہتا ہے اتنا اللہ میاں کا نہیں رہتا۔ مجھ کو اس حالت کے مذموم ہونے کا اندیشہ ہے۔ ایسی ترکیب ہو۔ کہ اللہ میاں کا تصور بڑھ جائے۔

مولوی صاحب نے جواب دیا۔ کہ

اس حالت کا کچھ مضائقہ نہیں جس کا تصور اللہ کے واسطے ہو وہ مثل تصور اللہ ہی کے ہے۔

(تربیۃ السالک مطبع امداد الطالب تھانہ بھون ص۳۸)

سبق

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق تو ان کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور و خیال کرنا بہت برا ہے۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل نے صراطِ مستقیم ص ۸۶ پر یہ بات لکھ دی۔ اور اپنے تصور کے لیے یہ کہ اس حالت کا کچھ مضائقہ نہیں یہ تصور مثل تصور اللہ ہی کے ہے" مولوی صاحب کا تصور و خیال ہمہ وقت بھی رہے تو مضائقہ نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور ہمہ وقت نہیں صرف نماز کے وقت بھی جائز نہیں مولوی صاحب کا تصور تو مثل تصور اللہ ہی کے ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور مثل تصور اللہ ہی کے نہ ہو۔ معلوم ہوا۔ کہ ایسے مسلک کا تصور و خیال بھی مذموم و برا ہے۔

چھوٹی ٹسی خدائی

(مولوی تھانوی صاحب نے) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے جنت کی تعریف میں کیسا فصیح و بلیغ جامع اور چھوٹا سا جملہ ارشاد فرمایا کہ بہشت میں چھوٹی سی خدائی ہوگی۔ یہ خدا کی شان ہے۔ کہ کن کہہ دیا۔ اور ہو گیا۔ جنتی کی خواہش کا فوراً ہی ظہور ہو جانا اسی شان کا ظہور ہے۔ (حسن العزیز ملفوظات ص ۸۹)

سبق

گویا سارے بہشتی چھوٹے چھوٹے خدا ہوں گے۔ اور سب بہشتی "قل ھو اللہ احد" کو بھول جائیں گے۔ مگر جن کے صدقہ و نسبت سے بہشتی بہشت میں جائیں گے۔ ان کے متعلق تقویۃ الایمان کا یہ کہنا ہے۔ کہ "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا" حالانکہ حقیقت وہ ہے جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے لکھی کہ

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

تصانیف کا اثر

سوائے حضور کے طریقہ کے کوئی طریقہ مجھے محبوب نہیں ہے۔ حضور کی تصانیف کا یہ اثر ہوا ہے کہ بڑے بڑے علماء و مشائخ بدعتی بداخلاق نظر آتے ہیں (ایک تیرے مرید کا سوال) مولوی صاحب کا جواب بڑے مزے کا "سبحان اللہ! خوب اثر ہوا اوروں کے تو عیب نظر آنے لگے۔ مگر اپنا ایک بھی نظر نہ آیا۔

(حسن العزیز صفحہ ۷۹)

سبق

"حضورؒ کی تصانیف کا یہی تو اثر ہوتا تھا کہ پڑھنے والے میں یہ عیب پیدا ہو جاتے ۔ کہ اسے بڑے بڑے علماء و مشائخ بدعتی بداخلاق نظر آنے لگیں۔ اور پھر وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْن کے مطابق اُسے اپنا یہ عیب نظر ہی نہ آئے۔

شراب پی کر شرابی اول فول نہ بکے گا تو اور کیا کرے گا۔ اس کے شور و شر کو سن کر اگر کہا جائے ۔ سبحان اللہ خوب اثر ہوا۔ تو اس کے سبحان اللہ کہنے پر ہم کہیں گے ۔ سبحان اللہ خوب موقعہ ہے سبحان اللہ کہنے کا۔ اس لیے کہ۔

اول تو شر بشر میں ہے پھر شر شراب میں
ممکن نہیں شراب پئیں اور شر نہ ہو

مالیخولیا

مواعظ کو دیکھ کر جو کمی خود میں نظر آئی اُسے پورا کر لیا (ایک چیز تھے مرنے کا سوال ، مولوی صاحب کا جواب پڑھیئے واہ واہ واہ) اپنے نزدیک آپ پورے ہو گئے۔ اپنے مُنہ سے سمجھنا مالیخولیا ہے یا نہیں (حسن العزیز ص۵)

سبق

مولوی تھانوی صاحب کے مواعظ کا خوب اثر ہے۔ کہ پڑھنے سننے والوں کو مالیخولیا ہو جاتا ہے یا مراق۔ مرزا غلام احمد کو بھی مراق تھا۔ اور اس مراقی نبی کے امتی اپنے مراقی نبی کو مراقی نبی ثابت کرنے کے لیے دیوبندیوں کی تحذیر الناس ہی کی آڑ لیتے ہیں۔

بھیڑیئے

فرمایا (مولوی اشرف علی صاحب نے) ایک صاحب بصیرت و تجربہ کہا کرتے تھے کہ ان دیوبندیوں وہابیوں کو اپنی قوت معلوم نہیں۔ یہ اپنے کو ہیچ در ہیچ ناکارہ سمجھتے ہیں۔ مخالفین کو ان کی قوت معلوم ہے یہی وجہ ہے کہ مخالفین ان پر حسد کرتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ بھیڑیئے کو اپنی قوت معلوم نہیں۔ (الافاضات الیومیہ ص۲۴۹-۲۵۰)

ان دیوبندیوں وہابیوں ہی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیاب فی ثیاب فرمایا ہے۔
یعنی انسانی جاموں میں بھیڑیئے ۔

زبان ثنائی شیاپ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

سید احمد اور بدھ سنگھ

سید احمد صاحب نے رنجیت سنگھ کی افواج کے جنرل بدھ سنگھ کو جو خط لکھا۔ اس میں بدھ سنگھ کو جو القاب لکھے گئے پڑھیئے۔ از امیر المومنین سید احمد بضمیر ابہت تخمیر۔ سپہ سالار جنود و عساکر۔ مالک خزائن و دفاتر جامع ریاست و سیاست۔ حاوی امارت و ایالت۔ صاحب شمشیر و جنگ۔ عظمت نشاں سردار بدھ سنگھ۔ (سوانح احمدی صفہ ۲ اور حیات طیبہ صفہ ۲۰۳)

سبق

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تقویۃ الایمان میں یوں لکھا۔

جس کا نام محمد یا علی ہے۔ وہ کسی چیز کا مختار نہیں صفہ ۴۷

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بغیر کسی لقب کے صرف نام لکھ کر لکھ دیا کہ وہ کسی چیز کے مختار نہیں۔ مگر سردار بدھ سنگھ کو خط لکھتے وقت ایسی سُدھ بدھ ماری گئی۔ کہ اتنے طویل القاب لکھ دیئے۔ جو گویا منگلوار سے لے کر بدھ وار تک ختم ہوں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت شیر خدا مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو کسی چیز کے مختار نہ ہوں مگر بدھ سنگھ لشکروں کا سپہ سالار بھی اور خزانوں دفتروں کا مالک و مختار بھی۔ ریاست و سیاست کا جامع و امیر بھی۔ اور صاحب جنگ و شمشیر بھی ؎

راز اُن کے کھلے جاتے اک ایک سبھوں پر
اور اس پہ تماشہ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کوا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو زاغ کہ شہروں میں اکثر پایا جاتا ہے۔ اور دانہ اور اکثر نجاست کھاتا ہے۔ حلال ہے یا کہ حرام براہ کرم اس سے جلد مطلع فرمائیں کیوں کہ اس مسئلہ پر یہاں بحث ہے۔

مولوی اشرف علی صاحب اس کا جواب لکھتے ہیں۔

ایسے غیر ضروری مسائل نہ پوچھنا جس کی اشاعت سے شورش پیدا ہو شرعاً مناسب ہے۔

جو شخص بحث کرے آپ بھی کہہ دیں کہ بھائی یہ کوئی ضروری بات نہیں۔ ہم اس میں خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ (حسن العزیز ملفوظات ص ۲۱)

سبق

مولوی صاحب! یہ شورش پیدا کرنے کی نامناسب حرکت آپ کے گنگوہی صاحب تو کر چکے۔ انہوں نے کوّا کو نہ صرف حلال ہی لکھا ہے بلکہ اس کے کھانے کو موجب ثواب بھی لکھا ہے[1]۔ اور یہ شورش پیدا ہی اس لئے ہوئی ہے۔ کہ گنگوہی صاحب نے کوّا کو حلال لکھا ہے۔ اب جو مسئلہ آپ سے پوچھا گیا ہے۔ تو کوّا اگر واقعی حلال ہے۔ تو بغیر کسی ڈر کے آپ اپنا فتویٰ دے دیجئے۔ مگر چونکہ آپ کا مسلک بھی وہی ہے۔ جو گنگوہی صاحب کا ہے۔ اور مسلک گنگوہی موجب شورش ہے۔ اس لیے آپ کنی کترا گئے۔ اور اپنا مسلک ظاہر نہیں کیا۔ تاکہ مزید شورش نہ ہو۔ اور اس پر طرہ یہ کہ آپ کو اپنے مجدد ہونے کا احتمال ہے (دیکھئے مجالس حکیم الامت ص ۲۲۲) مجدد ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جو شورش کے ڈر سے حق بیان نہ کر سکیں۔

تبرک

مولوی اشرف علی صاحب ایک مرتبہ مولانا احمد حسن امروہی کے گھر بیت الخلاء میں گئے۔ تو مولانا احمد حسن نے اپنے ہاتھ سے استنجے کے ڈھیلے اور لوٹا بیت الخلاء میں رکھا۔ مولوی اشرف علی صاحب نے بہت پس و پیش کی حالت میں فرمایا۔ کہ یہ ڈھیلے تو تبرک ہو گئے اب استنجا کاہے سے کیا جائے (اشرف السوانح ص ۲۵۷ ج ۱)

سبق

اپنی اپنی قسمت ہے۔ کسی کے لیے میلاد شریف کے لڈو تبرک۔ شب براۃ کا حلوہ تبرک۔ گیارہویں شریف کی مٹھائی تبرک۔ اور کسی کے لیے استنجے کے ڈھیلے تبرک۔

سونا

مولوی اشرف علی صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالرزاق صاحب جھنجانوی کے صاحبزادہ کو کیمیا کا شوق تھا ایک مرتبہ شاہ صاحب استنجا فرما رہے تھے۔ اور یہ صاحبزادے کچھ دوائیں کیمیا کی

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۹۷

نئے ہوئے کھڑے تھے۔ بعد فراغ ڈھیلا پتھر پہ مارا وہ پتھر سونے کا ہو گیا۔ ایک سنار اس میں سے کچھ کاٹ کر لے گیا۔ پھر شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ بھائی اگر کوئی اس کو اٹھا کر لے گیا تو نمازیوں کو تکلیف ہو جاوے گی پھر دعا کی وہ پتھر ہو گیا۔ (حسن العزیز ملفوظات ص ۹۵)

سبق

یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں کی شان ہے۔ کہ چاہیں۔ تو اپنے استنجا کے ڈھیلے سے پتھر کو سونا بنا دیں۔ پھر کس قدر بے خبر ہے وہ شخص جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع و اعلیٰ شان سے جو حضور ہی کے متعلق یوں لکھے کہ

رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان ص ۵۹)

چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است ؎
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

دلی خیال

(مولوی اشرف علی صاحب نے) فرمایا کہ حضرت جنید بغدادی نے ایک شخص کو جو کہ اچھا ہٹا کٹا تھا مسجد میں سوال کرتے دیکھا۔ دل میں انکار کیا۔ اس شخص نے یہ آیت پڑھی اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ اس کو سن کر حضرت جنید بغدادی نے دل میں توبہ کی۔ اس شخص نے فوراً یہ پڑھ دیا۔ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ۔ (حسن العزیز ملفوظات ص ۱۱)

سبق

یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادنیٰ غلاموں کی شان ہے۔ کہ دلی خیالات ان کے سامنے روشن ہیں۔ پھر کس قدر بے خبر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم ماکان و مایکون سے وہ جاہل جو یہ لکھ دے کہ

حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (براہین قاطعہ ص ۵۱)

مینائیں۔ کنول۔ شاما اور قمری

دیو بندی مکتبہ فکر کے رسالہ پیام اسلام لاہور نے اپنی ۱۷ اگست ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں

"شیخ الاسلام کی گھریلو زندگی کی ایک جھلک" کے زیر عنوان جناب مولوی حسین احمد مدنی کے کچھ گھریلو حالات لکھے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے گھر میں چڑیوں کے پنجرے بھی تھے۔ اور چڑیوں میں عموماً مینائیں۔ کوئل۔ شاما۔ لال۔ قمری وغیرہ رہتی تھیں طوطا کبھی گھر میں نہیں رہا۔ مادی اشیاء میں صرف چند چیزیں حضرت کو مرغوب تھیں۔ اور ان کے حصول کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار فرماتے تھے۔ بلاخوف تردید میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی عمر میں خوشبودار پھولوں کے پودے چڑیوں۔ اور مہمانوں کے علاوہ کسی قیمتی سے قیمتی سامان اور کسی عجیب سے عجیب تر مفید چیز کی طرف حضرت کو توجہ کرتے نہیں دیکھا۔ چڑیاں اور پودے مدراس اور آسام بنگال کیرالا وغیرہ سے صرف کثیر خرچ کر کے منگوایا کرتے تھے۔ اور بڑی رغبت اور خوشی سے ان کی حفاظت کرتے تھے۔

سبق

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روز شامیانوں۔ جھنڈیوں اور دیگر سامان آرائش پر خرچ کرنے کو دیوبندی حضرات فضول خرچی اور اسراف بتایا کرتے ہیں۔ اور بڑے مشفقانہ انداز میں اس روپے کو کسی قومی فنڈ میں خرچ کرنے کا وعظ فرمایا کرتے ہیں۔ ان حضرات سے ہمارا یہ سوال ہے۔ کہ چڑیاں پالنے کا شوق اور پھر ان پر صرف کثیر خرچ کرنا اور بڑے اہتمام کے ساتھ دور دراز علاقوں سے ہر ممکن طریقہ سے انہیں منگوانا اور ان کی حفاظت کرنا کیا فرض ہے۔ واجب ہے۔ سنت ہے یا بدعت؟ بدعت کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے۔ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام علیہم الرضوان سے کہیں یہ ثابت نہیں۔ کہ انہوں نے بھی کبھی مینائیں۔ کوئل۔ شاما۔ لال۔ اور قمریاں پنجرے میں بند کر کے رکھی ہوں۔ ہاں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکریوں کی بیشک پرورش فرمائی۔ مگر اوپر کی لسٹ میں بکریوں کا کہیں نام نہیں ان چڑیوں کے شوق میں جو صرف کثیر خرچ کیا جاتا تھا وہ اگر کسی قومی فنڈ میں خرچ ہوتا تو کیا بہتر نہ ہوتا شامیانوں اور جھنڈیوں پر خرچ کرنا۔ اور شاماؤں اور چڑیوں پر خرچ کرنا ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ بہر حال یہ ایک سوال ہے اس کا کچھ تو جواب ہوگا فرض و واجب اور سنت نہیں اور بدعت بھی نہیں۔ تو کم از کم جائز تو ضرور ہوگا۔

ہمارا امتحاں لیتے ہو لیکن
تمہارا بھی اسی میں امتحاں ہے

حضور سراپا نور

صلی اللہ علیہ وسلم

مولوی اشرف علی صاحب فرماتے ہیں۔

حضور کے نور کے برکات تو اس قدر غیر محدود ہیں۔ کہ وہ مفارقت بدن ابراہیمی کے بعد ویسا ہی نور بخش تھا جیسا کہ مفارقت ناسوت کے بعد بھی ناسوت کے لیے نور بخش ہو رہا ہے جن انوار کا مشاہدہ آپ کر رہے ہیں اس پر ایک لطیفہ یاد آگیا جس میں اس منوریت ناسوت سے ایک دوسرے مذہب کے شخص نے ایک لطیف استدلال کیا تھا۔ وہ قصہ یہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ اکبر بادشاہ کی مجلس میں رات کو دفعۃً ساری شمعیں گل ہو گئیں۔ اور مجلس میں بالکل اندھیرا ہو گیا۔ گو بادشاہ دہری تھا۔ مگر اپنے کو مسلمان کہتا تھا۔ اس اندھیرے کو دیکھ کر قبر کا اندھیرا یاد آگیا طبیعت بہت پریشان ہوئی حکم دیا۔ کہ بیربل کو بلاؤ۔ بیربل حاضر ہوا۔ اس نے اس سے اپنی پریشانی بیان کی اس نے تسلی کے لیے ایک عجیب نکتہ بیان کیا۔ کہتا ہے۔ کہ حضور اس کا ہرگز غم نہ کریں مسلمان کی قبر میں اندھیرا ہوتا ہی نہیں۔ کیوں کہ آپ امتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ جب تک آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اس عالم میں رہے۔ یہاں روشنی رہی۔ تمام عالم منور رہا۔ جس کا اثر اب تک باقی ہے۔ جب سے عالم قبر میں تشریف لے گئے وہاں بھی آپ کا نور پھیل گیا جس سے مسلمانوں کی سب قبریں منور ہیں۔ تو مسلمان کے لیے نہ یہاں اندھیرا ہے نہ وہاں اکبر بہت خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ بیربل کو انعام دیا جائے۔ (روح العج مانج ص۱۹)

سبق

معلوم ہوا۔ کہ جو شخص حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور تسلیم نہیں کرتا۔ اور اپنی مثل بشر کہتا ہے۔ اسے اپنے حکیم الامت کے لکھنے پر بھی اعتبار نہیں۔ اور اس سے تو بیربل ہی اچھا۔

کفنی لکھنے کا جواز

مولوی اشرف علی صاحب سے کسی نے بذریعہ خط سوال کیا۔

ہمارے ہاں رسم ہے کہ مردہ پر جو چادرہ پردے کے لئے ڈالا جاتا ہے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مکتوب یا منقوش ہوتا ہے اور غرض اس کتابت یا نقش

سے تحصیل برکت ہوتی ہے۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

مولوی اشرف علی صاحب نے اس کا حسب ذیل جواب دیا کہ

پردے کے لئے کسی کپڑے کا استعمال اس کا ابتذال ہے اس لئے چادرہ منقوش کو پردے کے لیے استعمال کرنا بے ادبی ہے البتہ اگر اس چادر کو تہ کرکے مردے کے سینے پر رکھ دیا جائے اور پردے کے لیے دوسرا چادرہ لے لیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ (حکیم الامت کے مقالات حکمت ص۲۶۶)

سبق

مولوی صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا۔ کہ مردے کے سینے کپڑے پر کلمہ شریف لکھ کر اس کے سینے پر رکھنا جسے کفنی لکھنا کہا جاتا ہے جائز ہے۔ بدعت نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی تحصیل برکت ہی کے لیے ہوتا ہے۔ پھر جو لوگ کفنی لکھنے کو خواہ مخواہ بدعت کہہ دیتے ہیں۔ مولوی اشرف علی صاحب کے لکھنے کے مطابق بھی غلطی پر ہیں۔

محبت کی رو سے

جناب مولوی اشرف علی صاحب صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ اگر آپ تھوکتے تھے تو وہ حضرات ہاتھوں پر لیتے تھے۔ اور غسالہ وضو لینے کے لئے ان حضرات کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے۔ اگر کسی کو نہ ملتا تھا تو دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مل کر اسی کو اپنے منہ پر مل لیتا تھا۔ (مقالات حکمت ص۱۷)

سبق

معلوم ہوا کہ محبت کی رو سے ایک ایسا کام بھی کر لینا جس کا خدا اور رسول نے کوئی حکم نہ دیا ہو۔ جائز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوک مبارک کو ہاتھوں پر لے لینے کا اور غسالہ وضو کو مونہوں پر مل لینے کا اگر نہ ملے تو دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مل کر اپنے منہ پر مل لینے کا قرآن و حدیث میں کہیں حکم نہیں مگر صحابہ کرام علیہم الرضوان محبت کی رو سے ایسا کرتے تھے۔ اور ان کا ایسا کرنا ثواب و برکت ہی کی خاطر تھا پھر آج اگر کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی سن کر اسے چوم کر آنکھوں پر مل لے۔

تو یہ کہنا کہ اس کا کہاں حکم آیا ہے۔ نا آشنائی محبت کی دلیل ہوا یا نہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ اور حضورؐ کے دست و قدم مبارک چومے اور ہم جنہیں یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔ ان کا نام پاک ہی سن کر اگر محبت سے چوم کر آنکھوں پر مل لیں تو یہ بات بدعت کیوں ہو؟ محبت ہوتی تو اسے صحیح جائز کہا جاتا۔

تصرف

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید مولوی صاحب کو لکھتے ہیں۔

برکت تصرف حضور عالی بیعت فرما لینے کے بعد ہی غلام کے گھر میں سے جن کا خلل جاتا رہا۔ اور سال بھر سے زائد کی تپ کافور ہو گئی۔

مولوی صاحب اس کا جواب لکھتے ہیں۔

صحت مرضہا سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ مبارک فرمائیں۔ (تربیۃ السالک ص ۴۴)

سبق

معلوم ہوا کہ پیر کے لیے تصرف ماننا اور اسے متصرف سمجھنا شرک نہیں۔ بلکہ پیر اپنے تصرف سے بلا اور جن بھی دفع کر سکتا ہے۔ اور مرض بھی۔ پھر جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو بھی ایسا تصرف حاصل ہے۔ تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم اور متصرف فی الاکوان نہ ہوں گے۔

مولوی صاحب نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابیں یاد ہو جانے اور سمجھنے کی سمجھ مانگی۔ بقول مولوی اسمٰعیل کے یہ مولوی صاحب کا محض خبط تھا۔

مولوی اسمٰعیل صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (تقویۃ الایمان ص ۴۷)

اور مولوی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حافظہ اور سمجھنے کی قوت مانگی۔ گویا مولوی صاحب نے قوت حافظہ اور سمجھنے کی صلاحیت کو حضور کے اختیار میں سمجھا۔ جبھی تو یہ چیزیں حضور نے عطا فرما دیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ

اللہ سے زبردست کے ہوتے ہوئے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان

نہیں پہنچ سکتے محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارے لوگوں کو ثابت کیجیے۔ (تقویۃ الایمان صـ ۳۳)

مولوی حسین احمد صاحب کے معتقدین کو سوچنا چاہیے۔ کہ مولوی صاحب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گریں۔ اور ان سے مرادیں مانگیں۔ اور مولوی اسمٰعیل صاحب انہیں خبطی قرار دیں۔ اور حضور کو بے اختیار کہیں حتیٰ کہ (معاذ اللہ) ناکارہ تک کہہ دیں۔

مولوی صاحب سے حضور کا فرمانا۔ کیا مانگتا ہے" اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بفضل اللہ مالک و مختار ہیں اور پھر مولوی صاحب کا حضور سے اپنی مراد مانگنا اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ حضور سے مراد مانگنا شرک نہیں اور حضور کا یہ فرمانا "کہ تجھ کو دیا" اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ قوت حافظہ ہو۔ یا قوت فہم کسی قسم کی بھی کوئی نعمت ہو حضور کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ مگر ناکارے لوگ یہ نہیں مانتے ؎

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیے

مولوی حسین احمد صاحب مدنی لکھتے ہیں۔

مکہ معظمہ سے روانہ ہونے کے بعد چوتھے روز جب کہ قضیمہ سے رابغ کو قافلہ جا رہا تھا رات میں اونٹ پر سوتے ہوئے خواب میں دیکھا۔ کہ جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں میں قدموں پر گر گیا۔ آپ نے میرا سر اٹھا کر فرمایا۔ کیا مانگتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ جو کتابیں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں۔ اور جو نہیں پڑھی ہیں۔ ان کے سمجھنے کی قوت ہو جائے۔ تو فرمایا۔ کہ تجھ کو دیا۔ (نقش حیات صـ ۹۶)

مولوی صاحب کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ اور حضورؐ نے فرمایا۔ کیا مانگتا ہے۔

یعنی جو مانگو گے میں دوں گا۔ مولوی صاحب نے یہ نہیں کہا۔ کہ میں اللہ کے ہوتے ہوئے آپ سے

کیوں مانگوں جو مانگنا ہے۔ اللہ سے مانگ لوں گا۔ حالانکہ انہیں کہنا یہی چاہیے تھا۔ کیوں کہ ان کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان میں مولوی اسمٰعیل نے یہ لکھا ہے کہ

> جس سے پوچھئے کہ ایسی شان کس کی ہے۔ کہ ہر چیز اس کے قابو میں ہے جو چاہے سو کر ڈالے اس کا ہاتھ کوئی پکڑ نہ سکے۔ اور اس کی حمایت میں کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔ اور اس کے تقصیر وار کو کہیں پناہ نہ مل سکے۔ اور اس کے مقابلہ کسی کی حمایت چل نہ سکے۔ سو ہر کوئی یہی جواب دے گا کہ ایسی اللہ کی ہے۔ سو سمجھا چاہیئے۔ کہ پھر اور کسی سے مرادیں مانگنی محض خبط ہے۔ (تقویۃ الایمان صفحہ ۳۲)